اصلاحی خطبات

- تواضع رفعت اور بلندی کا ذریعہ
- حسد ایک مہلک بیماری
- خواب کی شرعی حیثیت
- سستی کا علاج چستی
- آنکھوں کی حفاظت کیجئے
- کھانے کے آداب
- پینے کے آداب
- دعوت کے آداب
- لباس کے شرعی اصول

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

اصلاحی خطبات

۵

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

خطبات ⟵ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم
ضبط و ترتیب ⟵ محمد عبداللہ میمن صاحب
مقام ⟵ جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال، کراچی
اشاعت اوّل ⟵ مئی ۱۹۹۵ء
تعداد ⟵ دو ہزار
ناشر ⟵ میمن اسلامک پبلشرز، فون:- ۴۹۱۶۰۳۳
باہتمام ⟵ ولی اللہ میمن
قیمت ⟵ /= روپے

حکومت پاکستان کاپی رجسٹریشن نمبر ۱۳۵۷۸

ملنے کے پتے

- میمن اسلامک پبلشرز، ۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹
- دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی
- ادارہ اسلامیات، ۱۹۰۔ انار کلی، لاہور ۲
- مکتبہ دار العلوم کراچی ۱۴
- ادارۃ المعارف، دار العلوم کراچی ۱۴
- کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، کراچی
- مولانا اقبال نعمانی صاحب، آفیسر کالونی گارڈن، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔

امابعد!

اپنے بعض بزرگوں کے ارشاد کی تعمیل میں احقر کئی سال سے جمعہ کے روز عصر کے بعد جامع مسجد البیت المکرم گلشن اقبال کراچی میں اپنے اور سننے والوں کے فائدے کے لئے کچھ دین کی باتیں کیا کرتا ہے۔ اس مجلس میں ہر طبقہ خیال کے حضرات اور خواتین شریک ہوتے ہیں، الحمد اللہ احقر کو ذاتی طور پر بھی اس کا فائدہ ہوتا ہے اور بفضلہ تعالیٰ سامعین بھی فائدہ محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو ہم سب کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں۔ آمین۔

احقر کے معاون خصوصی مولانا عبد اللہ میمن صاحب سلمہ نے کچھ عرصے سے احقر کے ان بیانات کو ٹیپ ریکارڈ کے ذریعے محفوظ کر کے ان کے کیسٹ، تیار کرنے اور ان کی نشر و اشاعت کا اہتمام کیا جس کے بارے میں دوستوں سے معلوم ہوا کہ بفضلہ تعالیٰ ان سے بھی مسلمانوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

ان کیسٹوں کی تعداد اب غالباً سو سے زائد ہو گئی ہے۔ انہی میں سے کچھ کیسٹوں کی تقاریر مولانا عبد اللہ میمن صاحب سلمہ نے قلمبند بھی فرمالیں، اور ان کو چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی شکل میں شائع کیا۔ اب وہ ان تقاریر کا ایک مجموعہ "اصلاحی خطبات" کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

ان میں سے بعض تقاریر پر احقر نے نظر ثانی بھی کی ہے۔ اور مولانا موصوف نے

ان پر ایک مفید کام یہ بھی کیا ہے کہ تقاریر میں جو احادیث آئی ہیں، ان کی تخریج کر کے ان کے حوالے بھی درج کر دیئے ہیں۔ اور اس طرح ان کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

اس کتاب کے مطالعے کے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے، بلکہ تقریروں کی تلخیص ہے جو کیسٹوں کی مدد سے تیار کی گئی ہے، لہٰذا اس کا اسلوب تحریری نہیں، بلکہ خطابی ہے۔ اگر کسی مسلمان کو ان باتوں سے فائدہ پہنچے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور اگر کوئی بات غیر محتاط یا غیر مفید ہے، تو وہ یقیناً احقر کی کسی غلطی یا کوتاہی کی وجہ سے ہے۔ لیکن الحمد للہ، ان بیانات کا مقصد تقریر برائے تقریر نہیں، بلکہ سب سے پہلے اپنے آپ کو اور پھر سامعین کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

نہ بہ حرف ساختہ سرخوشم، نہ بہ نقش بستہ مشوشم

نفسے بیاد توی زنم، چہ عبارت وچہ معانیم

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان خطبات کو خود احقر کی اور تمام قارئین کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں، اور یہ ہم سب کے لئے ذخیرہ آخرت ثابت ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے مزید دعا ہے۔ کہ وہ ان خطبات کے مرتب اور ناشر کو بھی اس خدمت کا بہترین صلہ عطا فرمائیں۔ آمین۔

محمد تقی عثمانی

دارالعلوم کراچی ۱۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

الحمد اللہ "اصلاحی خطبات" کی پانچویں جلد آپ تک پہنچانے کی ہم سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ جلد رابع کی مقبولیت اور افادیت کے بعد مختلف حضرات کی طرف سے جلد خامس کو جلد از جلد شائع کرنے کا شدید تقاضہ ہوا، اور اب الحمد اللہ، دن رات کی محنت اور کوشش کے نتیجے میں صرف چھ ماہ کے اندر یہ جلد تیار ہو کر سامنے آگئی اس جلد کی تیاری میں برادر مکرم جناب مولانا عبد اللہ میمن صاحب نے اپنی دوسری مصروفیات کے ساتھ ساتھ اس کام کے لئے اپنا قیمتی وقت نکالا، اور دن رات کی انتھک محنت اور کوشش کر کے جلد خامس کے لئے مواد تیار کیا، اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔ اور مزید آگے کام جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ہم جامعہ دار العلوم کراچی کے استاد حدیث جناب مولانا محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہم اور مولانا راحت علی ہاشمی صاحب مدظلہم کے بھی شکر گزار ہیں جنہوں نے اپنی قیمتی وقت نکال کر اس پر نظر ثانی فرمائی، اور مفید مشورے دیئے اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں ان حضرات کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین۔

تمام قارئین سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو مزید آگے جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ اور اس کے لئے وسائل اور اسباب میں آسانی پیدا فرما دے۔ اور اس کام کو اخلاص کے ساتھ جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ولی اللہ میمن

میمن اسلامک پبلیشرز

لیاقت آباد۔ کراچی

اجمالی فہرست خطبات

تفصیلی فہرست مضامین

(۴۰) ــــ تواضع۔ رفعت اور بلندی کا ذریعہ

(۴۱) حسد۔ ایک مہلک بیماری

(۴۲) ــــ خواب کی حیثیت

(۴۳) ــــــ سستی کا علاج چستی

(۴۴) ــــ آنکھوں کی حفاظت کیجئے

(۴۵) ــــ کھانے کے آداب

(۴۶) ـــ پینے کے آداب

(۴۷) ـــ دعوت کے آداب

(۴۸) ـــ لِباس کے شرعی اصُول

تواضع۔ رفعت اور بلندی کا ذریعہ

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب :

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۵

صفحات :

تواضع
رفعت اور بلندی کا ذریعہ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له، واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان سيدنا ونبينا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ آله واصحابه وبارك وسلم تسليمًا كثيرًا كثيرًا - امابعد!

امابعد! فقد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تواضع لله رفعه الله؛

(ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی التواضع)

اس وقت میں نے آپ حضرات کے سامنے تواضع کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد پڑھا، جس کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بلندی سے نوازتے ہیں ـــــ اس وقت اسی ارشاد کی تھوڑی سی تشریح کرنی ہے، جس میں تواضع کی اہمیت، اس کی حقیقت، اور اس پر عمل کرنے کا طریقہ بیان کرنا مقصود ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے صحیح بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ـــــ

تواضع کی اہمیت

جہاں تک تواضع کی "اہمیت" کا تعلق ہے، تو یہ تواضع اتنی اہم چیز ہے کہ اگر انسان کے اندر تواضع نہ ہو، تو یہی انسان فرعون اور نمرود بن جاتا ہے، اس لئے کہ جب دل میں تواضع کی صفت نہیں ہوگی، تو پھر تکبر ہوگا، دل میں اپنی بڑائی ہوگی، اور یہ تکبر اور بڑائی، تمام امراض باطنہ کی جڑ ہے۔

سب سے پہلی نافرمانی کی بنیاد

دیکھئے اس کائنات میں سب سے پہلی نافرمانی ابلیس نے کی، اس نے نافرمانیکا بیج بویا، اس سے پہلے نافرمانی کا کوئی تصور نہیں تھا، جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا، اور تمام فرشتوں کو ان کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیا تو ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا، اور کہا کہ:

اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ

(سورة ص: ۷۶)

یعنی میں اس آدم سے اچھا ہوں، اس لئے کہ مجھے آپ نے آگ سے پیدا کیا ہے، اور اس کو آپ نے مٹی سے پیدا کیا ہے، اور آگ مٹی سے افضل ہے، اس لئے میں اس سے افضل ہوں، میں اس کو سجدہ کیوں کروں؟ ــــــ یہ سب سے پہلی نافرمانی تھی، جو س کائنات میں سرزد ہوئی، اس نافرمانی کی بنیاد تکبر اور بڑائی تھی کہ میں اس آدم سے فضل ہوں، یا اچھا ہوں، میں اس سے بہتر ہوں ــــــ بس اس تکبر کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو راندہ درگاہ کر دیا ــــــ اس سے معلوم ہوا کہ ساری نافرمانیوں اور برائیوں کی جڑ "تکبر" ہے۔ جب دل میں تکبر ہو گا تو دوسری برائیاں بھی اس میں جمع ہوں گی۔

اللہ کے حکم کے آگے عقل مت چلاؤ

اس تکبر کی وجہ یہ ہوئی کہ شیطان نے اپنی عقل پر ناز کیا۔ اس نے سوچا کہ میں ایک ایسی عقلی دلیل پیش کر رہا ہوں۔ جس کا توڑ مشکل ہو، وہ یہ کہ اگر آگ اور مٹی کا تقابل کیا جائے تو آگ مٹی سے افضل ہے، اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے اپنی عقل چلائی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بارگاہ خداوندی سے مطرود اور مردود ہوا ــــــ اقبال مرحوم شعر میں بعض اوقات بڑی حکیمانہ باتیں کہتے ہیں۔ چنانچہ ایک شعر میں انہوں نے اسی واقعہ کی طرف اس طرح اشارہ کیا کہ ؎

صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے
جو عقل کا غلام ہو، وہ دل نہ کر قبول

اس لئے کہ جو عقل کا غلام بن گیا، اس نے اللہ تعالیٰ کی بندگی کا تو انکار کر دیا اس شیطان نے یہ نہیں سوچا کہ جب معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، اسی نے تجھے پیدا کیا، اور اس نے آدم کو پیدا کیا، وہ خالق کائنات بھی ہے، وہ یہ کہہ رہا ہے کہ تو آدم کو سجدہ کر، تو اب تیرا کام یہ تھا کہ تو اس کے حکم کے آگے سر جھکا دیتا، مگر تو نے اس کے حکم کی نافرمانی کی، اس لئے مردود ہوا۔

تمام گناہوں کی جڑ "تکبر"

بہر حال، تکبر سارے گناہوں کی جڑ ہے، تکبر سے غصہ پیدا ہوتا ہے، تکبر سے حسد پیدا ہوتا ہے، تکبر سے بغض پیدا ہوتا ہے، تکبر کی بنیاد پر دوسروں کی دل آزاری ہوتی ہے، تکبر سے دوسروں کی غیبت ہوتی ہے۔ جب تک دل میں تواضع نہ ہوگی، اس وقت تک ان برائیوں سے نجات نہ ہوگی۔ اس لئے ایک مومن کے لئے تواضع کو حاصل کرنا بہت ضروری ہے،

تواضع کی حقیقت

"تواضع" عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی ہیں "اپنے آپ کو کم درجہ سمجھنا" اپنے آپ کو کم درجہ والا کہنا تواضع نہیں، جیسا کہ آج کل لوگ تواضع اس کو سمجھتے ہیں کہ اپنے لئے تواضع اور انکساری کے الفاظ استعمال کر لئے، مثلاً اپنے آپ کو "احقر" کہہ دیا، "ناچیز"، "ناکارہ" کہہ دیا۔ یا "خطا کار" "گناہ گار" کہہ دیا، اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان الفاظ کے استعمال کے ذریعہ تواضع حاصل ہو گئی، حالانکہ اپنے آپ کو کمتر کہنا تواضع نہیں، بلکہ کمتر سمجھنا تواضع ہے، مثلاً یہ سمجھے کہ میری کوئی حیثیت، کوئی حقیقت نہیں، اگر میں کوئی اچھا کام کر رہا ہوں تو یہ محض اللہ تعالیٰ کی توفیق ہے، اس کی عنایت اور مہربانی ہے، اس میں میرا کوئی کمال نہیں —— یہ ہے تواضع کی حقیقت۔ جب یہ حقیقت حاصل ہو جائے تو اس کے بعد زبان سے چاہے اپنے آپ کو "حقیر" اور "ناچیز" "ناکارہ" کہو، یا نہ کہو، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، جو شخص تواضع کی اس حقیقت کو

حاصل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بلند مقام عطا فرماتے ہیں۔

بزرگوں کی تواضع

جن بزرگوں کی باتیں سن اور پڑھ کر ہم لوگ دین سیکھتے ہیں، ان کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ وہ لوگ اپنے آپ کو اتنا بے حقیقت سمجھتے ہیں جس کی حد و حساب نہیں، چنانچہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد میں نے اپنے بے شمار بزرگوں سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ:

میری حالت یہ ہے کہ میں ہر مسلمان کو اپنے آپ سے فی الحال، اور ہر کافر کو احتمالاً اپنے آپ سے افضل سمجھتا ہوں "مسلمان کو تو اس لئے افضل سمجھتا ہوں کہ وہ مسلمان اور صاحب ایمان ہے، اور کافر کو اس وجہ سے کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو کبھی ایمان کی توفیق دیدے، اور یہ مجھ سے آگے بڑھ جائے" ــــــ

ایک مرتبہ حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ کے خلیفہ خاص حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں بیٹھتا ہوں تو مجھے ایسا لگتا ہے کہ جتنے لوگ مجلس میں بیٹھے ہیں، سب مجھ سے افضل ہیں، اور میں ہی سب سے زیادہ نکما اور ناکارہ ہوں، حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے سن کر فرمایا کہ میری بھی یہی حالت ہوتی ہے، پھر دونوں نے مشورہ کیا کہ ہم حضرت تھانویؒ کے سامنے اپنی یہ حالت ذکر کرتے ہیں، معلوم نہیں کہ یہ حالت اچھی ہے، یا بری ہے۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اپنی حالت بیان کی کہ حضرت آپ کی مجلس میں ہم دونوں کی یہ حال ہوتی ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ کچھ فکر کی بات نہیں۔ اس لئے کہ تم دونوں اپنی یہ حالت بیان کر رہے ہو۔ حالانکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب میں بھی مجلس میں بیٹھتا ہوں تو میری بھی یہی حالت ہوتی ہے، کہ اس مجلس میں سب سے زیادہ نکما اور ناکارہ میں ہی ہوں۔ یہ سب، مجھ سے افضل ہیں ــــ

یہ ہے تواضع کی حقیقت، ارے جب تواضع کی یہ حقیقت غالب ہوتی ہے تو پھر انسان تو انسان، آدمی اپنے آپ کو جانوروں سے بھی کمتر سمجھنے لگتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع

ایک حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے وقت مصافحہ کرتا تو آپ اپنا ہاتھ اس وقت تک نہیں کھینچتے تھے، جب تک دوسرا شخص اپنا ہاتھ نہ کھینچ لے، اور آپ اپنا چہرہ اس وقت تک نہیں پھیرتے تھے۔ جب تک ملاقات کرنے والا شخص خود اپنا چہرہ نہ پھیر لے، جب آپ مسلسل مجلس میں بیٹھتے تو اپنا گھٹنہ بھی دوسروں سے آگے نہیں کرتے تھے۔ یعنی امتیازی شان سے نہیں بیٹھتے تھے۔ (ترمذی، کتاب القیامۃ، باب نمبر ۴۶)

بعض روایات میں آتا ہے کہ شروع شروع میں جس طرح اور لوگ مجلس میں آکر بیٹھ جاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ مل جل کر بیٹھ جاتے، نہ تو بیٹھنے میں کوئی امتیازی شان ہوتی تھی، اور نہ ہی چلنے میں، لیکن بعد میں یہ ہوا کہ جب کوئی اجنبی شخص مجلس میں آتا تو اس کو آپ کے پہچاننے میں تکلیف ہوتی، اس کو پتہ نہ چلتا کہ ان میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کون سے ہیں؟ اور بعض اوقات جب مجمع زیادہ ہو جاتا، تو پیچھے والوں کو آپ کی زیارت کرنی مشکل ہوتی۔ اور سب لوگوں کی یہ خواہش ہوتی کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کریں، اس وقت صحابہ کرام نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ یا رسول اللہ! آپ اپنے لئے کوئی اونچی جگہ بنوالیں اور اس پر بیٹھ کر بات کر لیا کریں، تاکہ آنے والوں کو پتہ بھی چل جائے، اور سب لوگ آپ کی زیارت بھی کر لیا کریں اور بات سننے میں بھی سہولت اور آسانی ہو۔ اس وقت آپ نے اجازت دیدی، اور آپ کے لئے ایک چوکی سی بنادی گئی، جس پر آپ تشریف فرما کر باتیں کیا کرتے تھے۔

حضور کا چلنا

اس سے معلوم ہوا کہ اصل یہ ہے کہ انسان اپنی کوئی امتیازی شان اور امتیازی مقام نہ بنائے، بلکہ عام آدمیوں کی طرح رہے۔ عام لوگوں کی طرح چلے، البتہ جہاں ضرورت ہو وہاں اس ضرورت کے مطابق عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چلنے کی یہ صفت بیان فرمائی گئی کہ:

"ماراٰئ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاکل متکئاً قط، ولا یطأ عقبہ رجلان"
(ابو داؤد، کتاب الاطعمۃ، باب فی الاکل متکئا)
یعنی کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹیک لگا کر کھاتے ہوئے نہیں دیکھا گیا اور نہ کبھی یہ دیکھا گیا کہ آپ کے پیچھے پیچھے لوگ چل رہے ہوں ـــــ لہٰذا یہ مناسب نہیں کہ انسان خود آگے آگے چلے اور اس کے معتقدین اس کے پیچھے اس کی ایڑیوں کے ساتھ ساتھ چلیں۔ اس لئے کہ اس وقت انسان کا نفس اور شیطان اس کو بہکاتا ہے کہ دیکھ تیرے اندر کوئی خوبی اور بھلائی ہے۔ تب ہی تو اتنا بڑا مجمع تیرے پیچھے پیچھے چل رہا ہے۔ اس لئے حتی الامکان اس سے پرہیز کرنا چاہئے کہ لوگ اس کے پیچھے چلیں۔ جب آدمی چلے تو یا تو اکیلا چلے، یا لوگوں کے ساتھ مل کر چلے۔ آگے آگے نہ چلے ـــــ

حضرت تھانویؒ کا اعلان

چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے معمولات میں یہ بات لکھی ہے کہ آپ نے یہ عام اعلان کر رکھا تھا کہ کوئی شخص میرے پیچھے نہ چلے، میرے ساتھ نہ چلے، جب میں تنہا کہیں جا رہا ہوں تو مجھے تنہا جانے دیا کرو، حضرت فرماتے کہ یہ مقتدا کی شان بنانا کہ جب آدمی چلے تو دو آدمی اس کے دائیں طرف اور دو آدمی اس کے بائیں طرف چلیں، میں اس کو بالکل پسند نہیں کرتا، جس طرح ایک عام انسان چلتا ہے، اسی طرح چلنا چاہئے ـــــ ایک مرتبہ آپ نے یہ اعلان فرمایا کہ اگر میں اپنے ہاتھ میں کوئی سامان اٹھا کر جا رہا ہوں تو کوئی شخص آکر میرے ہاتھ سے سامان نہ لے۔ مجھے اسی طرح جانے دے ـــــ تاکہ آدمی کی اپنی کوئی امتیازی شان نہ ہو، اور جس طرح ایک عام آدمی رہتا ہے، اس طریقے سے رہے ـــــ

شکستگی اور فنائیت پیدا کرو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ یہاں تو معاملہ عبدیت اور فنائیت اور بندگی کا ہے، شکستگی اور عاجزی کا ہے۔ لہٰذا اپنے آپ کو جتنا

مٹاؤ گے اور جتنا اپنی بندگی کا مظاہرہ کرو گے، اتنا ہی انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہوں گے اور یہ شعر پڑھا کرتے تھے کہ ؎

فہم خاطر تیز کردن نیست راہ
جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

یعنی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا یہ راستہ نہیں ہے کہ اپنے آپ کو زیادہ عقلمند اور ہوشیار جتائے بلکہ اللہ تعالیٰ کا فضل تو اسی شخص پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے شکستگی اور بندگی کا مظاہرہ کرتا ہے، ارے کہاں کی شان اور کہاں کی بڑائی جتاتے ہو۔ شان اور بڑائی اور خوشی کا موقع تو وہ ہے جب اللہ تعالیٰ ہماری روح نکل رہی ہو۔ اس وقت اللہ تعالیٰ یہ فرمادیں کہ

يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي۝ (سورۃ الفجر: ۲۷)

دیکھئے، اس آیت میں اس بندہ کی روح سے کہا جائے گا کہ میرے بندوں میں داخل ہو جاؤ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا سب سے اعلیٰ مقام "بندگی" ہے۔

حضور کا اظہار عاجزی

اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر معاملے میں وہ طریقہ پسند فرماتے، جس میں عبدیت ہو، بندگی ہو، شکستگی کا اظہار ہو، چنانچہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا گیا کہ اگر آپ، چاہیں تو آپ کے لئے یہ احد پہاڑ سونے کا بنا دیا جائے، تاکہ آپ کی معاش کی تکلیف دور ہو جائے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، بلکہ مجھے تو یہ پسند ہے کہ "اجوع یوما واشبع یوما ایک دن کھاؤں۔ اور ایک دن بھوکا رہوں۔ جس دن کھاؤں تو آپ کا شکر ادا کروں۔ اور جس دن بھوکا رہوں اس دن صبر کروں۔ اور آپ سے مانگ کر کھاؤں، ایک حدیث میں آتا ہے کہ:

"ماخیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین امرین قط الا اخذ ایسرھما"

(صحیح بخاری، کتاب الادب، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم :یسروا ولا تعسروا)

یعنی جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی معاملے میں دو راستوں کا اختیار دیا جاتا ہے

یاتو یہ راستہ اختیار کرلیں یا یہ راستہ اختیار کرلیں، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ان میں سے آسان راستے کو اختیار فرماتے، اس لئے کہ مشکل راستہ اختیار کرنے میں اپنی بہادری کا دعویٰ ہے کہ میں بڑا بہادر ہوں کہ یہ مشکل کام انجام دے لوں گا اور آسان راستہ اختیار کرنے میں عاجزی شکستگی اور بندگی کا اظہار ہے کہ میں تو بہت کمزور ہوں اور اس کمزوری کی وجہ سے آسان راستہ اختیار کرتا ہوں ـــــ لہٰذا جو کچھ کسی کو حاصل ہوا وہ بندگی اور فنائیت ہی میں حاصل ہوا ہے اور فنا ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی مرضی اور ان کی مشیت کے آگے اپنے وجود کو انسان فنا کر دے، اور جب فنا کر دیا تو سمجھو کہ سب کچھ اس فنائیت میں حاصل ہو گیا۔

ابھی یہ چاول کچے ہیں

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس اللہ سرہ کی زبان پر اللہ تعالیٰ بڑے عجیب و غریب معارف جاری فرمایا کرتے تھے، ایک دن فرمانے لگے جب پلاؤ پکایا جاتا ہے، تو شروع شروع میں ان چاولوں کے اندر جوش ہوتا ہے ان میں سے آواز آتی رہتی ہے اور وہ حرکت کرتے رہتے ہیں، اور ان چاولوں کا جوش مارنا، حرکت کرنا اس بات کی علامت ہے کہ چاول ابھی کچے ہیں۔ پکے نہیں ہیں۔ وہ ابھی کھانے کے لائق نہیں۔ اور نہ ان میں ذائقہ ہے اور نہ خوشبو لیکن جب چاول پکنے کے بالکل قریب ہو جاتے ہیں۔ اس وقت اس کا دم نکالا جاتا ہے۔ اور دم نکالتے وقت نہ تو ان چاولوں میں جوش ہوتا ہے، نہ حرکت اور آواز ہوتی ہے۔ اس وقت وہ چاول بالکل خاموش پڑے رہتے ہیں، لیکن جیسے ہی اس کا دم نکالا۔ ان چاولوں میں سے خوشبو پھوٹ پڑی۔ اور اب اس میں ذائقہ بھی پیدا ہو گیا اور کھانے کے قابل ہو گئے،

صبا جو ملنا تو کہنا میرے یوسف سے
پھوٹ نکلی تیرے پیراھن سے بو تیری

اسی طرح جب تک انسان کے اندر یہ دعوے ہوتے ہیں کہ میں ایسا ہوں، میں بڑا علامہ ہوں۔ میں بڑا متقی ہوں۔ بڑا نمازی ہوں ـــــ چاہے دعوے زبان پر ہوں۔ چاہے دل میں ہوں۔ اس وقت تک اس انسان میں نہ خوشبو ہے۔ اور نہ اس کے اندر

ذائقہ ہے۔ وہ تو کچا چاول ہے۔ اور جس دن اس نے اللہ تعالیٰ کے آگے اپنے ان دعوؤں کو فنا کر کے یہ کہہ دیا کہ میری تو کوئی حقیقت نہیں، میں کچھ نہیں۔ اس دن اس کی خوشبو پھوٹ پڑتی ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ اس کا فیض پھیلاتے ہیں۔

ایسے موقع پر ہمارے ڈاکٹر صاحب رحمتہ اللہ علیہ کیا خوبصورت شعر پڑھا کرتے تھے کہ۔

میں عارفی، آوارہ صحراء فنا ہوں
ایک عالم بے نام و نشاں میرے لئے ہے

یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے فنائیت کے صحراء میں آوارگی عطا فرمائی ہے اور مجھے فنائیت کا درس عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں بھی عطا فرمادے۔ آمین۔

حضرت سید سلیمان ندوی رح اور تواضع

حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ، جن کے علم و فضل کا طوطی بول رہا تھا، اور ڈنکا بج رہا تھا، وہ خود اپنا واقعہ سناتے ہیں کہ جب میں نے "سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم" چھ جلدوں میں مکمل کر لی، تو بار بار دل میں یہ خلش ہوتی تھی کہ جس ذات گرامی کی یہ سیرت لکھی ہے ان کی سیرت کا کوئی عکس یا کوئی جھلک میری زندگی میں بھی آئی یا نہیں؟ اگر نہیں آئی تو کس طرح آئے؟ اس مقصد کے لئے کسی اللہ والے کی تلاش ہوئی، اور یہ سن رکھا تھا کہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی تھانہ بھون کی خانقاہ میں مقیم ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کا فیض پھیلایا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ تھانہ بھون جانے کا ارادہ کر لیا، سفر کر کے تھانہ بھون پہنچ گئے اور حضرت والا سے اصلاحی تعلق قائم کیا اور کئی روز وہاں مقیم رہے، جب واپس رخصت ہونے لگے تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت: کوئی نصیحت فرما دیجئے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس وقت مجھے خیال آیا کہ میں اتنے بڑے علامہ کو کیا نصیحت کروں؟ علم و فضل کے اعتبار سے پوری دنیا میں ان کی شہرت ہے، چنانچہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی یا اللہ! میرے دل میں ایسی بات ڈال دیجئے جو ان کے حق میں بھی فائدہ مند ہو اور میرے حق میں بھی فائدہ مند ہو۔۔۔۔ اس کے بعد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"بھائی ہمارے طریق میں تو اول و آخر اپنے آپ کو مٹا دینا ہے۔ "
حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ الفاظ کہتے وقت اپنا ہاتھ سینے کی طرف لے جا کر نیچے کی طرف ایسا جھٹکا دیا کہ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میرے دل پر جھٹکہ لگ گیا۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آپ کو ایسا مٹایا کہ اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ ایک دن دیکھا کہ خانقاہ کے باہر حضرت سلیمان ندوی مجلس میں آنے والوں کے جوتے سیدھے کر رہے ہیں۔ یہ تواضع اور فنائیت اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں پیدا کر دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے بعد خوشبو پھوٹی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

"انا" کا بت دل سے نکال دو

بہرحال، جب تک "انا" (میں) کا بت دل میں موجود ہے۔ اس وقت تک یہ چاول کچا ہے، ابھی جوش مار رہا ہے اور اس وقت یہ خوشبو دار بنے گا جب اس "انا" کو مٹا دیا جائے گا ــــ فنائیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھی ہے، "فنائیت" کا مطلب یہ ہے کہ اپنے طور طریقے اور انداز ادا میں انسان تکبر سے پرہیز کرے، اور عاجزی کو اختیار کرے، اور جس دن عاجزی کو اختیار کرے گا انشاء اللہ اس دن راستہ کھل جائے گا، کیونکہ حق تک پہنچنے میں سب سے بڑی رکاوٹ "تکبر" ہوتی ہے۔ ــــ اور "تکبر" والا اپنے آپ کو کتنا ہی بڑا سمجھتا رہے۔ اور دنیا والوں کو کتنا ہی ذلیل سمجھتا رہے۔ لیکن انجام کار اللہ تعالیٰ تواضع والے کو ہی عزت عطا فرماتے ہیں اور تکبر والے کو ذلیل کرتے ہیں۔

متکبر کی مثال

عربی زبان میں کسی نے بڑی حکیمانہ بات کہی ہے وہ کہ متکبر کی مثال اس شخص جیسی ہے جو پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہو اب وہ پہاڑ کے اوپر سے نیچے چلنے پھرنے والوں کو چھوٹا سمجھتا ہے، اس لئے کہ اوپر سے اس کو وہ لوگ چھوٹے نظر آ رہے ہیں اور جو لوگ نیچے

سے اس کو پہاڑ پر دیکھنے والے ہیں وہ اس کو چھوٹا سمجھتے ہیں بالکل اسی طرح ساری دنیا متکبر کو حقیر سمجھتی ہے، اور وہ دنیا والوں کو حقیر سمجھتا ہے ــــ لیکن جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے آگے اپنے آپ کو فنا کر دیا، اللہ تعالیٰ اس کو عزت عطا فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے یہ چیز ہمارے اندر بھی پیدا فرما دے۔ آمین ــــ

حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحبؒ اور تواضع

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے کہ میں اپنے گھر میں کبھی کبھی ننگے پیر بھی چلتا ہوں، اس لئے کہ کسی روایت میں پڑھ لیا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کسی موقع پر ننگے پاؤں بھی چلے تھے، میں بھی اس لئے چل رہا ہوں تاکہ حضور کی اس سنت پر بھی عمل ہو جائے ــــ اور فرمایا کرتے کہ میں ننگے پاؤں چلتے وقت اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہتا ہوں کہ دیکھ، تیری اصل حقیقت تو یہ ہے کہ نہ پاؤں میں جوتا نہ سر پر ٹوپی اور نہ جسم پر لباس اور تو انجام کار مٹی میں مل جانے والا ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور تواضع

حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ رابسن روڈ کے مطب میں میں بیٹھا ہوا تھا، اس وقت حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ مطب کے سامنے سے اس حالت میں گزرے کہ ان کے دائیں طرف کوئی آدمی تھا، اور نہ بائیں طرف، بس اکیلے جا رہے تھے اور ہاتھ میں کوئی برتن اٹھایا ہوا تھا، حضرت ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ اس وقت کچھ لوگ میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے، میں نے ان سے پوچھا یہ صاحب جو جا رہے ہیں، آپ ان کو جانتے ہیں کہ یہ کون صاحب ہیں؟ پھر خود ہی جواب دیا کہ کیا تم یہ باور کر سکتے ہو کہ یہ پاکستان کا "مفتی اعظم" ہے؟ جو ہاتھ میں پتیلی لئے جا رہا ہے۔ اور ان کے لباس و پوشاک سے، انداز و ادا سے، چال ڈھال سے کوئی پتہ بھی نہیں لگا سکتا کہ یہ اتنے بڑے علامہ ہیں۔

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب اور تواضع

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو میرے والد ماجد کے استاذ اور دار العلوم دیو بند کے مفتی اعظم تھے، ان کا واقعہ میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ آپ کے گھر کے آس پاس کچھ بیواؤں کے مکانات تھے، آپ کا روز کا معمول تھا کہ جب آپ اپنے گھر سے دار العلوم دیو بند جانے کے لئے نکلتے تو پہلے ان بیواؤں کے مکانات پر جاتے، اور ان سے پوچھتے کہ بی بی، بازار سے کچھ سودا سلف منگانا ہے تو بتا دو، میں لا دوں گا اب وہ بیوہ ان سے کہتی کہ ہاں بھائی، بازار سے اتنا دھنیہ، اتنی پیاز، اتنے آلو وغیرہ لا دو۔ اس طرح دوسری کے پاس، پھر تیسری کے پاس جاکر معلوم کرتے، اور پھر بازار جاکر سودا لاکر ان کو پہنچا دیتے، بعض اوقات یہ ہوتا کہ جب سودا لاکر دیتے تو کوئی بی بی کہتی، مولوی صاحب! آپ غلط سودا لے آئے، میں نے تو فلاں چیز کہی تھی، آپ فلاں چیز لے آئے میں نے اتنی منگائی تھی، آپ اتنی لے آئے، آپ فرماتے! بی بی، کوئی بات نہیں، میں دوبارہ بازار سے لا دیتا ہوں۔ چنانچہ دوبارہ بازار جاکر سودا لاکر ان کو دیتے۔ اس کے بعد فتاویٰ لکھنے کے لئے دار العلوم دیو بند تشریف لے جاتے، میرے والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ یہ شخص جو بیواؤں کا سودا سلف لینے کے لئے بازار میں پھر رہا ہے۔ یہ "مفتی اعظم ہند" ہے۔ کوئی شخص دیکھ کر یہ نہیں بتا سکتا کہ یہ علم و فضل کا پہاڑ ہے۔ لیکن اس تواضع کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج ان کے فتاوی پر مشتمل بارہ جلدیں چھپ چکی ہیں اور ابھی تک اس پر کام جاری ہے۔ اور ساری دنیا ان سے فیض اٹھا رہی ہے ـــــ وہی بات ہے کہ ؎

پھوٹ نکلی تیرے پیراہن سے بو تیری

وہ خوشبو اللہ تعالیٰ نے عطا فرما دی ـــــ آپ کا انتقال بھی اس حالت میں ہوا کہ آپ کے ہاتھ میں ایک فتویٰ تھا، اور فتویٰ لکھتے لکھتے آپ کی روح قبض ہو گئی ـــــ

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ اور تواضع

حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جو دار العلوم دیو بند کے بانی ہیں۔ ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ہر وقت ایک تہبند پہنے رہتے تھے اور معمولی سا کرتہ

ہوتا تھا۔ کوئی شخص دیکھ کر یہ پہچان ہی نہیں سکتا تھا کہ یہ اتنا بڑا علامہ ہے، جب مناظرہ کرنے پر آجائیں تو بڑوں بڑوں کے دانت کھٹے کر دیں۔ لیکن سادگی اور تواضع کا یہ حال تھا کہ تہبند پہنے ہوئے مسجد میں جھاڑو دے رہے ہیں۔

چونکہ آپ نے انگریزوں کے خلاف جہاد کیا، تو انگریزوں کی طرف سے آپ کی گرفتاری کا وارنٹ جاری ہو گیا۔ چنانچہ ایک آدمی ان کو گرفتار کرنے کے لئے آیا۔ کسی نے بتا دیا کہ وہ چھتے کی مسجد میں رہتے ہیں۔ جب وہ شخص مسجد میں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ ایک آدمی بنیان اور لنگی پہنے ہوئے مسجد میں جھاڑو دے رہا ہے اب چونکہ وارنٹ کے اندر یہ لکھا کہ "مولانا محمد قاسم نانوتوی کو گرفتار کیا جائے۔" اس لئے جو شخص گرفتار کرنے آیا تھا وہ یہ سمجھا کہ یہ تو جبے قبے کے اندر ملبوس بڑے علامہ ہوں گے جنہوں نے اتنی بڑی تحریک کی قیادت کی ہے، اس کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں آئی کہ یہ صاحب جو مسجد میں جھاڑو دے رہے ہیں۔ یہ ہی مولانا قاسم صاحب ہیں، بلکہ وہ سمجھا کہ یہ شخص مسجد کا خادم ہے۔ چنانچہ اس شخص نے انہیں سے پوچھا کہ مولانا محمد قاسم صاحب کہاں ہیں؟ حضرت مولانا کو معلوم ہو چکا تھا کہ میرے خلاف وارنٹ نکلا ہوا ہے اس لئے چھپانا بھی ضروری ہے، اور جھوٹ بھی نہیں بولنا ہے، اس لئے آپ جس جگہ کھڑے تھے وہاں سے ایک قدم پیچھے ہٹ گئے پھر جواب دیا کہ :ابھی تھوڑی دیر پہلے تو یہاں تھے، چنانچہ وہ شخص یہی سمجھا کہ تھوڑی دیر پہلے تو مسجد میں تھے۔ لیکن اب موجود نہیں ہیں، چنانچہ وہ شخص تلاش کرتا ہوا واپس چلا گیا۔

دو حرف علم

اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر دو حرف علم کی تہمت محمد قاسم کے نام پر نہ ہوتی تو دنیا کو پتہ بھی نہ چلتا کہ قاسم کہاں پیدا ہوا تھا اور کہاں مر گیا اس طرح فنائیت کے ساتھ زندگی گزاری۔

حضرت شیخ الہند ؒ اور تواضع

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت

مولانا محمد مغیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ واقعہ سنا کہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے انگریزوں کے خلاف ہندوستان کی آزادی کے لئے ایسی تحریک چلائی جس نے پورے ہندوستان، افغانستان اور ترکی سب کو ہلا کر رکھ دیا تھا ـــــ آپ کی شہرت پورے ہندوستان میں تھی۔ چنانچہ اجمیر میں ایک عالم تھے مولانا معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ ان کو خیال آیا کہ دیوبند جاکر حضرت شیخ الہند سے ملاقات اور ان کی زیارت کرنی چاہئے، چنانچہ ریل گاڑی کے ذریعہ دیو بند پہنچے اور وہاں ایک تانگے والے سے کہا کہ مجھے مولانا شیخ الہند سے ملاقات کے لئے جانا ہے ـــــ اب ساری دنیا میں تو وہ شیخ الہند کے نام سے مشہور تھے، مگر دیوبند میں "بڑے مولوی صاحب" کے نام سے مشہور تھے ـــــ تانگے والے نے پوچھا کہ کیا بڑے مولوی صاحب کے پاس جانا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں، بڑے مولوی صاحب کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ چنانچہ تانگے والے نے حضرت شیخ الہند کے گھر کے دروازے پر اتار دیا۔ گرمی کا زمانہ تھا۔ جب انہوں نے دروازے پر دستک دی تو ایک آدمی بنیان اور لنگی پہنے ہوئے نکلا، انہوں نے اس سے کہا کہ میں حضرت مولانا محمود الحسن صاحب سے ملنے کے لئے اجمیر سے آیا ہوں۔ میرا نام معین الدین ہے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت تشریف لائیں۔ اندر بیٹھیں، چنانچہ جب بیٹھ گئے تو پھر انہوں نے کہا کہ آپ حضرت مولانا کو اطلاع کر دیں کہ معین الدین اجمیری آپ سے ملنے آیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت آپ گرمی میں آئیں ہیں تشریف رکھیں اور پھر پنکھا جھلنا شروع کر دیا ـــــ جب کچھ دیر گزر گئی تو مولانا اجمیری صاحب نے پھر کہا کہ میں نے تم سے کہا کہ جاکر مولانا کو اطلاع کر دو کہ اجمیر سے کوئی ملنے کے لئے آیا ہے، انہوں نے کہا اچھا، ابھی اطلاع کرتا ہوں، پھر اندر تشریف لے گئے اور کھانا لے آئے۔ مولانا نے پھر کہا کہ بھائی میں یہاں کھانا کھانے نہیں آیا، میں تو مولانا محمود الحسن صاحب سے ملنے آیا ہوں۔ مجھے ان سے ملاؤ، انہوں نے فرمایا۔ حضرت، آپ کھانا تناول فرمائیں۔ ابھی ان سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ چنانچہ کھانا کھایا۔ پانی پلایا ـــــ یہاں تک کہ مولانا معین الدین صاحب ناراض ہونے لگے کہ میں تم سے بار بار کہہ رہا ہوں مگر تم جاکر ان کو اطلاع نہیں کرتے، پھر فرمایا کہ حضرت بات یہ ہے کہ یہاں شیخ الہند تو کوئی نہیں رہتا۔ البتہ بندہ محمود اسی عاجز کا ہی نام ہے ـــــ تب جاکر مولانا معین

الدین صاحب کو پتا چلا کہ شیخ الہند کہلانے والے محمود الحسن صاحب یہ ہیں ـــــ جن سے میں اب تک ناراض ہو کر گفتگو کرتا رہا ـــــ یہ تھا ہمارے بزرگوں کا البیلا رنگ، اللہ تعالیٰ اس کا کچھ رنگ ہمیں بھی عطا فرمادے ـــــ آمین۔

حضرت مولانا مظفر حسین صاحبؒ اور تواضع

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، ایک مرتبہ کسی جگہ سے واپس کاندھلہ تشریف لارہے تھے، جب ریل گاڑی سے کاندھلے کے اسٹیشن پر اترے تو وہاں دیکھا کہ ایک بوڑھا آدمی سر پر سامان کا بوجھ اٹھائے جارہا ہے، اور بوجھ کی وجہ سے اس سے چلا نہیں جارہا ہے، آپ کو خیال آیا کہ یہ شخص بیچارہ تکلیف میں ہے، چنانچہ آپ نے اس بوڑھے سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو آپ کا تھوڑا سا بوجھ اٹھا لوں اس بوڑھے نے کہا آپ کا بہت شکریہ اگر آپ تھوڑا سا اٹھالیں۔ چنانچہ مولانا صاحب اس کا سامان سر پر اٹھا کر شہر کی طرف روانہ ہوگئے، اب چلتے چلتے راستے میں باتیں شروع ہو گئیں، حضرت مولانا نے پوچھا کہ کہاں جارہے ہیں؟ اس نے کہا کہ میں کاندھلے جارہا ہوں مولانا نے پوچھا کہ کیوں جارہے ہیں؟ اس نے کہا کہ سنا ہے کہ وہاں ایک بڑے مولوی صاحب رہتے ہیں ان سے ملنے جارہا ہوں۔ مولانا نے پوچھا کہ وہ بڑے مولوی صاحب کون ہیں؟ اس نے کہا مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی، میں نے سنا ہے کہ وہ بہت بڑے مولانا ہیں، بڑے عالم ہیں؟ مولانا نے فرمایا کہ ہاں وہ عربی تو پڑھ لیتے ہیں ـــــ یہاں تک کہ کاندھلہ قریب آگیا کاندھلہ میں سب لوگ مولانا کو جانتے تھے، جب لوگوں نے دیکھا کہ مولانا مظفر حسین صاحب سامان اٹھائے جارہے ہیں تو لوگ ان سے سامان لینے کے لئے اور ان کی تعظیم و تکریم کے لئے ان کی طرف دوڑے ـــــ اب ان بڑے میاں کی جان نکلنے لگی اور پریشان ہوگئے کہ میں نے اتنا بڑا بوجھ حضرت مولانا پر لاد دیا ـــــ چنانچہ مولانا نے ان سے کہا کہ بھائی اس میں پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں، میں نے دیکھا کہ تم تکلیف میں ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس خدمت کی توفیق دیدی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے ـــــ

حضرت شیخ الہندؒ کا ایک اور واقعہ

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں رمضان المبارک میں یہ معمول تھا کہ آپ کے یہاں عشاء کے بعد تراویح شروع ہوتی تو فجر تک ساری رات تراویح ہوتی تھی، ہر تیسرے یا چوتھے روز قرآن شریف ختم ہوتا تھا، ایک حافظ صاحب تراویح پڑھایا کرتے تھے، اور حضرت والا پیچھے کھڑے ہو کر سنتے تھے۔ خود حافظ نہیں تھے۔ تراویح سے فارغ ہونے کے بعد حافظ صاحب وہیں حضرت والا کے قریب تھوڑی دیر کے لئے سو جاتے تھے، حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دن جب میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ کوئی آدمی میرے پاؤں دبا رہا ہے۔ میں سمجھا کہ کوئی شاگرد یا کوئی طالب علم ہوگا، چنانچہ میں نے دیکھا نہیں کہ کون دبا رہا ہے۔ کافی دیر گزرنے کے بعد میں نے جو مڑ کر دیکھا تو حضرت شیخ الہند محمود الحسن صاحب میرے پاؤں دبا رہے تھے۔ میں ایک دم سے اٹھ گیا اور کہا کہ حضرت، یہ آپ نے کیا غضب کر دیا۔ حضرت نے فرمایا کہ غضب کیا کرتا۔ تم ساری رات تراویح میں کھڑے رہتے ہو۔ میں نے سوچا کہ دبانے سے تمہارے پیروں کو آرام ملے گا، اس لئے دبانے کے لئے آ گیا۔

مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ اور تواضع

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ جو دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس تھے۔ بڑے اونچے درجے کے عالم تھے، ان کے بارے میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک وعظ میں بیان فرمایا کہ ان کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی ان کے سامنے ان کی تعریف کرتا تو بالکل خاموش رہتے تھے، کچھ بولتے نہیں تھے ـــــ جیسے آج کل بناوٹی تواضع اختیار کرتے ہیں کہ اگر کوئی ہمارے سامنے ہماری تعریف کرتا ہے تو جواب میں ہم کہتے ہیں کہ یہ تو آپ کا حسن ظن ہے، ورنہ ہم تو اس قابل نہیں ہیں وغیرہ ـــــ حالانکہ دل میں بہت خوش ہوتے ہیں کہ یہ شخص ہماری اور تعریف کرے اور ساتھ ساتھ دل میں بھی اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہیں۔ لیکن ساتھ میں یہ الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں ـــــ یہ حقیقت میں بناوٹی تواضع ہوتی ہے، حقیقی تواضع نہیں ہوتی ـــ لیکن حضرت مولانا یعقوب صاحب خاموش رہتے۔ اب دیکھنے والا یہ سمجھتا کہ حضرت مولانا اپنی تعریف پر خوش ہوتے ہیں۔

اپنی تعریف کرانا چاہتے ہیں اس لئے تعریف کرنے سے نہ توروکتے ہیں نہ ٹوکتے ہیں اور نہ ہی اس کی تردید کرتے ہیں ــــ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اب دیکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ ان کے اندر تواضع نہیں ہے۔ حالانکہ ان باتوں کا نام تواضع نہیں بلکہ تواضع تو دل کے اندر ہوتی ہے۔ اور اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ آدمی کبھی کسی کام کو اپنے سے فروتر نہیں سمجھتا۔

تواضع کا ایک اور واقعہ

چنانچہ انہیں کا ایک واقعہ ہے کہ ایک صاحب نے آپ کو کھانے کی دعوت دی۔ آپ نے قبول فرمالی، اس شخص کا گاؤں فاصلے پر تھا۔ لیکن اس نے سواری کا کوئی انتظام نہیں کیا جب کھانے کا وقت آیا تو آپ پیدل ہی روانہ ہوگئے۔ دل میں یہ خیال بھی نہیں آیا کہ ان صاحب نے سواری کا کوئی انتظام نہیں کیا۔ سواری کا انتظام کرنا چاہئے تھا۔ بہرحال، اس کے گھر پہنچے، کھانا کھایا، کچھ آم بھی کھائے، اس کے بعد جب واپس چلنے لگے تواس وقت بھی اس نے سواری کا کوئی انتظام نہیں کیا۔ بلکہ الٹا یہ غضب کیا کہ بہت سارے آموں کی گٹھری بنا کر حضرت کے حوالے کر دی کہ حضرت یہ کچھ آم گھر کے لئے لیتے جائیں۔ اس اللہ کے بندے نے یہ نہ سوچا کہ اتنی دور جانا ہے۔ اور سواری کا کوئی انتظام بھی نہیں ہے، کیسے اتنی بڑی گٹھری لے کر جائیں گے۔ مگر اس نے وہ گٹھری مولانا کو دیدی اور مولانا نے قبول فرمالی، اور اٹھا کر چل دیئے اب ساری عمر مولانا نے کبھی اتنا بوجھ اٹھایا نہیں، شہزادوں جیسی زندگی گزاری، اب اس گٹھری کو کبھی ایک ہاتھ میں اٹھاتے، کبھی دوسرے ہاتھ میں اٹھاتے، چلے جارہے ہیں، یہاں تک کہ جب دیوبند قریب آنے لگا تواب دونوں ہاتھ تھک کر چور ہوگئے، نہ اس ہاتھ میں چین، نہ اس ہاتھ میں چین، آخر کار اس گٹھری کو اٹھا کر اپنے سرپر رکھ لیا جب سرپر رکھا تو ہاتھوں کو کچھ آرام ملا تو فرمانے لگے، ہم بھی عجیب آدمی ہیں۔ پہلے خیال نہیں آیا کہ اس گٹھری کو سرپر رکھ دیں، ورنہ اتنی تکلیف اٹھانی نہ پڑتی، اب مولانا اس حالت میں دیوبند میں داخل ہورہے ہیں کہ سرپر آموں کی گٹھری ہے اب راستے میں جو لوگ ملتے وہ آپ کو سلام کر رہے ہیں آپ سے مصافحہ کر رہے ہیں۔ اور آپ نے ایک ہاتھ سے گٹھری سنبھالی ہوئی

ہے اور ایک ہاتھ سے مصافحہ کر رہے ہیں، اسی حالت میں آپ اپنے گھر پہنچ گئے اور آپ کو ذرہ برابر بھی یہ خیال نہیں آیا کہ یہ کام میرے مرتبے کے خلاف ہے اور میرے مرتبے سے فروتر ہے ـــــ بہر حال، انسان کسی بھی کام کو اپنے مرتبے سے فروتر نہ سمجھے ـــ یہ ہے تواضع کی علامت ـــــ

ایک عجیب و غریب واقعہ

حضرت سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کا نام آپ کا سنا ہوگا، بڑے اونچے درجے کے اولیاء اللہ میں سے گزرے ہیں۔ جن کے ساتھ ایسا واقعہ پیش آیا کہ دنیا میں کسی اور کے ساتھ ایسا واقعہ پیش نہیں آیا ـــــ وہ یہ کہ ساری عمران کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر حاضری کی تمنا اور آرزو رہتی تھی۔ بہت آرزوؤں اور تمناؤں کے بعد اللہ تعالیٰ نے حج کی سعادت عطا فرمائی، حج کے لئے تشریف لے گئے، حج سے فراغت کے بعد مدینہ منور تشریف لے گئے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر حاضری ہوئی تو اس وقت بے ساختہ عربی کے یہ دو اشعار پڑھے:

فی حالة البعد روحی کنت ارسلها
تقبل الارض عنی وهی نائبتی

وهذه دولة الاشباح قد حضرت
فامدد یمینك کی تحظی بها شفتی

یا رسول اللہ، جب میں آپ سے دور تھا تو دوری کی حالت میں روضہ اقدس پر اپنی روح کو بھیجا کرتا تھا، وہ آکر میری نائب اور قائم مقام بن کر زمین کا بوسہ لیتا کرتی تھی۔ آج جب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مجھے جسمانی طور پر حاضری نصیب ہو گئی ہے تو آپ اپنا دست مبارک بڑھائیں تاکہ میرے ہونٹ اس سے سیراب اور فیض یاب ہو سکیں۔ یعنی میں ان کو بوسہ لوں، بس شعر کا پڑھنا تھا کہ فوراً روضہ اقدس سے دست مبارک بر آمد ہوا، اور جتنے لوگ وہاں حاضر تھے۔ سب نے دست مبارک کی زیارت کی، اور حضرت سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ نے دست مبارک کا بوسہ لیا، اور اس کے بعد وہ واپس چلا گیا۔ اب حقیقت کیا تھی؟ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ مگر تاریخ میں یہ واقعہ لکھا ہوا ہے۔

تکبر کا علاج

اس واقعہ کے پیش آنے کے بعد سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں خیال آیا کہ آج اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنا بڑا اعزاز عطا فرمایا اور اتنا بڑا اکرام فرمایا کہ جو آج تک کسی کو نصیب نہ ہوا، کہیں اس کے نتیجے میں میرے دل کے اندر عجب اور تکبر اور بڑائی کا شائبہ پیدا نہ ہو جائے۔ چنانچہ آپ مسجد نبوی کے دروازے پر لیٹ گئے اور حاضرین سے فرمایا کہ میں سب کو قسم دیکر کہتا ہوں کہ آپ لوگ میرے اوپر سے پھلانگ پھلانگ کر باہر نکلیں تاکہ بڑائی کا یہ شائبہ بھی دل سے نکل جائے ــــ اس طرح آپ نے تکبر اور عجب کا علاج کیا۔ یہ واقعہ تو درمیان میں بطور تعارف کے عرض کر دیا، ورنہ اصل واقعہ یہ بیان کرنا تھا کہ:

خدمت خلق کی بہترین مثال

ایک مرتبہ سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ بازار تشریف لے جا رہے تھے، سڑک پر ایک خارشی کتا دیکھا، خارش اور بیماری کی وجہ سے اس سے چلا بھی نہیں جا رہا تھا جو اللہ کے نیک بندے ہوتے ہیں، ان کو اللہ کی مخلوق سے بھی بے پناہ شفقت اور محبت ہوتی ہے، اور یہ محبت، وشفقت اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ سے خصوصی تعلق ہے، اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

زتسبیح و سجادہ و دلق نیست
طریقت بجز خدمت خلق نیست

یعنی تسبیح، مصلی اور گدڑی کا نام طریقت نہیں، بلکہ خدمت خلق کا نام طریقت ہے ــــ میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اور، اللہ تعالیٰ کو بھی اس سے محبت ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں مخلوق کی محبت ڈال دیتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں اللہ والوں کو انسانوں، بلکہ جانوروں تک سے اتنی محبت ہو جاتی ہے کہ ہم اور آپ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

بہر حال، جب سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتے کو اس حالت میں

دیکھا تو آپ کو اس پر ترس اور رحم آیا، اور اس کتے کو اٹھا کر گھر لائے، پھر ڈاکٹر کو بلا کر اس کا علاج کرایا، اس کی دوا کی، اور روزانہ اس کی مرہم پٹی کرتے رہے، کئی مہینوں تک اس کا علاج کرتے رہے، یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس کو تندرست کر دیا تو آپ نے اپنے کسی ساتھی سے کہا کہ اگر کوئی شخص روزانہ اس کو کھلانے پلانے کا ذمہ لے تو اس کو لے جائے، ورنہ پھر میں ہی اس کو رکھتا ہوں، اور اس کو کھلاؤں گا، اس طرح آپ نے اس کتے کی پرورش کی۔

ایک کتے سے مکالمہ

اس واقعہ کے بعد ایک روز سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے، بارش کا موسم تھا، کھیتوں کے درمیان جو پگڈنڈی ہوتی ہے، اس پر سے گزر رہے تھے، دونوں طرف پانی کھڑا تھا کیچڑ تھی۔ چلتے چلتے سامنے سے اس پگڈنڈی پر ایک کتا آگیا، اب یہ بھی رک گئے اور کتا بھی ان کو دیکھ کر رک گیا، وہ پگڈنڈی اتنی چھوٹی تھی کہ ایک وقت میں ایک ہی آدمی گزر سکتا تھا، دو آدمی نہیں گزر سکتے تھے، اب یا تو کتا نیچے کیچڑ میں اتر جائے، اور یہ اوپر سے گزر جائیں، یا پھر یہ کیچڑ میں اتر جائیں، اور کتا اوپر سے گزر جائے، دل میں کشمکش پیدا ہوئی کہ کیا کیا جائے؟ کون نیچے اترے، میں اتروں، یا کتا اترے؟

اس وقت سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کا اس کتے کے ساتھ مکالمہ ہوا ــــــ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ مکالمہ کس طرح ہوا؟ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بطور کرامت کے اس کتے کو کچھ دیر کے لئے زبان دیدی ہو۔ اور واقعی مکالمہ ہوا ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے دل میں یہ مکالمہ کیا ہو ــــــ بہرحال، اس مکالمہ میں حضرت سید احمد کبیر رحمۃ اللہ نے کتے سے کہا کہ تم نیچے اتر جا، تاکہ میں اوپر سے گزر جاؤں ــــــ

کتے نے جواب میں کہا: میں نیچے کیوں اتروں، تم بڑے درویش اور اللہ کے ولی بنے پھرتے ہو، اور اللہ کے ولیوں کا تو یہ حال ہوتا ہے کہ وہ ایثار کا پیکر ہوتے ہیں، دوسروں کے لئے قربانی دیتے ہیں، تم کیسے اللہ کے ولی ہو کہ مجھے اترنے کا حکم دے رہے ہو، خود کیوں نہیں اتر جاتے؟

حضرت شیخ نے جواب میں فرمایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ میرے اور تیرے اندر فرق ہے، وہ یہ کہ میں مکلّف ہوں، تو غیر مکلّف ہے، مجھے نماز پڑھنی ہے، تجھے نماز نہیں پڑھنی ہے، اگر نیچے اترنے کی وجہ سے تیرا جسم گندہ اور ناپاک ہو گیا تو تجھے غسل اور طہارت کی ضرورت نہیں ہوگی ــــ اگر میں اتر گیا تو میرے کپڑے ناپاک ہو جائیں گے اور میری نماز میں خلل واقع ہو گا، اس لئے میں تجھ سے کہہ رہا ہوں کہ تو نیچے اتر جا ــــ

ورنہ دل گندہ ہو جائے گا

کتے نے جواب میں کہا: واہ ــ آپ نے بھی عجیب بات کہی کہ کپڑے گندے ہو جائیں گے۔ ارے، اگر آپ کے کپڑے گندے ہو جائیں گے تو ان کا علاج یہ ہے کہ ان کو اتار کر دھولینا، وہ کپڑے پاک ہو جائیں گے، لیکن اگر میں نیچے اتر گیا تو تمہارا دل گندا ہو جائے گا اور تمہارے دل میں میں یہ خیال آ جائے گا کہ میں اس کتے سے افضل ہوں، میں انسان ہوں، اور یہ کتا ہے، اور اس خیال کی وجہ سے تمہارا دل ایسا گندا ہو جائے گا کہ اس کی پاکی کا کوئی راستہ نہیں۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ دل کی گندگی کے بجائے کپڑوں کی گندگی کو گوارا کر لو اور نیچے اتر جاؤ ــــ

بس، کتے کا یہ جواب سن کر حضرت شیخ نے ہتھیار ڈال دیئے اور کہا کہ تم نے صحیح کہا کہ کپڑوں کو دوبارہ دھو سکتا ہوں، لیکن دل نہیں دھو سکتا۔ یہ کہہ کر آپ کیچڑ میں اتر گئے، اور کتے کو راستہ دیدیا۔

جب یہ مکالمہ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کو الہام ہوا، اور اس میں اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ اے احمد کبیر! آج ہم نے تم کو ایک ایسے علم کی دولت سے نوازا، کہ سارے علوم ایک طرف (اور یہ علم ایک طرف، اور یہ در حقیقت تمہارے اس عمل کا انعام ہے، کہ تم نے چند روز پہلے ایک کتے پر ترس کھا کر اس کا علاج اور دیکھ بھال کی تھی ــــ اس عمل کی بدولت ہم نے تمہیں ایک کتے کے ذریعہ ایسا علم عطا کیا جس پر ساری علوم قربان ہیں ــــ وہ علم یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو کتے سے بھی افضل نہ سمجھے اور کتے کو اپنے مقابلے میں حقیر خیال نہ کرے ــــ

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ جو جلیل القدر بزرگ گزرے ہیں۔ ان کا واقعہ مشہور ہے کہ انتقال کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا کہ حضرت! اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیسا معاملہ فرمایا؟ جواب دیا کہ ہمارے ساتھ بڑا عجیب معاملہ ہوا، جب ہم یہاں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ کیا عمل لے کر آئے ہو؟ میں نے سوچا کہ کیا جواب دوں، اور اپنا کون سا عمل پیش کروں، اس لئے کہ کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کو پیش کروں، لہٰذا میں نے جواب دیا، یا اللہ! کچھ بھی نہیں لایا، خالی ہاتھ آیا ہوں، آپ کے کرم کے سوا میرے پاس کچھ بھی نہیں ــــ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ویسے تو تم نے بڑے بڑے عمل کئے، لیکن تمہارا ایک عمل ہمیں بہت پسند آیا، آج اسی عمل کی بدولت ہم تمہاری مغفرت کر رہے ہیں۔ وہ عمل یہ ہے کہ ایک رات جب تم اٹھے تو تم نے دیکھا کہ ایک بلی کا بچہ سردی کی وجہ سے ٹھٹر رہا ہے، کانپ رہا ہے، تم نے اس پر ترس کھا کر اس کو اپنے لحاف میں جگہ دیدی، اور اس کی سردی دور کر دی، اور اس بلی کے بچے نے آرام کے ساتھ ساری رات گزاری ــــ چونکہ تمہارا یہ عمل اخلاص پر مبنی تھا اور ہماری رضا کے علاوہ کوئی غرض شامل حال نہیں تھی، بس تمہارا یہ عمل ہمیں اتنا پسند آیا کہ اس عمل کی بدولت ہم نے تمہاری مغفرت کر دی۔ "

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں جو بڑے علوم و معارف حاصل کئے تھے، وہ سب دھرے کے دھرے رہ گئے۔ وہاں تو صرف ایک ہی عمل پسند آیا، وہ تھا "مخلوق کے حسن ساتھ اخلاق" ۔

خلاصہ کلام

بہر حال، حضرت سید احمد کبیر رفاعیؒ کو اس الہام علم کے ذریعہ یہ بتایا گیا کہ وہ سارے علوم ایک طرف، اور یہ ایک علم کہ "میں بے حقیقت چیز ہوں" اور میری اپنی ذات کے اندر کوئی حقیقت نہیں ہے"، یہی سارے علوم کی جان ہے جو آج ہم نے تمہیں عطا کر دی" اسی کا نام تواضع ہے سارے بڑے بڑے اولیاء اللہ اس بات کی فکر میں لگے رہتے تھے کہ کہیں اپنے اندر تکبر کا کوئی شائبہ پیدا نہ ہو جائے۔

"تواضع" اور "احساس کمتری" میں فرق

آجکل "علم نفسیات" کا بڑا زور ہے، اور "علم نفسیات" میں سے ایک چیز آجکل لوگوں میں بہت مشہور ہے، وہ ہے "احساس کمتری" اس کو بہت برا سمجھا جاتا ہے کہ "احساس کمتری" بہت بری چیز ہے، اگر کسی میں یہ پیدا ہو جائے تو اس کا علاج کیا جاتا ہے، ایک صاحب نے سوال کیا کہ جب آپ لوگوں سے یہ کہتے ہیں کہ "اپنے آپ مٹاؤ" تو اس کے ذریعے آپ لوگوں کے اندر "احساس کمتری" پیدا کرنا چاہتے ہیں، تو کیا یہ بات درست ہے کہ لوگ اپنے اندر احساس کمتری پیدا کریں۔ ؟

بات دراصل یہ ہے کہ "تواضع" اور "احساس کمتری" میں فرق ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے یہ "علم نفسیات" ایجاد کی، انہیں دین کا علم، یا اللہ اور اس کے رسول کے بارے میں کوئی علم تھا ہی نہیں، انہوں نے ایک "احساس کمتری" کا لفظ اختیار کر لیا، حالانکہ اس میں بہت سی اچھی باتیں شامل ہو جاتی ہیں۔ ان کو "احساس کمتری" کہہ دیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت میں "تواضع" اور "احساس کمتری" میں فرق ہے۔

احساس کمتری میں تخلیق پر شکوہ

دونوں میں فرق یہ ہے کہ "احساس کمتری" میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق پر شکوہ اور شکایت ہوتی ہے۔ یعنی احساس کمتری میں انسان کو یہ خیال ہوتا ہے کہ مجھے محروم اور پیچھے رکھا گیا ہے۔ میں مستحق تو زیادہ کا تھا۔ لیکن مجھے کم ملا، یا مثلاً یہ احساس کہ مجھے بدصورت پیدا کیا گیا، مجھے بیمار پیدا کیا گیا، مجھ دولت کم دی گئی، میرا رتبہ کم رکھا گیا۔ اس قسم کے شکوے اس کے دل میں پیدا ہوتے ہیں، اور پھر اس شکوے کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی طبیعت میں جھنجلاہٹ پیدا ہو جاتی ہے، اور پھر اس احساس کمتری کے نتیجے میں انسان دوسروں سے حسد کرنے لگتا ہے، اور اس کے اندر مایوسی پیدا ہو جاتی ہے کہ اب مجھ سے کچھ نہیں ہو سکتا، بہرحال، احساس کمتری کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے شکوے پر ہوتی ہے۔

"تواضع" شکر کا نتیجہ ہے

جہاں تک تواضع کا تعلق ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر شکوے سے حاصل نہیں ہوتی، بلکہ اللہ تعالیٰ کے انعامات پر شکر کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہے۔ تواضع کرنے والا یہ سوچتا ہے کہ میں تو اس قابل نہیں تھا کہ مجھے یہ نعمت ملتی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے یہ نعمت عطا فرمائی، یہ ان کا کرم اور ان کی عطا ہے، میں تو اس کا مستحق نہیں تھا۔

اس سے اندازہ لگائیں کہ "احساس کمتری" اور "تواضع" میں کتنا بڑا ہے۔ اس لئے تواضع محبوب اور پسندیدہ عمل ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو رفعت اور بلندی عطا فرماتے ہیں ــــ "تکبر" خاصیت یہ ہے کہ "متکبر" بالاخر وہ ذلیل ہوتا ہے، اور تواضع کی خاصیت یہ ہے کہ "متواضع" شخص کو بالاخر عزت حاصل ہوتی ہے ــــ بشرطیکہ صرف رفعت اور بلندی حاصل کرنے کے لئے جھوٹی اور بناوٹی تواضع نہ ہو، بلکہ وہ حقیقی تواضع ہو۔

تواضع کا دکھاوا

بعض اوقات ہم لوگ زبان سے یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں کہ ہماری حقیقت کیا ہے؟ اور ہم تو ناچیز ہیں، ناکارہ ہیں، احقر ہیں وغیرہ، بسا اوقات یہ تواضع نہیں ہوتی بلکہ تواضع کا دکھاوا، تواضع کا دھوکا ہوتا ہے ہمارے حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ فرماتے تھے کہ اس بات کا اندازہ لگانا کہ وہ یہ الفاظ واقعی تواضع سے کہہ رہا ہے یا دکھاوے سے کہہ رہا ہے اس کا امتحان بہت آسان ہے وہ اس طرح کہ جب کوئی شخص کہے میں تو بڑا ناچیز ہوں، ناکارہ ہوں، خطاکار ہوں اور گناہ گار ہوں آپ اس وقت اگر جواب میں یہ کہہ دیں کہ بے شک آپ نے بالکل صحیح فرمایا، آپ واقعی بڑے ناچیز ہیں، بڑے ناکارہ ہیں، بڑے خطاکار ہیں، اور بڑے گناہ گار ہیں، پھر دیکھو کہ اس جواب کے بعد کیا ہوتا ہے؟ اگر اس نے سچے دل سے یہ الفاظ کہے تھے تب تو اس جواب کا خیر مقدم کریگا لیکن اگر اس جواب کی وجہ سے اس کے دل میں ملال پیدا ہو گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سچے دل سے یہ باتیں نہیں کہہ رہا تھا، بلکہ تواضع کے الفاظ اس لئے استعمال کر رہا تھا تاکہ جواب میں

یہ کہا جائے کہ نہیں حضرت! آپ تو بڑے نیک ہیں، بڑے متقی ہیں، بڑے پرہیز گار ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ مصنوعی تواضع میں جو الفاظ کہے جاتے ہیں وہ سچے دل سے نہیں کہے جاتے، بلکہ دوسروں سے اپنی تعریف کروانے کے لئے کہے جاتے ہیں للہذا یہ تواضع نہ ہوئی،

ناشکری بھی نہ ہو

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان کے اندر کچھ اچھے اوصاف ہوتے ہی ہیں، کسی کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہے، کسی کو صحت دی ہے، کسی کو دولت دی ہے، کسی کو کوئی مرتبہ دیا ہے، کسی کو کوئی منصب دیا ہے، یہ ساری چیزیں موجود ہیں، تو انسان کیسے انکار کر دے، اور کہے کہ یہ چیز ہمیں حاصل نہیں، اگر اس کا انکار کر دے گا تو ناشکری، اور کفران نعمت ہو گا، اس کے جواب میں بزرگوں نے فرمایا کہ تواضع کو اتنا نہ بڑھاؤ کہ ناشکری کی حد تک پہنچ جائے، تواضع بھی ہو، لیکن ساتھ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی ناشکری بھی نہ ہو۔

یہ تواضع نہیں

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مواعظ میں ایک واقعہ بیان فرمایا کہ میں ایک مرتبہ الہ آباد سے کانپور کے لئے ریل میں سوار ہوا۔ چند جنٹلمین اس ہی ڈبہ میں سوار تھے اور ایک منصف صاحب بھی سوار تھے۔ یہ منصف صاحب پرانے اور سادی وضع کے آدمی تھے۔ ان جنٹلمینوں نے ان منصف صاحب کو بنانا شروع کیا۔ اگرچہ بے تکلفی کی ابتداء منصف صاحب کی طرف سے ہوئی۔ غرض ان جنٹلمینوں نے کھانے کا دسترخوان کھولا اور ان میں سے ایک نے منصف صاحب سے کہا کہ آیئے آپ بھی کچھ گوموت کھالیجئے۔ دوسرے ساتھی بولے کہ کیا واہیات ہے؟ توبہ کرو، توبہ کرو، کھانے کو گوموت کہتے ہو؟ اس نے جواب میں کہا کہ اپنے کھانے کو کھانا کہنا بھی تکبر ہے اس حیثیت سے کہ وہ اپنا کھانا ہے گوموت ہی کہنا تواضع ہے۔

تکبر اور ناشکری سے بھی بچنا ہے:

ایک طرف ناشکری سے بھی بچنا ہے دوسری طرف تکبر سے بھی بچنا ہے، اور تواضع اختیار کرنی ہے، دونوں کام جمع کرے، مثلاً نماز پڑھی، روزہ رکھااور اس عمل کو یہ سمجھنا کہ میں نے بڑازبر دست عمل کر لیاتو یہ بڑا تکبر ہے اور اگر اپنے عمل کے بارے میں یہ کہا کہ یہ تو بیکار ہے، جیسا کہ آج کل بعض لوگ نماز کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ صاحب! ہم نے ٹکریں مار لیں، تو یہ اس عمل پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی ناشکری اور ناقدری ہے۔

شکر اور تواضع کیسے جمع ہوں؟

سوال یہ ہے کہ دونوں چیزوں کو کیسے جمع کیا جائے کہ ناشکری بھی نہ ہو، تکبر بھی نہ ہو؟ شکر بھی ادا ہو اور تواضع بھی ہو؟ حقیقت میں یہ کوئی مشکل کام نہیں — دونوں کاموں کو جمع کرنا بالکل آسان ہے، وہ اس طرح کہ انسان یہ خیال کرے کہ اپنی ذات میں تو میرے اندر اس عمل کی ذرہ برابر طاقت اور صلاحیت نہیں تھی، لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے یہ عمل کرا دیا اس طرح دونوں چیزیں جمع ہو جاتی ہیں کہ اپنی ذات میں اپنے آپ کو بے حقیقت سمجھا تو تواضع ہو گئی اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا کا اقرار کیا تو یہ شکر ہو گیا — اب دونوں باتیں جمع ہو گئیں اس لئے جو بندہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہو، اسکے اندر کبھی تکبر نہیں آ سکتا، کیونکہ شکر کے معنی یہ ہیں کہ میرے اندر اپنی ذات میں کوئی صلاحیت نہیں تھی، اللہ جل جلالہ نے اپنے فضل و کرم اور اپنی عطا سے مجھے یہ چیز عطا فرمائی ہے،

دیکھئے! نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو جمع کر کے دکھا دیا فرمایا:

"انا سید ولد آدم ولا فخر"

(ترمذی، کتاب المناقب، باب نمبر ۳، حدیث نمبر ۳۶۳۲)

میں سارے آدم کے بیٹوں کا سردار ہوں اب اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اپنی بڑائی کا اظہار فرما رہے ہیں، ـــ لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ "ولا فخر" یعنی کہ میں اپنا سردار ہونا بڑائی کی وجہ سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے اپنے فضل و کرم سے بڑا بنا دیا، اور سارے آدم کے بیٹوں کا سردار بنایا یہ محض ان کی عطا ہے، میری ذات کی بڑائی کا اس میں کوئی دخل نہیں ـــ

ایک مثال

اس بات کو حکیم الامت حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ نے ایک مثال کے ذریعہ سمجھایا، فرمایا کہ اس کو ایک مثال سے سمجھو کہ پہلے زمانے میں غلام ہوا کرتے تھے، اور اپنے مالک کے مملوک ہوتے تھے، مالک ان کو بازار میں باقاعدہ بیچ سکتا تھا، آقا ان کی ہر چیز کا مالک ہوتا تھا، مالک جو بھی حکم دے گا غلام کو کرنا ہوگا، اگر وہ کہے کہ میں سفر میں جا رہا ہوں میری غیر موجودگی میں اب تم حکمرانی کرو، اب وہ حکمرانی کر رہا ہے ـــ گورنر بنا ہوا ہے، لیکن ہے غلام کا غلام، لہٰذا اس غلام کے دماغ میں یہ بات آ ہی نہیں سکتی کہ یہ جو اقتدار میرے پاس آیا ہے، یہ میری قوت بازو کا یا میری صلاحیت کا نتیجہ ہے، کچھ بھی نہیں، اس کو یہ خیال رہتا ہے کہ جب آقا آ جائے گا تو کہہ دے گا کہ ہٹو، اب بیت الخلاء صاف کرو، تب وہ سارا تخت اور ساری حکمرانی دھری رہ جائے گی، معلوم ہوا کہ وہ غلام بیشک حاکم بن کر حکم چلا رہا ہے، لیکن ساتھ ساتھ اپنی حقیقت کا احساس بھی کر رہا ہے، کہ یہ حکمرانی میرے مالک کی عطا ہے ـــ حقیقت میں تو میں غلام ہی ہوں۔

بندہ کا درجہ غلام سے کمتر

یہ تو ایک غلام کا حال تھا، لیکن "بندہ" ہونے کا درجہ اس سے کہیں زیادہ نیچے ہے، لہٰذا جب اللہ تبارک وتعالیٰ کسی بندہ کو کوئی منصب عطا فرما دیں تو "بندہ" کو سمجھنا چاہئے کہ منصب تو مجھے اللہ تعالیٰ نے عطا فرما دیا، اسی وجہ سے یہ کام انجام دے رہا ہوں، لیکن میں ان کا بندہ ہوں میری حقیقت اس غلام سے بھی فروتر ہے، جس کو مالک نے تخت پر بٹھا دیا ـــ کتنے غلام گزرے ہیں، جنہوں نے بادشاہت کی ہے، لیکن رہے غلام

کے غلام ـــــ

عبرت ناک قصہ

ایک عبرت ناک قصہ یاد آیا، ایک غلام نے اپنے آقا کے خلاف بغاوت کر کے آقا کو قتل کر دیا، اور باقاعدہ بادشاہ بن گیا، اب مدتوں تک بادشاہ بنا رہا، شہزادے بھی پیدا ہو گئے، لیکن حقیقت میں تو وہ بادشاہ کا غلام تھا، ایک مرتبہ اس غلام بادشاہ نے شیخ عز الدین بن عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے دربار میں بلایا، جو اولیاء اللہ میں سے تھے ـــــ یہ اپنی صدی کے مجدد تھے ـــــ اس غلام بادشاہ نے ان کو بلا کر کہا میں آپ کو قاضی بنانا چاہتا ہوں، شیخؒ نے جواب میں کہا کہ بات یہ ہے کہ قاضی بنانے کا کام اس شخص کا ہے جو خلیفہ برحق ہو، اور آپ خلیفہ برحق نہیں ہے، اس لئے کہ آپ تو غلام ہیں، آپ نے اپنے آقا کو قتل کر کے از خود بادشاہ بن بیٹھے، اپنی ملکیت میں بہت ساری زمینیں آپ نے رکھی ہیں حالانکہ آپ مالک بن ہی نہیں سکتے، کیونکہ غلام کے اندر مالک بننے کی صلاحیت نہیں ہے لہٰذا جب تک آپ اپنی اس حیثیت کی اصلاح نہیں کریں گے، میں اس وقت تک آپ کا کوئی منصب قبول نہیں کروں گا۔

اس زمانے میں بہرحال کچھ نہ کچھ خیر ہوا کرتی تھی، باوجودیکہ اپنے آقا کو قتل کرنے کا جرم کیا تھا، لیکن پھر بھی دل میں کچھ خدا کا خوف تھا، اور اللہ والوں کے کہنے کے انداز سے بھی دل پر اثر ہوتا ہے، اس بادشاہ نے کہا: بات تو آپ نے صحیح کہی، واقعی میں تو غلام ہوں، آپ مجھے کوئی ایسا راستہ بتا دیجئے جس کے ذریعے میں اس غلامی سے نکل جاؤں، شیخ نے کہا کہ اس کا راستہ یہی ہو سکتا ہے کہ تم اور تمہارے سارے شہزادوں کو بازار میں کھڑا کر کے فروخت کیا جائے، اور جو قیمت وصول ہو وہ تمہارے مرحوم آقا کے ورثاؤں میں تقسیم کر دیئے جائیں اور جو شخص تمہیں خریدے، وہ آزاد کر دے، پھر تمہیں آزادی مل جائے گی ـــــ اب اندازہ لگایئے بادشاہ کو یہ کہا جا رہا ہے کہ تم کو اور بیٹوں کو بازار میں کھڑا کر کے بیچا جائے گا۔ قیمت لگائی جائے گی، نیلام ہو گا، اس کے بعد پھر تمہاری بادشاہت درست ہو گی، لیکن چونکہ دل میں کچھ خوف خدا اور آخرت کی فکر تھی، وہ اس لئے وہ بادشاہ اس پر راضی ہو گیا۔

چنانچہ تاریخ کا یہ منفرد واقعہ ہے کہ اس بادشاہ کو اور شہزادوں کو بازار میں کھڑا کر کے نیلام کیا گیا، بولی لگائی گئی، چنانچہ ایک شخص نے ان کو خرید کر پھر معاوضہ لے کر ان کو آزاد کیا، تب جا کر بادشاہ کی بادشاہت درست ہوئی، ہماری تاریخ کے اندر ایسی ایسی مثالیں بھی موجود ہیں، جو دنیا میں کہیں اور نظر نہیں آئیں گی، بہرحال جس طرح ایک غلام تخت کے اوپر بیٹھا ہے، لیکن ساتھ ساتھ یہ سمجھ رہا ہے کہ میں غلام ہوں، اسی طرح جب تم کسی منصب پر فائز ہو جاؤ تو ساتھ ساتھ دل میں یہ سمجھو کہ تم اللہ کے بندے ہو، اگر یہ حقیقت ذہن نشین رہے گی تو کبھی اس منصب پر بیٹھ کر دوسروں پر ظلم نہیں کر سکو گے۔

عبادت میں تواضع :

اسی طرح! اللہ تعالیٰ نے نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرما دے ــــــ اب نہ تو یہ کرو کہ اس نماز کو دوسروں کے سامنے بیان کرتے پھرو کہ میں نے نماز پڑھی تھی، اور نماز پڑھ کر میں تو بڑا بزرگ ہو گیا، جیسا کہ عربی کا محاورہ مشہور ہے کہ :

صلی الحائک رکعتین وانتظر الوحی

ایک جولاہے کو ایک مرتبہ دو رکعتیں نفل پڑھنے کا موقع مل گیا تھا، تو اس کے بعد وحی کے انتظار میں بیٹھ گیا تھا، اس نے یہ سمجھا کہ میں نے جو عمل کیا ہے وہ اتنا بڑا اعلیٰ درجہ کا عمل ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر وحی نازل ہونی چاہئے ــــــ لہٰذا نہ تو یہ کرو کہ اپنے عمل کو بہت بڑا سمجھ بیٹھو، اور اپنے لئے بڑے اعزاز تجویز کرنے لگو ــــــ اور نہ اپنے عمل کو اتنا حقیر سمجھو جس سے ناشکری ہو جائے، جیسا کہ لوگ کہتے ہیں کہ میری نماز کیا، میں تو اٹھ بیٹھک کرتا ہوں ــــــ

ایسے الفاظ مت کہو، یہ نماز کی توہین ہے ــ بلکہ یوں کہو کہ میں تو اپنی ذات میں کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا، اللہ جل جلالہ کا کرم ہے کہ انہوں نے مجھے نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمائی ــ

دو کام کر لو

اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب بھی کسی عبادت کی توفیق ہو جائے تو دو کام

کرو، ایک شکر ادا کرو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے اس عمل کی توفیق دے دی، ورنہ کتنے لوگ ہیں جن کو توفیق نہیں ہوتی اللہ تبارک وتعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے توفیق دی، دوسرے استغفار کرو کہ جو کچھ غلطیاں اور کوتاہیاں اس عمل میں ہوئی ہیں، اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دے، ان شاء اللہ ان دو عمل کی برکت سے اللہ تعالیٰ اسی عبادت کو قبول فرمالیں گے۔

کیفیات ہرگز مقصود نہیں:

ہمارے دلوں میں ہر وقت یہ اشکال رہتا ہے کہ اتنے دن سے نماز پڑھ رہے ہیں، تسبیح بھی پڑھ رہے ہیں، ذکر بھی کر رہے ہیں، معمولات بھی ہیں، نفلیں بھی پڑھی ہیں، تہجد اور اشراق بھی پڑھ رہے ہیں، لیکن دل کی حالت میں تبدیلی کیوں نظر نہیں آ رہی ہے، کوئی کیفیت کیوں پیدا نہیں ہو رہی ہے؟ خوب سمجھ لو کہ یہ کیفیات ہرگز مقصود نہیں، اور جو کچھ عمل کی توفیق ہو رہی ہے، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کی طرف سے انعام ہے، اور یہ جو فکر ہوتی ہے کہ یہ اعمال پتہ نیں قبول ہوتے ہیں کہ نہیں، یہ خوف دل میں ہونا چاہئے، اور یہ سوچے کہ اپنی ذات میں تو یہ عمل اس قابل نہیں تھا کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے لیکن جب اس نے اس عمل کی توفیق دے دی تو اس کی رحمت سے یہ بھی امید ہے کہ یہ عمل قبول ہوگا۔

عبادت کے قبول ہونے کی ایک علامت

حاجی امداد اللہ قدس اللہ سرہ ـــــ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین ـــ ان سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت! اتنے دن سے نماز پڑھ رہا ہوں، معلوم نہیں اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہوتی ہے کہ نہیں، حضرت نے جواب میں فرمایا: ـــ ارے بھئی! اگر یہ نماز قبول نہ ہوتی تو دوسری بار پڑھنے کی توفیق نہ ہوتی، جب تم نے ایک عمل کر لیا اس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے وہی عمل دوبارہ کرنے کی توفیق دے دی تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ پہلا عمل قبول ہے ان شاء اللہ ـــ اس وجہ سے نہیں کہ اس عمل کی کوئی خصوصیت تھی، بلکہ اس وجہ سے کہ اس نے تمہیں توفیق دی، اس لئے اپنی نماز اور

عبادتوں کو کبھی حقیر نہ سمجھو۔

ایک بزرگ کا واقعہ

مولانا رومی رحمہ اللہ علیہ نے مثنوی میں ایک بزرگ کا قصہ لکھا ہے کہ ایک بزرگ بہت دنوں تک نمازیں پڑھتے رہے، روزے رکھتے رہے اور تسبیحات واذ کار کرتے رہے، ایک دن دل میں یہ خیال آیا کہ میں اتنے عرصے سے یہ سب کچھ کر رہا ہوں، لیکن اللہ میاں کی طرف سے کوئی جواب وغیرہ تو آتا نہیں ہے معلوم نہیں، اللہ تعالیٰ کو یہ اعمال پسند ہیں یا نہیں؟اس کی بارگاہ میں مقبول ہیں یا نہیں؟ آخر کار اپنے شیخ کے پاس جاکر عرض کیا کہ حضرت! اتنے دل سے عمل کر رہا ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی جواب نہیں آتا، یہ سن کر شیخ نے فرمایا، ارے بےوقوف! یہ جو تمہیں اللہ اللہ کرنے کی توفیق ہورہی ہے، یہ ہی ان کی طرف سے جواب ہے، اس لئے کہ اگر تمہارا عمل قبول نہ ہوتا، تو تمہیں اللہ اللہ کرنے کی توفیق نہ ہوتی، کسی اور جواب کے انتظار میں رہنے کی ضرورت نہیں۔

که گفت آں اللہ تو لبیک ماست
زیں نیاز وورد و سوزک ماست

یعنی یہ جو تو اللہ اللہ کر رہا ہے یہ اللہ اللہ کرنا ہی ہماری طرف سے لبیک کہنا ہے یہ تیرے اللہ اللہ کا جواب ہے کہ ایک مرتبہ کرنے کے بعد دوسری مرتبہ کرنے کی توفیق دیدی۔

ایک بہترین مثال

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن کسی آدمی کے پاس جاکر اس کی تعریف کرو، اور اس کے بارے میں اچھے اچھے کلمات کہو، اور تم اگلے دن پھر جاکے اس کی تعریف کرو، اور اس کے بارے میں اچھے اچھے کلمات کہو، تیسرے دن پھر جاکر اس کے تعریفی کلمات کہو، اب اگر تمہارا یہ عمل اس شخص کو پسند ہو گا تو وہ تمہاری بات سنے گا، منع نہیں کرے گا، لیکن اگر تمہارا یہ عمل اس کو پسند نہیں ہو گا تو

ایک مرتبہ کروگے، دو مرتبہ کروگے لیکن تیسری مرتبہ وہ تمہیں باہر نکال دے گا، اور تمہیں تعریف کرنے نہیں دے گا۔

اسی طرح جب تم نے اللہ تبارک و تعالیٰ کا ذکر کیا، اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو جاری رکھا، اور تمہیں دوبارہ توفیق دی، تیسری بار توفیق دی تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ تمہارا یہ عمل اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، یہی ٹوٹا پھوٹا عمل ان کے یہاں پسند ہے انشاء اللہ، لہٰذا اس کی ناقدری مت کرو، بلکہ اس پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

ساری گفتگو کا حاصل

ہمارے حضرت والا قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ سیدھی سیدھی بات یہ ہے کہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق عمل کرتے رہو، اور ہر عمل پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ یا اللہ! آپ نے اپنے فضل و کرم سے توفیق عطا فرمائی، آپ کا شکر ہے۔ میرے اندر تو کوئی طاقت ہی نہیں تھی، اور جب اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کا خیال آئے، اس پر توبہ و استغفار کر لو، کہ یا اللہ! مجھ سے کوتاہیاں ہوئی ہیں، مجھے معاف فرما دیجئے، ایسا کرنے سے انشاء اللہ تواضع کا بھی حق ادا ہو جائے گا، شکر کا بھی حق ادا ہو جائے گا اور تکبر بھی پاس نہیں آئے گا۔ ——

تواضع حاصل کرنے کا طریقہ

تواضع حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو یہ سمجھو کہ میں تو بندہ ہوں، اللہ تعالیٰ جو کچھ میرے ذمہ میں لگا دیں گے، وہ کام کروں گا۔ اب اگر وہ کہیں منصب پر بیٹھا دیں تو وہ کام کروں گا، میں ان کا بندہ ہوں، غلام ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ نے جو کچھ عطا فرمایا ہے یہ محض ان کی عطا ہے، اس طرح کرنے سے شکر اور تواضع دونوں جمع ہو جاتے ہیں۔

اس لئے صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ عارف جامع اضداد ہوتا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ معرفت عطا فرمائیں وہ ایسی چیزوں کو جمع کرتا ہے جو بظاہر ایک دوسرے کی ضد نظر آتی ہے مثلاً ایک طرف اپنے عمل کی تحقیر بھی نہیں کرنی اور دوسری طرف اس عمل پر عجب بھی

نہیں کرنااور یہ سوچنا کہ میری نسبت سے یہ عمل حقیر ہے، اور اللہ تعالیٰ کی نسبت سے یہ عمل عظیم ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ کی توفیق کی نسبت ہے یہ ان کا انعام ہے یہ کرنے سے دونوں چیزیں جمع ہو جائیں گی۔

شکر کثرت سے کرو

ہمارے حضرت بار بار فرمایا کرتے تھے کہ میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں، آج تمہیں اس بات کی قدر نہیں ہوگی، جب کبھی اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق دیں گے، تب تمہیں قدر معلوم ہوگی وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر کثرت سے کیا کرو، اس لئے جس قدر شکر کروگے، امراض باطنہ کی جڑ کٹے گی، واقعہ یہ ہے کہ اس وقت وہ باتیں واقعی اتنی سمجھ میں نہیں آتی تھیں اب تو کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگی ہیں کہ یہ شکر ایسی دولت ہے، جو بہت سے امراض باطنہ کا خاتمہ کرنے والی ہے، حضرت فرماتے تھے کہ میاں وہ ریاضتیں اور مجاہدے کہاں کروگے، جو پہلے زمانے میں لوگ اپنے شیوخ کے پاس جاکر کیا کرتے تھے، رگڑے کھایا کرتے تھے، محنتیں کرتے تھے، مشقتیں اٹھاتے تھے بھوکے رہتے تھے تمہارے پاس اتنا وقت کہاں ؟ اور تمہارے پاس اتنی فرصت کہاں ؟ بس، ایک کام کر لو۔ وہ یہ کہ کثرت سے شکر کرو، جتنا شکر کروگے، انشاء اللہ تواضع پیدا ہوگی، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے تکبر دور ہوگا، امراض باطنہ دفع ہوں گے۔

شکر کے معنی

اور جب شکر کرو تو ذرا سوچ سمجھ کر شکر کرو کہ شکر کے معنی کیا ہیں؟ شکر کے معنی یہ ہیں کہ میں تو اس چیز کا مستحق نہیں تھا، مگر اللہ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی، اسی کا نام تواضع ہے، اگر اپنے آپ کو مستحق سمجھا تو تواضع کیا ہوئی؟ پھر شکر کیا ہوا؟ اگر ایک آدمی ایک چیز کا مستحق ہو، اور اس کو وہ چیز دی جائے تو یہ شکر کا موقع نہیں ہے، مثلاً ایک آدمی نے کسی سے قرضہ لیا، تو مقروض پر واجب ہے کہ وہ قرض خواہ کو قرض لوٹائے، کیونکہ قرض خواہ اس رقم کا مستحق ہے، اب جب مقروض یہ رقم قرض خواہ کو لوٹائے گا، اس

وقت قرض خواہ پر کوئی شکر ادا کرنا واجب نہیں ہو گا، اس لئے کہ یہ رقم ادا کر کے مقروض نے کوئی احسان نہیں کیا، شکر تو اس وقت ہو تا جب انسان یہ سمجھے کہ میں اس چیز کا مستحق تو تھا نہیں، مجھے استحقاق سے زیادہ کوئی چیز دی گئی ـــــ لہٰذا جب کسی نعمت پر شکر ادا کرو تو ذرا سوچ لیا کرو کہ یہ نعمت میرے استحقاق میں نہیں تھی، اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے عطاء فرمائی، بس یہ سوچ لو گے، انشاء اللہ تواضع حاصل ہو جائے گی، مثلاً کوئی منصب ملا، تو سوچ لو، یا اللہ! آپ کا کرم ہے، آپ نے دے دیا، میرے بس کا تو تھا نہیں، میرے اندر طاقت نہیں تھی، میرے اندر صلاحیت نہیں تھی، مگر آپ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے عطا فرمایا بس یہ سوچ لیا، انشاء اللہ تواضع حاصل ہو گئی، اور جب تواضع حاصل ہو جائے گی تو اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ ہے کہ:

من تواضع للہ رفعہ اللہ

یعنی جو شخص اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بلندی فرما دیتے ہیں۔

خلاصہ

ایک بات اور سمجھ لیں، وہ یہ کہ تواضع اگرچہ دل کا عمل ہے کہ آدمی اپنے آپ کو دل میں بے حقیقت سمجھے، لیکن دل میں یہ بات مستحضر رکھنے کے لئے آدمی عملاً یہ کرے کہ کسی بھی کام سے اپنے آپ کو بلند نہ سمجھے اور کسی بھی کام میں عار نہ ہو یہ نہ سوچے کہ یہ کام میرے مرتبے کا نہیں بلکہ ہر چھوٹے سے چھوٹے عمل کے لئے بھی تیار رہے، دوسرے یہ کہ آدمی اپنی نشست و برخاست میں، اور انداز و اداؤں، چلنے پھرنے میں ایسا طریقہ اختیار کرے، جس میں تکبر نہ ہو، بلکہ عاجزی اور انکساری ہو، اگرچہ ساری تواضع اس پر منحصر نہیں۔ لیکن یہ بھی تواضع کے حصول کا ایک طریقہ ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ظاہری افعال کے اندر بھی آدمی عاجزی اور انکساری اختیار کرے، اس لئے کہ اگر یہ کر لیا تو پھر انشاء اللہ دل میں بھی تواضع پیدا ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمارے اندر بھی تواضع پیدا فرما دے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حسد۔ایک معاشرتی ناسور

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱/۱۸۸ ۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حسد

ایک معاشرتی ناسور

الحمد للہ نحمدہ ونستعینه ونستغفرہ ونؤمن به ونتوکل علیه، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل له، ومن یضلله فلا ھادی له، واشھد ان لا اله الا اللہ وحدہ لا شریك له، واشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمدًا عبدہ ورسوله، صلی اللہ تعالیٰ علیه وعلیٰ اٰله واصحابه وبارك وسلم تسلیمًا کثیرًا۔ اما بعد:

عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه ان النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: ایاکم والحسد، فان الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب، او قال: العشب۔

(ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی الحسد، حدیث نمبر ۴۹۰۳)

"حسد" ایک باطنی بیماری ہے

جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے ظاہری اعمال میں بعض چیزیں فرض و واجب قرار دی ہیں، اور بعض چیزیں گناہ قرار دی ہیں، اسی طریقے سے ہمارے باطنی اعمال میں بہت سے اعمال فرض ہیں، اور بہت سے اعمال گناہ اور حرام ہیں۔ ان سے بچنا اور اجتناب کرنا بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ جتنا ظاہر کے کبیرہ گناہوں سے بچنا ضروری ہے۔ ان میں سے بعض کا بیان پچھلے جمعوں میں ہو گیا، آج اسی سلسلے میں باطن کی ایک اور خطرناک بیماری

کا ذکر کرنا مقصود ہے وہ بیماری ہے "حسد" اور یہ حدیث جو ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے، اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بیماری کا ذکر فرمایا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حسد سے بچو، اس لئے کہ یہ حسد انسان کی نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے، جیسے آگ لکڑی کو یا سوکھی گھاس کو کھا جاتی ہے، راوی کو شک ہے کہ آپ نے لکڑی کا لفظ بیان فرمایا تھا۔ یا سوکھی گھاس کا لفظ بیان فرمایا تھا۔ یعنی جس طرح آگ سوکھی لکڑی کو یا سوکھی گھاس کو لگ جائے تو وہ اس کو بھسم کر ڈالتی ہے، ختم کر دیتی ہے، اس طرح اگر کسی شخص میں حسد کی بیماری ہو تو وہ اس کی نیکیوں کو کھا جاتی ہے۔

حسد کی آگ سلگتی رہتی ہے

ایک آگ تو وہ ہوتی ہے جو بہت بڑی ہوتی ہے۔ جو منٹوں میں سب کچھ جلا کر ختم کر دیتی ہے۔ اور ایک آگ وہ ہوتی ہے جو ہلکے ہلکے سلگتی رہتی ہے۔ اگر وہ آگ کسی کو لگائی جائے تو وہ آگ ایک دم سے اس کو جلا کر ختم نہیں کرے گی، بلکہ وہ آہستہ آہستہ سلگتی رہے گی، اور تھوڑا تھوڑا کر کے اس کو کھاتی رہے گی۔ حتیٰ کہ وہ ساری لکڑی ختم ہو کر راکھ بن جائے گی ــــ اسی طرح حسد ایک ایسی بیماری اور ایک ایسی آگ ہے، جو رفتہ رفتہ سلگتی چلی جاتی ہے، اور انسان کی نیکیوں کو فنا کر ڈالتی ہے، اور انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ میری نیکیاں ختم ہو رہی ہیں۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حسد سے بچنے کی تاکید فرمائی۔

حسد سے بچنا فرض ہے

لیکن اگر ہم اپنے معاشرے اور ماحول پر نظر دوڑا کر دیکھیں تو ہمیں نظر آئے گا کہ یہ حسد کی بیماری معاشرے کے اندر چھائی ہوئی ہے، اور بہت کم اللہ کے بندے ایسے ہیں جو اس بیماری سے بچے ہوئے ہیں، اور اس سے پاک ہیں۔ ورنہ کسی نہ کسی درجہ

میں حسد کا دل میں گزر ہو جاتا ہے، اور اس سے بچنا فرض ہے۔ اس سے بچے بغیر گزارا نہیں، لیکن ہمارا اس طرف دھیان اور خیال بھی نہیں جاتا کہ ہم اس بیماری کے اندر مبتلا ہیں، اس لئے اس سے بچنے کے لئے بہت اہتمام کی ضرورت ہے۔

پہلے یہ سمجھ لیں حسد کی حقیقت کیا ہے؟۔ اور اس کی قسمیں کون کون سی ہیں؟ اور اس کے اسباب کیا ہیں۔ اور اس کا علاج کیا ہے؟ یہ چار باتیں آج کے بیان کا موضوع ہیں، اللہ تعالیٰ اس بیان کو ہمارے دلوں سے اس بیماری کے ختم کرنے کا ذریعہ بنا دیں۔ آمین۔

حسد کی حقیقت

حسد کی حقیقت یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کو دیکھا کہ اس کو کوئی نعمت ملی ہوئی ہے، چاہے وہ نعمت دنیا کی ہو، یا دین کی۔ اس نعمت کو دیکھ کر اس کے دل میں جلن اور کڑھن پیدا ہوئی کہ اس کو یہ نعمت کیوں مل گئی، اور دل میں یہ خواہش ہوئی کہ یہ نعمت اس سے چھن جائے تو اچھا ہے، یہ ہے حسد کی حقیقت۔

مثلاً اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کو مال و دولت دیا، یا کسی کو صحت کی دولت کی، یا کسی کو شہرت دی، یا کسی کو عزت دی، یا کسی کو علم دیا، اب دوسرے شخص کے دل میں یہ خیال پیدا ہو رہا ہے کہ یہ نعمت اس کو کیوں ملی؟ اس سے یہ نعمت چھن جائے تو بہتر ہے، اور اس کے خلاف کوئی بات آتی ہے تو وہ اس سے خوش ہوتا ہے، اور اگر اس کی ترقی سامنے آتی ہے تو اس سے دل میں رنج اور افسوس ہوتا ہے کہ یہ کیوں آگے بڑھ گیا، اس کا نام حسد ہے،

اب اگر حسد کی اس حقیقت کو سامنے رکھ کر غور کرو گے تو یہ نظر آئے گا کہ حسد کرنے والا در حقیقت اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر اعتراض کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت اس کو کیوں دی؟ مجھے کیوں نہیں دی؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر اعتراض کر رہا ہے، قادر مطلق پر اعتراض کر رہا ہے۔ اپنے محسن اور منعم پر اعتراض کر رہا ہے۔ اور ساتھ ساتھ یہ خواہش کر رہا ہے کہ یہ نعمت کسی طرح اس سے چھن جائے۔ اسی وجہ سے اس کی سنگینی اور خطرناکی بہت زیادہ ہے۔

"رشک" کرنا جائز ہے

یہاں یہ بات سمجھ لیں کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دوسرے شخص کو ایک نعمت حاصل ہوئی، اب اس کے دل میں یہ خواہش ہو رہی ہے کہ مجھے بھی یہ نعمت حاصل ہو جائے تو اچھا ہے، یہ حسد نہیں ہے۔ بلکہ یہ "رشک" ہے، عربی میں اس کو "غبطہ" کہا جاتا ہے، اور بعض مرتبہ عربی زبان میں اس پر بھی "حسد" کا لفظ بول دیا جاتا ہے، لیکن حقیقت میں یہ حسد نہیں۔ مثلاً کسی شخص کا اچھا مکان دیکھ کر دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ جس طرح اس شخص کا مکان آرام دہ اور اچھا بنا ہوا ہے۔ میرا بھی ایسا مکان ہو جائے، یا مثلاً جیسی ملازمت اس کو ملی ہوئی ہے۔ مجھے بھی ایسی ملازمت مل جائے، یا جیسا علم اللہ تعالیٰ نے اس کو دیا ہے، ایسا علم اللہ تعالیٰ مجھے بھی عطا فرما دے، یہ حسد نہیں۔ بلکہ رشک ہے، اس پر کوئی گناہ نہیں، لیکن جب اس کی نعمت کے زائل ہونے کی خواہش دل میں پیدا ہو کہ اس کی یہ نعمت اس سے چھن جائے تو اچھا ہے۔ یہ حسد ہے۔

حسد کے تین درجات

پھر حسد کے تین درجات ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ دل میں یہ خواہش ہو کہ مجھے بھی ایسی نعمت مل جائے، اب اگر اس کے پاس رہتے ہوئے مل جائے تو بہت اچھا ہے، ورنہ اس سے چھن جائے، اور مجھے مل جائے۔ یہ حسد کا پہلا درجہ ہے، حسد کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ جو نعمت دوسرے کو ملی ہوئی ہے۔ وہ نعمت اس سے چھن جائے، اور مجھے مل جائے۔ اس میں پہلے قدم پر یہ خواہش ہے کہ اس سے وہ چھن جائے، اور دوسرے قدم پر یہ خواہش ہے کہ مجھے مل جائے۔ یہ حسد کا دوسرا درجہ ہے، حسد کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ دل میں یہ خواہش ہو کہ یہ نعمت اس سے کسی طرح چھن جائے، اور اس نعمت کی وجہ سے اس کو جو امتیاز اور جو مقام حاصل ہوا ہے۔ اس سے وہ محروم ہو جائے۔ پھر چاہے وہ نعمت مجھے ملے، یا نہ ملے، یہ حسد کا سب سے رذیل ترین، ذلیل ترین، خبیث ترین درجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

سب سے پہلے حسد کرنے والا

سب سے پہلے حسد کرنے والا ابلیس ہے، جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمایا کہ میں اس کو زمین میں خلافت عطا کروں گا۔ اپنا خلیفہ بناؤں گا، اور پھر حضرت آدم علیہ السلام کو یہ مقام عطا فرمایا کہ فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ بس یہ حکم سن کر یہ ابلیس جل گیا کہ ان کو یہ مقام مل گیا۔ اور مجھے نہ ملا۔ اور اس کے نتیجے میں سجدہ کرنے سے انکار کر دیا، لہٰذا سب سے پہلے حسد کرنے والا بھی شیطان ہے، اور سب سے پہلے تکبر کرنے والا بھی شیطان ہے۔

حسد کرنے کا لازمی نتیجہ

اور اس حسد کا ایک لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس سے حسد کیا جا رہا ہے، اگر اس کو کوئی تکلیف پہنچ جائے، یا اس کو کوئی رنج یا غم پہنچ جائے تو یہ حسد کرنے والا اس کی تکلیف اور اس کے رنج و غم سے خوش ہوتا ہے، اور اگر اس کی ترقی ہو جائے۔ یا اس کو کوئی نعمت مل جائے تو اس سے اس کو رنج ہوتا ہے، اور دوسروں کی تکلیف پر خوشی ہونے کو عربی میں "شماتت" کہتے ہیں، یہ بھی حسد کی ایک قسم ہے، قرآن و حدیث میں کئی مقامات پر اس کی مذمت آئی ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ"

(النساء: ۵۴)

یعنی کیا لوگ دوسروں پر حسد کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت دوسروں کو عطا کر دی۔ اب یہ لوگ اس پر حسد کر رہے ہیں، اور جل رہے۔

حسد کے دو سبب ہیں

اس حسد کی بیماری کا سبب کیا ہوتا ہے؟ اور یہ بیماری کیوں دل میں پیدا ہوتی ہے؟ اس کے دو سبب ہوتے ہیں۔ اس کا ایک سبب دنیا کے مال و دولت کی محبت ہے، اور منصب کی محبت ہے۔ اس لئے کہ انسان ہمیشہ یہ چاہتا ہے کہ میرا مرتبہ بلند رہے، میں اونچا

رہوں۔ اب اگر دوسرا شخص آگے بڑھتا ہے۔ تو یہ اس کو گرانے کی فکر کرتا ہے
اور اس بیماری کا دوسرا سبب "بغض" اور "کینہ" ہے، مثلاً کسی سے دل میں بغض اور کینہ پیدا ہو گیا، اور اس بغض کے نتیجے میں اس کی راحت سے تکلیف ہوتی ہے، اور اس کی خوشی سے رنج ہوتا ہے۔ جب دل میں یہ دو باتیں ہوں گی تو اس کے نتیجے میں لازماً حسد پیدا ہو گا۔

حسد دنیا و آخرت میں ہلاک کرنے والی ہے

یہ حسد ایسی بری بیماری ہے جو کہ آخرت میں انسان کو ہلاک کرنے والی ہے۔ بلکہ دنیا کے اندر بھی انسان کے لئے مہلک ہے، لہٰذا اس کے ذریعے دنیا کا بھی نقصان، اور آخرت کا بھی نقصان، اس لئے کہ جو شخص دوسرے سے حسد کرے گا، وہ ہمیشہ تکلیف اور گھٹن میں رہے گا۔ اس لئے کہ جب بھی دوسرے کو آگے بڑھتا ہوا دیکھے گا، تو اس کو دیکھ کر دل میں رنج اور غم اور گھٹن پیدا ہو گی، اور اس گھٹن کے نتیجے میں وہ رفتہ رفتہ وہ اپنی صحت کو بھی خراب کر لے گا۔

حاسد حسد کی آگ میں جلتا رہتا ہے

عربی کا ایک شعر ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ حسد کی مثال آگ جیسی ہے، اور آگ کی خاصیت یہ ہے کہ جب اس کو دوسری چیز کھانے کو ملے، تب تو یہ اس کو کھاتی رہے گی، مثلاً لکڑی کو آگ لگی ہوئی ہے، تو وہ آگ لکڑی کو کھاتی رہے گی۔ لیکن جب لکڑی ختم ہو جائے گی تو پھر آگ کا ایک حصہ خود اس کے دوسرے حصے کو کھانا شروع کر دے گا۔ یہاں تک کہ وہ آگ بھی ختم ہو جائے گی۔ اسی طرح حسد کی آگ بھی ایسی ہے کہ حسد کرنے والا پہلے تو دوسرے کو خراب کرنے اور دوسرے کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن جب دوسرے کو نقصان نہیں پہنچا سکتا تو پھر حسد کی آگ میں خود جل جل کر ختم ہو جاتا ہے

حسد کا علاج

اس حسد کی بیماری کا علاج یہ ہے کہ وہ شخص یہ تصور کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں اپنی خاص حکمتوں اور مصلحتوں سے انسانوں کے درمیان اپنی نعمتوں کی تقسیم فرمائی ہے کسی کو کوئی نعمت دے دی، کسی کو کوئی نعمت دے دی، کسی کو صحت کی نعمت دے دی، تو کسی کو مال و دولت کی نعمت دے دی، کسی کو عزت کی نعمت دے دی، تو کسی کو حسن و جمال کی نعمت دے دی، کسی کو چین و سکون کی نعمت دے دی، اور اس دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں ہے جس کو کوئی نہ کوئی نعمت میسر نہ ہو، اور کسی نہ کسی تکلیف میں مبتلا نہ ہو۔

تین عالم

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں تین عالم پیدا فرمائے ہیں۔ ایک عالم وہ ہے جس میں راحت ہی راحت ہے۔ تکلیف کا گزر نہیں۔ رنج و غم کا نام و نشان نہیں۔ وہ ہے جنت کا عالم، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے وہاں پہنچادے۔ آمین۔ وہاں تو راحت ہی راحت، اور آرام ہی آرام ہے۔ اور ایک عالم بالکل اس کے مقابل میں ہے۔ جس میں تکلیف ہی تکلیف ہے۔ غم ہی غم ہے۔ صدمہ ہی صدمہ ہے۔ راحت اور خوشی کا وہاں گزر اور نام و نشان نہیں، وہ ہے جہنم کا عالم، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے، آمین۔ تیسرا عالم وہ ہے جو دونوں سے مرکب ہے، جس میں خوشی بھی ہے۔ غم بھی ہے۔ راحت بھی تکلیف بھی ہے۔ وہ ہے یہ عالم دنیا، جس میں ہم اور آپ جی رہے ہیں، اس عالم دنیا کے اندر کوئی انسان ایسا نہیں ملے گا جو یہ کہے کہ مجھے ساری زندگی کبھی کوئی تکلیف پیش نہیں آئی، اور نہ کوئی انسان ایسا ملے گا جس کو کبھی کوئی راحت اور خوشی حاصل نہ ہوئی ہو۔ یہاں پر ہر خوشی کے اندر رنج کا کانٹا بھی لگا ہوا ہے، اور ہر تکلیف کے اندر راحت بھی پوشیدہ ہے، نہ یہاں کی راحت خالص ہے، اور نہ یہاں کی تکلیف خالص ہے۔

حقیقی راحت کس کو حاصل ہے؟

بہرحال، اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور مصلحت سے سارا عالم پیدا فرمایا، اور پھر اس میں کسی کو کوئی نعمت دے دی، کسی کو کوئی نعمت دے دی، کسی کو مال و دولت کی نعمت دے دی، تو دوسرے کو اس کے مقابلے میں صحت کی نعمت دے دی، اب مال و دولت والا صحت والے پر حسد کر رہا ہے کہ اس کو ایسی اچھی صحت کیوں مل گئی؟ اور جو صحت والا ہے، وہ مال و دولت والے پر حسد کر رہا ہے کہ اس کو اتنا مال و دولت کیوں مل گیا؟ لیکن حقیقت میں یہ تقدیر کے فیصلے ہیں، اور اسی کی حکمت اور مصلحت پر مبنی ہیں، اور کوئی بھی انسان دوسرے کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کونسا انسان اس دنیا میں زیادہ راحت میں ہے، دیکھنے میں بعض اوقات ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک آدمی کے بہت سارے کارخانے چل رہے ہیں، بنگلے کھڑے ہیں، کاریں ہیں، نوکر چاکر ہیں، اور دنیا بھر کا عیش و عشرت کا سامان میسر ہے، اور دوسری طرف ایک مزدور ہے، جو صبح سے شام تک پتھر ڈھوتا ہے، اور بمشکل اپنے پیٹ بھرنے کا سامان کرتا ہے، اب اگر یہ مزدور اس مال و دولت والے انسان کو دیکھے گا تو یہی سوچے گا کہ اس کو تو دنیا کی بہت بڑی بڑی نعمتیں میسر ہیں، لیکن اگر ساتھ ساتھ ان دونوں کی اندرونی زندگی میں جھانک کر دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ جس شخص کی ملیں کھڑی ہیں، جس کے پاس بنگلے اور کاریں ہیں، اور جس کے پاس بے شمار مال و دولت اور عیش و عشرت کا سامان ہے، ان کا یہ حال ہے کہ رات کو جب بستر پر سوتے ہیں تو صاحب بہادر کو اس وقت تک نیند نہیں آتی، جب تک نیند کی گولی نہ کھائیں ــــ اور یہ حال ہے کہ ان کے دسترخوان پر انواع و اقسام کے ایک سے ایک کھانے چنے ہوئے ہیں۔ پھل موجود ہیں۔ لیکن ان کا معدہ اتنا خراب ہے کہ ایک دو لقمے بھی قبول کرنے کو تیار نہیں، اس لئے معدہ میں السر ہے، اور اس کی وجہ سے ڈاکٹر نے منع کر دیا ہے کہ فلاں چیز بھی مت کھاؤ، اور فلاں چیز بھی مت کھاؤ۔ اب ساری نعمتیں ساری غذائیں اس کے لئے بیکار ہیں۔ اب آپ بتائیں کہ وہ شخص زیادہ راحت میں ہے جس کے پاس دنیا کے سارے ساز و سامان تو میسر ہیں لیکن نیند سے محروم ہے، کھانے سے محروم ہے، اور ایک مزدور ہے جو آٹھ گھنٹے کی سخت ڈیوٹی دینے کے بعد ساگ روٹی اور چٹنی روٹی خوب بھوک لگنے کے بعد لذت اور حلاوت کے ساتھ کھاتا ہے، اور

جب بستر پر سوتا ہے تو فوراً نیند کی آغوش میں چلا جاتا ہے، اور آٹھ دس گھنٹے تک بھرپور نیند کر کے اٹھتا ہے۔ بتائیے کہ ان دونوں میں سے راحت کے اندر کون ہے؟ حقیقی راحت کس کو حاصل ہے؟ اگر غور سے دیکھو گے تو یہ نظر آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے شخص کو دنیا کے اسباب اور سامان بیشک عطا کئے ہیں۔ لیکن حقیقی راحت اس دوسرے شخص کو عطا فرمائی ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کی حکمت کے فیصلے ہیں۔

"رزق" ایک نعمت، "کھلانا" دوسری نعمت

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ ــــ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین ــــ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ کھانا کھانے کے بعد یہ جو دعا پڑھی جاتی ہے کہ:

الحمد لله الذی اطعمنی هذا ورزقنیه من غیر حول منی ولا قوة، غفر له ما تقدم من ذنبه۔

(ترمذی شریف، ابواب الدعوات، باب مایقول اذا فرغ من الطعام، حدیث نمبر ۳۵۲۳)

یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا، اور مجھے یہ رزق بغیر میری کوشش اور طاقت کے عطا فرمایا۔ جو شخص کھانے کے بعد یہ دعا پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام پچھلے (صغیرہ) گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔

پھر والد صاحب نے فرمایا کہ اس روایت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دو لفظ علیحدہ علیحدہ ذکر فرمائے ہیں۔ ایک "رزقنیہ" اور دوسرے "اطعمنی" یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے رزق دیا، اور یہ کھانا کھلایا، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب دونوں لفظوں کا مطلب ایک ہے، یعنی رزق دیا۔ اور کھانا کھلایا۔ تو پھر دونوں کو علیحدہ علیحدہ کیوں ذکر فرمایا؟ ایک ہی لفظ کا بیان کر دینا کافی تھا؟ پھر خود جواب دیا کہ دونوں باتیں علیحدہ علیحدہ ہیں۔ اس لئے کہ رزق حاصل ہونا ایک مستقل نعمت ہے، اور کھلانا مستقل دوسری نعمت ہے۔ اس لئے کہ بعض اوقات رزق حاصل ہونے کی نعمت تو حاصل ہوتی ہے کہ گھر میں اعلیٰ درجے کے کھانے پکے ہوئے تیار ہیں، اور ہر طرح کے پھل فروٹ موجود ہیں، لیکن بھوک نہیں لگ رہی ہے۔ معدہ خراب ہے، اور ڈاکٹر نے کھانے سے منع کیا ہوا ہے، اب اس صورت میں "رزقنا" حاصل ہے۔ لیکن "اطعمنا" حاصل

نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے رزق دے رکھا ہے۔ لیکن کھانے کی صلاحیت اور ہضم کی قوت نہیں دی ہے۔ بہرحال، اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں کہ کسی کو کوئی نعمت عطا فرما دی، اور کسی کو کوئی نعمت عطا فرما دی

اللہ کی حکمت کے فیصلے

لہٰذا حسد کا علاج یہ ہے کہ حسد کرنے والا یہ سوچے کہ اگر دوسرے شخص کو کوئی بڑی نعمت حاصل ہے، اور اس کی وجہ سے تمہارے دل میں کڑھن پیدا ہو رہی ہے۔ تو کتنی نعمتیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دے رکھی ہیں، اور اس شخص کو نہیں دیں۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے بہتر صحت عطا فرمائی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حسن و جمال اس سے زیادہ عطا فرمایا ہو، یا کوئی اور نعمت اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمائی ہو، اور اس کو وہ نعمت میسر نہ ہو، لہٰذا ان نعمتوں کی تقسیم میں اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت ہوتی ہے کہ انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا۔ ان باتوں کو سوچنے سے حسد کی بیماری میں کمی آتی ہے۔

اردو کی ایک مثل

یہ جو اردو کے اندر مثل مشہور ہے کہ "اللہ تعالیٰ گنجے کو ناخن نہ دے" یہ بڑی حکیمانہ مثل ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمہیں مال و دولت کی نعمت حاصل نہیں ہے، اگر تم کو مل جاتی تو نہ جانے تم اس کی وجہ سے کیا فساد برپا کرتے، اور کس عذاب میں مبتلا ہو جاتے۔ اور اس کی کیسی ناقدری کرتے، اور تمہارا کیا حشر بنتا، اب اگر اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت تمہیں نہیں دی ہے تو کسی مصلحت کی وجہ سے نہیں دی ہے۔ اسی وجہ سے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: •

"وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ"

(النساء: ۳۲)

یعنی اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر جن چیزوں میں فضیلت دے دی ہے۔ تم ان چیزوں کی تمنا مت کرو، کیوں؟ اس لئے کہ تمہیں کیا معلوم کہ اگر تم کو وہ نعمت

حاصل ہو گئی تو تم کیا فساد برپا کرو گے، واقعات آپ نے سنے ہوں گے کہ ایک آدمی تمنا کرتا رہا کہ فلاں نعمت مجھے مل جائے، مگر جب وہ نعمت مل گئی تو وہ بجائے مفید ہونے کے اس کے لئے مضر ثابت ہوئی، اس لئے سب سے پہلے یہ سوچنا چاہئے کہ یہ جو دوسرے شخص کو نعمت مل جانے پر دل جل رہا ہے، یہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر اعتراض ہے اور اس کی مصلحت سے بے خبری کا نتیجہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ تمہیں اس سے بھی بڑی کوئی نعمت میسر ہو، جو اس کو حاصل نہیں۔

اپنی نعمتوں کی طرف نظر کرو

اور یہ ساری خرابی اس سے پیدا ہوتی ہے کہ انسان اپنی طرف دیکھنے کے بجائے دوسروں کی طرف دیکھتا ہے۔ خود اپنے کو جو نعمت حاصل ہیں۔ ان کا تو دھیان اور خیال ہی نہیں، اور ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی توفیق نہیں، مگر دوسروں کی نعمتوں کی طرف دیکھ رہا ہے، اسی طرح اپنے عیوب کی طرف تو نظر نہیں۔ مگر دوسرے کے عیوب تلاش کر رہا ہے ــ اگر انسان اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی ہر وقت نازل ہونے والی نعمتوں کا استحضار کرے۔ تو پھر دوسرے پر کبھی حسد نہ کرے تم کیسی بھی حالت میں ہو۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے تمہیں نعمتوں کی ایسی بارش میں رکھا ہے، اور صبح سے شام تک تمہارے اوپر نعمتوں کی بارش برس رہا ہے کہ اگر تم اس کا تصور کرتے رہو تو دوسروں کی نعمت پر کبھی جلن پیدا نہ ہو۔

ہمیشہ اپنے سے کمتر کو دیکھو

آجکل ہمارے معاشرے میں لوگوں کو دوسروں کے معاملات میں تحقیق اور تفتیش کرنے کا بڑا ذوق ہے، مثلاً فلاں آدمی کے پاس پیسے کس طرح آرہے ہیں؟ کہاں سے پیسے آرہے ہیں؟ وہ کیسا مکان بنوا رہا ہے؟ وہ کیسی کار خرید رہا ہے، اس کے حالات کیسے ہیں؟ ایک ایک کا جائزہ لینے کی فکر ہے، اور پھر اس تفتیش اور تحقیق کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی ایسی چیز سامنے آتی ہے جو خوشنما اور دلکش ہے، لیکن اپنے پاس موجود نہیں، تو پھر اس سے حسد پیدا نہیں ہو گا تو اور کیا ہو گا، اس لئے وہ مقولہ یاد رکھنے کے قابل ہے جو

پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ:

"دنیا کے معاملے میں ہمیشہ اپنے سے نیچے والے کو اور اپنے سے کم تر کو دیکھو، اور دین کے معاملے میں ہمیشہ اپنے سے اوپر والے کو دیکھو"

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اور راحت

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک عرصہ دراز تک مالداروں کے محلے میں رہا۔ اور ان کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا رہا۔ تو اس زمانے میں مجھ سے زیادہ رنجیدہ اور غم زدہ کوئی نہیں تھا۔ اس لئے کہ جس کو بھی دیکھتا ہوں تو یہ نظر آتا ہے کہ اس کا کپڑا میرے کپڑے سے عمدہ ہے۔ اس کی سواری میری سواری سے اعلیٰ ہے۔ اس کا مکان میرے مکان سے اعلیٰ ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر وقت اس غم میں مبتلا رہتا تھا کہ اس کو تو یہ نعمتیں حاصل ہیں، مجھے حاصل نہیں، اس لئے مجھ سے زیادہ غم زدہ انسان کوئی نہیں تھا ۔۔۔ لیکن اس کے بعد میں نے اپنی رہائش ایسے لوگوں کے محلے میں اختیار کر لی جو دنیاوی اعتبار سے فقراء اور کم حیثیت کے لوگ تھے، اور ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا شروع کیا، تو اس کے نتیجے میں، میں آرام میں آگیا، اس لئے کہ یہاں معاملہ بالکل برعکس تھا۔ اس لئے کہ جس کو بھی دیکھتا ہوں تو یہ نظر آتا ہے کہ میرا لباس اس کے لباس سے عمدہ ہے۔ میری سواری اس کی سواری سے اعلیٰ ہے۔ میرا مکان اس کے مکان سے اچھا ہے۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے مجھے قلبی راحت عطا فرما دی۔

خواہشات ختم ہونے والی نہیں

یاد رکھو، کوئی انسان اگر دنیا کے اسباب جمع کرنے میں آگے بڑھتا چلا جائے تو اس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ ع

کار دنیا کسے تمام نہ کرد

دنیا کا معاملہ کبھی پورا نہیں ہوتا

اس دنیا کے اندر جو سب سے زیادہ مالدار انسان ہو۔ اس سے جا کر پوچھ لو کہ کیا تمہیں سب چیزیں حاصل ہو گئیں ہیں؟ اب تو تمہیں کچھ نہیں چاہئے؟ وہ جواب میں یہی کہے گا

کہ ابھی تو مجھے اور چاہئے ۔۔۔ وہ بھی اس فکر میں نظر آئے گا کہ اس مال میں اور اضافہ ہو جائے ۔۔۔ متنبی عربی زبان کا بڑا شاعر ہے، اس نے دنیا کے بارے میں بڑی حکیمانہ بات کہی ہے، وہ یہ ہے کہ :۔

وما قضى احد منها لبانته
ولا انتهى ارب الا الى ارب

(دیوان متنبی۔ قافیۃ الباء، قال یرثی اخت سیف الدولۃ صفحہ ۴۸)

یعنی اس دنیا سے آج تک کسی کا پیٹ نہیں بھرا، جب کوئی خواہش تم پوری کرو گے تو اس کے بعد فوراً دوسری خواہش پیدا ہو جائے گی، ہر خواہش ایک نئی خواہش کو جنم دیتی ہے، اور ہر حاجت ایک نئی حاجت کو جنم دیتی ہے۔

یہ اللہ کی تقسیم ہے

کہاں تک حسد کرو گے؟ کہاں تک دوسروں کی نعمتوں پر غم زدہ ہو گے؟ اس لئے کہ یہ بات تو پیش آئے گی کہ کوئی شخص کسی نعمت میں تم سے آگے بڑھا ہوا نظر آئے گا، اور کوئی شخص کسی دوسری چیز میں تم سے آگے بڑھا ہوا نظر آئے گا، لہٰذا سب سے زیادہ اس بات کا تصور کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی تقسیم ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو اپنی حکمت اور مصلحت سے تقسیم فرمایا ہے، اور اس مصلحت اور حکمت کو تم سمجھ بھی نہیں سکتے ہو۔ اس لئے کہ تم بہت محدود دائرے میں سوچتے ہو۔ تمہاری عقل محدود، تمہارا سوچنے کا دائرہ محدود، اس محدود دائرے میں تم سوچتے ہو، اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ پوری کائنات کو محیط ہے، وہ یہ فیصلے فرماتے ہیں کہ کس کو کیا چیز دینی ہے؟ اور کس کو کیا چیز نہیں دینی ہے؟ بس اس پر غور کرو گے تو اس کے ذریعہ حسد کا مادہ ختم ہو گا، اور حسد کی بیماری میں کمی واقع ہو گی۔

حسد کا دوسرا علاج

اس حسد کی بیماری کا ایک دوسرا موثر علاج ہے، وہ یہ کہ حسد کرنے والا یہ سوچے

کہ میری خواہش تو یہ ہے کہ جس شخص سے میں حسد کر رہا ہوں۔ اس سے وہ نعمت چھن جائے، لیکن معاملہ ہمیشہ اس خواہش کے برعکس ہی ہوتا ہے، چنانچہ جس سے حسد کیا ہے۔ اس شخص کا تو فائدہ ہی فائدہ ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، اور حسد کرنے والے کا نقصان ہی نقصان ہے، دنیا میں اس کا فائدہ یہ ہے کہ جب تم نے دنیا میں اس کو اپنا دشمن بنالیا، تو اصول یہ ہے کہ دشمن کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ میرا دشمن ہمیشہ رنج و غم میں مبتلا رہے، لہٰذا جب تک تم حسد کرو گے، رنج و غم میں مبتلا رہو گے، اور وہ اس بات سے خوش ہوتا رہے گا کہ تم رنج و غم میں مبتلا ہو۔ یہ تو اس کا دنیاوی فائدہ ہے ــــ اور آخرت کا فائدہ یہ ہے کہ تم اس سے جتنا جتنا حسد کرو گے۔ اتنا ہی اس کے نامہ اعمال کے اندر نیکیوں میں اضافہ ہو گا، اور وہ چونکہ مظلوم ہے، اس لئے آخرت میں اس کے درجات بلند ہونگے، اور حسد کی لازمی خاصیت یہ ہے کہ یہ حسد انسان کو غیبت پر، عیب جوئی پر، چغل خوری۔ اور بے شمار گناہوں پر آمادہ کرتا ہے، اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خود حسد کرنے والے کی نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں منتقل ہو جاتی ہیں اس لئے کہ جب تم اس کی غیبت کرو گے، اور اس کے لئے بددعا کرو گے تو تمہاری نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں چلی جائیں گی، جس کا مطلب یہ ہے کہ تم جتنا حسد کر رہے ہو، اپنی نیکیوں کے پیکٹ تیار کر کے اس کے پاس بھیج رہے ہو۔ تو اس کا تو فائدہ ہو رہا ہے، اب اگر ساری عمر حسد کرنے والا حسد کرے گا تو وہ اپنی ساری نیکیاں گنوا دے گا، اور اس کے نامہ اعمال میں ڈال دے گا ــــ

ایک بزرگ کا واقعہ

ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک صاحب نے آپ سے کہا کہ حضرت فلاں آدمی آپ کو برا بھلا کہہ رہا تھا۔ آپ سن کر خاموش ہو گئے، کچھ جواب نہیں دیا، جب مجلس ختم ہو گئی تو گھر تشریف لے گئے، اور جس نے آپ کی برائی بیان کی تھی، اس کے لئے ایک بہت بڑا تحفہ تیار کر کے اس کے گھر بھیج دیا ــــ لوگوں نے کہا کہ حضرت وہ تو آپ کو برا بھلا کہہ رہا تھا، اور آپ نے اس کو ہدیہ بھیج دیا؟ ان بزرگ نے فرمایا کہ وہ تو میرا محسن ہے۔ اس لئے کہ اس نے میری برائی بیان کر کے میری نیکیوں

میں اضافہ کر دیا ہے۔ اس نے تو مجھ پر احسان کیا ہے۔ اب میں کچھ تو اس کے احسان کا بدلہ دیدوں۔ اس نے تو میری آخرت کی نیکیوں میں اضافہ کیا ہے۔ میں کم از کم دنیا ہی میں اس کو ہدیہ تحفہ دیدوں۔

امام ابو حنیفہؒ کا غیبت سے بچنا

اور یہ بات مشہور ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس میں کوئی شخص کسی کی غیبت نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے کہ وہ نہ غیبت کرتے تھے، اور نہ غیبت سنتے تھے۔ ان کی مجلس ہمیشہ غیبت سے خالی ہوتی تھی ــــ ایک دن امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اپنے شاگردوں کے سامنے غیبت اور حسد کی برائی بیان کی، اور ان کو یہ سمجھانے کے لئے کہ غیبت سے نیکیاں چلی جاتی ہیں فرمانے لگے کہ یہ غیبت ایسی چیز ہے جو غیبت کرنے والے کی نیکیوں کو اس شخص کی طرف منتقل کر دیتی ہے، جس کی غیبت کی گئی ہے، اس لئے میں کبھی غیبت نہیں کرتا، لیکن اگر کبھی میرے دل میں یہ خیال آئے کہ میں غیبت کروں تو اس وقت میں اپنے ماں باپ کی غیبت کروں۔ اس لئے کہ اگر غیبت کے نتیجے میں میری نیکیاں جائیں گی تو ماں باپ کے نامہ اعمال میں جائیں گی، اور گھر کی چیز گھر میں رہے گی، کسی غیر کے پاس نہیں جائیں گی ــــ

اشارہ اس بات کی طرف کر دیا کہ یہ غیبت اور حسد کرنے والا اپنے دل میں تو دوسرے کی برائی چاہ رہا ہے، لیکن حقیقت میں وہ اس کو دنیا کا بھی فائدہ پہنچا رہا ہے اور آخرت کا فائدہ پہنچا رہا ہے اور اپنا نقصان کر رہا ہے اس لئے یہ غیبت کرنا اور حسد کرنا کتنی احمقانہ حرکت ہے۔

امام ابو حنیفہ کا ایک اور واقعہ

حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ، حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے ہم عصر ہے۔ دونوں ایک ہی زمانے میں گزرے ہیں۔ اور دونوں کے اپنے اپنے حلقہ درس ہوا کرتے تھے، ایک دن حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ وہ بڑے بخیل آدمی ہیں، اس شخص نے کہا ہم نے تو ان کے

بارے میں یہ سنا ہے کہ وہ بڑے سخی آدمی ہیں۔ حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا کہ وہ اتنے بخیل ہیں کہ اپنی نیکی کسی کو دینے کے لئے تیار نہیں، اور دوسروں کی نیکیاں بہت لیتے رہتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ لوگ ان کی بہت غیبت کرتے رہتے ہیں، اور ان کی برائیاں بیان کرتے رہتے ہیں، جس کے نتیجے میں لوگوں کی نیکیاں ان کے نامہ اعمال میں منتقل ہو جاتی ہیں، اور وہ خود نہ تو غیبت کرتے ہیں، اور نہ غیبت سنتے ہیں۔ اس لئے اپنی نیکیاں کسی کو دینے کے لئے تیار نہیں، لہذا آخرت کے لحاظ سے ان سے زیادہ بخیل آدمی کوئی نہیں ہے ــــــ

حقیقت یہ ہے کہ جس سے حسد کیا جائے، یا جس سے بغض رکھا جائے، یا جس کی غیبت کی جائے، حقیقت میں حسد کرنے والا اور غیبت کرنے والا اپنی نیکیوں کے پیکٹ بنا بنا کر اس کے پاس بھیج رہا ہے، اور خود خالی ہوتا جا رہا ہے۔

حقیقی مفلس کون؟

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے پوچھا کہ بتاؤ مفلس کون ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ مفلس وہ ہے جس کے پاس پیسے نہ ہوں، آپؐ نے فرمایا کہ نہیں یہ حقیقی مفلس نہیں۔ بلکہ حقیقی مفلس وہ ہے کہ جو اپنے نامہ اعمال میں بہت ساری نیکیاں، بہت ساری نمازیں، بہت سارے روزے، بہت ذکر و اذکار اور تسبیحات لے کر دنیا سے جائے گا۔ لیکن جب قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے پاس حساب و کتاب کے لئے حاضر ہوگا۔ تو وہاں پر لوگوں کی بھیڑ لگی ہوگی، ایک کہے گا کہ اس نے میرا فلاں حق پامال کیا تھا۔ دوسرا کہے گا کہ اس نے میرا فلاں حق ضائع کیا۔ تیسرا کہے گا کہ اس نے میرا فلاں حق دبایا تھا، اب وہاں کی کرنسی یہ نوٹ تو ہونگے نہیں کہ ان کو دے کر حق پورا کر دیا جائے۔ وہاں کی کرنسی تو نیکیاں ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ حکم فرمائیں گے کہ ان لوگوں کو حقوق کے بدلے میں اس شخص کی نیکیاں دے دی جائیں۔ اب ایک شخص اس کی نمازیں لے کر چلا جائے گا تو دوسرا شخص اس کے روزے لے کر چلا جائے گا، کوئی اس کا ذکر و اذکار لے کر چلا جائے گا۔ اس طرح اس کی تمام نیکیاں ختم ہو جائیں گی۔ لیکن لوگوں کے حقوق پورے نہیں ہوں گے،

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جب نیکیاں ختم ہو گئیں تو صاحب حقوق کے گناہ اس کے اعمال نامے میں ڈال کر ان کے حقوق ادا کر دو، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب آیا تھا تو اس وقت اعمال نامہ نیکیوں سے بھرا ہوا تھا، اور جب واپس جا رہا ہے تو نہ صرف یہ کہ خالی ہاتھ ہے، بلکہ گناہوں کا بوجھ اپنے ساتھ لے جا رہا ہے۔ حقیقت میں مفلس یہ ہے۔ بہرحال، حسد کے ذریعہ اس طرح نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔

(ترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ۔ باب ماجاء فی شان الحساب، حدیث نمبر ۲۵۳۳)

اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے کسی شخص کو آئینے کی طرح ایک دل عطا فرما دے۔ جس میں نہ حسد ہو۔ نہ بغض ہو۔ نہ غیبت ہو۔ نہ کینہ ہو، تو اس صورت میں اگرچہ اس کے نامہ اعمال میں بہت زیادہ نوافل اور بہت زیادہ ذکر و اذکار اور تلاوت نہ بھی ہو، لیکن اس کا دل آئینہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس شخص کا درجہ اتنا بلند فرماتے ہیں۔ جس کی کوئی انتہا نہیں۔

جنت کی بشارت

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا کہ ابھی جو شخص مسجد میں اس طرف سے داخل ہو گا، وہ جنتی ہے۔ ہم نے اس طرف کو نگاہ اٹھائی تو تھوڑی دیر میں ایک صاحب مسجد نبوی میں اس طرح داخل ہوئے کہ ان کے چہرے سے وضو کا پانی ٹپک رہا تھا۔ اور بائیں ہاتھ میں جوتے اٹھائے ہوئے تھے۔ ہمیں ان پر بہت رشک آیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مجلس ختم ہو گئی تو میرے دل میں خیال آیا کہ میں ان کو قریب سے جا کر دیکھوں کہ ان کا کونسا عمل ایسا ہے۔ جس کی بنیاد پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنے اہتمام سے ان کے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے، چنانچہ جب وہ اپنے گھر جانے لگے تو میں بھی ان کے پیچھے پیچھے ساتھ چلا گیا، اور راستے میں ان سے کہا کہ میں دو تین روز آپ کے گھر میں گزارنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے اجازت دے دی، اور میں ان کے گھر چلا گیا۔ جب رات

ہوئی، اور بستر پر لیٹا تو ساری رات میں بستر پر لیٹ کر جاگتا رہا۔ سویا نہیں۔ تاکہ میں یہ دیکھوں کہ رات کے وقت وہ اٹھ کر کیا عمل کرتے ہیں۔ لیکن ساری رات گزر گئی۔ وہ اٹھے ہی نہیں، پڑے سوتے رہے۔ تہجد کی نماز بھی نہیں پڑھی، اور فجر کے وقت اٹھے۔ اس کے بعد میں نے دن بھی ان کے پاس گزارا، تو دیکھا کہ پورے دن میں بھی انہوں نے کوئی خاص عمل نہیں کیا۔ (نہ نوافل۔ نہ ذکر و اذکار، نہ تسبیح، نہ تلاوت) بس جب نماز کا وقت آتا تو مسجد میں جا کر نماز پڑھ لیتے۔ جب دو تین روز میں نے وہاں رہ کر دیکھ لیا کہ یہ تو کوئی خاص عمل ہی نہیں کرتے تو میں نے ان سے عرض کیا کہ اصل میں بات یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے، تو میں آپ کا وہ عمل دیکھنے کے لئے آیا تھا کہ آپ وہ کونسا عمل کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ مقام عطا فرمایا۔ لیکن میں نے دو تین دن آپ کے پاس رہ کر دیکھ لیا کہ آپ کوئی خاص عمل نہیں کرتے۔ صرف فرائض و واجبات ادا کرتے ہیں، اور معمول کے مطابق زندگی گزارتے ہیں، انہوں نے جواب دیا کہ اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے یہ بشارت دی ہے تو یہ میرے لئے بڑی نعمت ہے۔ اور مجھ سے کوئی عمل تو ہوتا نہیں۔ اور نہ میں نوافل زیادہ پڑھتا ہوں، لیکن ایک بات ہے، وہ یہ کہ کسی شخص سے حسد اور بغض کا میل کبھی میرے دل میں نہیں آیا، شاید اس بناء پر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بشارت کا مصداق بنا دیا ہو، بعض روایات میں آتا ہے کہ یہ صاحب حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ تھے، جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

اس کا فائدہ، میرا نقصان

بہرحال، آپ نے دیکھا کہ ان کے اعمال میں بہت زیادہ نوافل اور ذکر و اذکار تو نہیں۔ لیکن دل حسد اور بغض سے پاک ہے، دوسرے سے حسد اور بغض سے اپنے دل کو آئینے کی طرح پاک و صاف رکھا ہوا ہے، تو حسد کا دوسرا علاج یہ ہے کہ آدمی یہ سوچے کہ میں جس شخص سے حسد کر رہا ہوں، اس حسد کے نتیجے میں اس کا تو فائدہ ہے، اور میرا نقصان ہے۔ اس تصور سے اس حسد بیماری میں کمی آتی ہے۔

حسد کا تیسرا علاج

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ حسد کی بنیاد ہے حب دنیا اور حب جاہ، یعنی دنیا کی محبت، اور جاہ کی محبت، اس لئے اس حسد کا تیسرا علاج یہ ہے کہ آدمی اپنے دل سے دنیا اور جاہ کی محبت نکالنے کی فکر کرے، اس لئے کہ تمام بیماریوں کی جڑ دنیا کی محبت ہے، اور اس دنیا کی محبت کو دل سے نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی یہ سوچے کہ یہ دنیا کتنے دن کی ہے، کسی بھی وقت آنکھ بند ہو جائے گی۔ انسان کے لئے نجات کا کوئی راستہ نہیں ہو گا، دنیا کی لذتیں، دنیا کی نعمتیں، اس کی دولتیں، اس کی شہرت، اس کی عزت، اور اس کی ناپائیداری پر انسان غور کرے، اور یہ سوچے کہ کسی بھی وقت آنکھ بند ہو جائے گی تو سارا قصہ ختم ہو جائے گا۔ اس کے بعد پھر انسان کے لئے نجات کا کوئی راستہ نہیں ہو گا۔ بہرحال، یہ تین چیزیں ہیں، جن کو سوچنے سے اور استحضار کرنے سے اس بیماری میں کمی آتی ہے۔

حسد کی دو قسمیں

ایک بات اور سمجھ لیں، اس کا سمجھنا بھی بہت ضروری ہے۔ وہ یہ کہ حسد کی برائیاں سننے کے بعد بعض اوقات دل میں یہ خیال آتا ہے کہ یہ بیماری تو ایسی ہے جو بعض اوقات غیر اختیاری طور پر پیدا ہو جاتی ہے۔ خاص طور پر اپنے ہم جولیوں اور اپنے ہم عمروں میں اور ہم مرتبہ اور ہم پیشہ لوگوں میں سے کسی کو آگے بڑھتا ہوا اور ترقی کرتا ہوا دیکھا تو دل میں یہ خیال آیا کہ اچھا یہ تو ہم سے آگے بڑھ گیا، اور پھر دل میں اس کی طرف سے غیر اختیاری طور پر کدورت اور میل آگیا، اب نہ تو اس کا قصد کیا تھا، اور نہ ارادہ کیا تھا، اور نہ اپنے اختیار سے یہ خیال دل میں لائے تھے، لیکن دل میں غیر اختیاری طور پر خیال آگیا، اس سے کیسے بچے؟ اس سے بچنے کا کیا طریقہ ہے؟

خوب سمجھ لیں کہ حسد کا ایک درجہ تو یہ ہے کہ آدمی کے دل میں یہ خیال آئے کہ فلاں شخص کو جو نعمت حاصل ہے۔ اس سے وہ نعمت چھن جائے، لیکن اس خیال کے ساتھ ساتھ حسد کرنے والا اپنے قول اور فعل سے اس کی بدخواہی بھی چاہتا ہے۔ مثلاً مجلس میں بیٹھ کر اس کی برائیاں بیان کر رہا ہے، اور اس کی غیبت کر رہا ہے۔ تاکہ اس

نعمت کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں جو وقعت پیدا ہو گئی ہے۔ وہ ختم ہو جائے، یا اس کی کوشش کر رہا ہے کہ اس سے وہ نعمت چھن جائے، یہ حسد تو بالکل حرام ہے۔ اس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

لیکن بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ دوسرے کو نعمت حاصل ہونے کی وجہ سے اس کا دل دکھا، اور یہ خیال آیا کہ اس کو یہ نعمت کیوں ملی؟ لیکن وہ شخص اپنے قول سے۔ یا اپنے فعل سے۔ اپنے انداز اور ادا سے اس حسد کو دوسرے پر ظاہر نہیں کرتا، نہ اس کی برائی کرتا ہے، نہ اس کی غیبت کرتا ہے، نہ اس کی بدخواہی کرتا ہے، اور نہ اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ اس سے یہ نعمت چھن جائے۔ بس دل میں ایک دکھ اور کڑھن ہے کہ اس کو یہ نعمت کیوں ملی؟ ـــــ حقیقت میں تو یہ بھی حسد ہے، اور گناہ ہے، لیکن اس کا علاج آسان ہے، اور ذرا سی توجہ سے اس گناہ سے بچ سکتا ہے۔

فوراً استغفار کرے

اس کا علاج یہ ہے کہ جب دل میں یہ کڑھن اور جلن پیدا ہو۔ تو ساتھ ہی دل میں اس بات کا تصور کرے کہ یہ حسد کتنی بری چیز ہے، اور میرے دل میں یہ جو کڑھن پیدا ہو رہی ہے، یہ بہت بری بات ہے، اور جب اس قسم کا خیال دل میں پیدا ہو، فوراً استغفار کرے، اور یہ سوچے کہ مجھے نفس اور شیطان بہکا رہے ہیں۔ یہ میرے لئے عیب کی بات ہے ـــــ لہٰذا جب حسد کے خیال کے ساتھ ساتھ اس حسد کی برائی بھی دل میں لے آیا تو اس حسد کا گناہ ختم ہو جائے گا۔ انشاء اللہ ـــــ

اس کے حق میں دعا کرے

بزرگوں نے لکھا ہے کہ جب دل میں دوسرے کی نعمت دیکھ کر حسد اور جلن پیدا ہو۔ تو اس کا ایک علاج یہ بھی ہے کہ تنہائی میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے اس کے حق میں دعا کرے کہ یا اللہ، یہ نعمت جو آپ نے اس کو عطا فرمائی ہے، اور زیادہ عطا فرما ـــــ اور جس وقت وہ یہ دعا کرے گا۔ اس وقت دل پر آرے چلیں گے، اور یہ دعا کرنا دل پر بہت شاق اور گراں گزرے گا، لیکن زبردستی یہ دعا کرے کہ یا اللہ، اس کو اور ترقی عطا

فرما، اس کی نعمت میں اور برکت عطا فرما، ___ اور ساتھ ساتھ اپنے حق میں بھی دعا کرے کہ یا اللہ، میرے دل میں اس کی نعمت کی وجہ سے جو کڑھن اور جلن پیدا ہو رہی ہے اپنے فضل اور رحمت سے اس کو ختم فرما، ___ خلاصہ یہ ہے کہ یہ تین کام کرے، ایک یہ کہ اپنے دل میں جو کڑھن پیدا ہو رہی ہے، اور اس کی نعمت کے زوال کا جو خیال آ رہا ہے۔ اس کو دل سے برا سمجھے، دوسرا یہ ہے کہ اس کے حق میں دعاء خیر کرے، تیسرے اپنے حق میں دعا کرے کہ یا اللہ، میرے دل سے اس کو ختم فرما، ___ ان تین کاموں کے کرنے کے بعد بھی اگر دل میں غیر اختیاری طور پر جو خیال آ رہا ہے۔ تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس پر مواخذہ نہیں ہو گا۔ انشاء اللہ۔ لیکن اگر دل میں خیال تو آ رہا ہے۔ لیکن اس خیال کو برا نہیں سمجھتا ہے، اور نہ اس کے تدارک کی فکر کرتا ہے، نہ اس کی تلافی کرتا ہے، تو اس صورت میں وہ گناہ سے خالی نہیں ___

حق تلفی کی وضاحت

یہ مسئلہ میں بار بار بتا چکا ہوں کہ جن گناہوں کا تعلق حقوق اللہ سے ہے، ان گناہوں کا علاج تو آسان ہے کہ انسان توبہ اور استغفار کر لے۔ وہ گناہ معاف ہو جائے گا۔ لیکن جن کوتاہیوں اور گناہوں کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ وہ صرف توبہ کرنے سے معاف نہیں ہوتے، جب تک صاحب حق سے معاف نہ کرایا جائے، اور وہ معاف نہ کرے، یا جب تک اس کا حق ادا نہ کر دیا جائے۔ اس وقت تک معاف نہیں ہو گا

حسد کا معاملہ یہ ہے کہ اگر آپ اس کو اپنی زبان پر لے آئے، اور اس حسد کے نتیجے میں آپ نے اس کی غیبت کر لی۔ یا اس کی بدخواہی کے لئے کوئی عملی کوشش کر لی، تو اس صورت میں اس حسد کا تعلق حقوق العباد سے ہو جائے گا، لہٰذا جب تک وہ شخص معاف نہیں کرے گا۔ یہ گناہ معاف نہیں ہو گا ___ لیکن اگر حسد دل ہی دل میں رہا، زبان سے کوئی لفظ اس کی برائی اور غیبت کا نہیں نکلا، اور اس کی نعمت کے زائل کرنے کے لئے کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا۔ تو اس صورت میں اس حسد کا تعلق حقوق اللہ سے ہے، لہٰذا یہ گناہ اس شخص سے معافی مانگے بغیر صرف توبہ سے معاف ہو جائے گا۔ لہٰذا جب تک حسد دل ہی دل میں ہے، تو آدمی سوچ لے کہ ابھی معاملہ قابو میں ہے۔

آسانی کے ساتھ اس کا تدارک بھی ہو سکتا ہے، اور معافی بھی آسان ہے، ورنہ اگر یہ آگے بڑھ گیا تو یہ حقوق العباد میں داخل ہو جائے گا۔ پھر اس کی معافی کا کوئی راستہ نہیں رہے گا۔

زیادہ رشک کرنا بھی اچھا نہیں

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اگر دوسرے کی نعمت کے چھن جانے کی خواہش دل میں نہ ہو۔ بلکہ صرف یہ خیال ہو کہ یہ نعمت مجھے بھی مل جائے، اگرچہ یہ حسد تو نہیں ہے، بلکہ یہ رشک ہے۔ لیکن اس کا بہت زیادہ استحضار کرنا اور سوچنا بالآخر حسد تک پہنچا دیتا ہے، لہٰذا اگر دنیا کے مال و دولت کی وجہ سے کسی پر رشک آگیا تو یہ بھی کوئی اچھی بات نہیں ہے، اس لئے کہ یہی رشک بعض اوقات دل میں مال و دولت کی حرص پیدا کر دیتا ہے۔ اور بعض اوقات یہ رشک آگے چل کر حسد بن جاتا ہے۔

دین کی وجہ سے رشک کرنا اچھا ہے

لیکن اگر دینداری کی وجہ سے رشک پیدا ہو رہا ہے یہ تو اچھی بات ہے۔ اس لئے کہ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

لاحسد الا فی اثنتین، رجل اتاہ اللّٰہ مالا فسلط علی هلکته فی الحق" ورجل اتاہ اللّٰہ الحکمة، فھو یقضی بھا ویعلمھا"

(صحیح بخاری کتاب العلم، باب الاغتباط فی العلم والحکمة، حدیث نمبر ۷۳)

اس حدیث میں حسد سے مراد رشک ہے یعنی حقیقت میں رشک کے قابل صرف دو انسان ہیں، ایک وہ انسان قابل رشک ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے، اور وہ اس مال کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر رہا ہے، اور اس کو اپنے لئے ذخیرہ آخرت بنا رہا ہے۔ یہ شخص قابل رشک ہے، دوسرا وہ شخص ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا ہے، اور اس علم کے ذریعہ سے لوگوں کو نفع پہنچا رہا ہے۔ اپنی تقریر اور تحریر سے لوگوں کو دین کی بات پہنچا رہا ہے۔ یہ شخص بھی قابل رشک ہے کہ وہ خود بھی نیک عمل کر رہا ہے۔ اور

دوسروں کو نیکی کی ترغیب دے رہا ہے، اور جو لوگ اس کی ترغیب اور تعلیم کے نتیجے میں دین پر عمل پیرا ہوں گے، ان کا ثواب بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا ـــــ لہٰذا اگر دین کی وجہ سے کوئی شخص رشک کر رہا ہے کہ فلاں شخص دینداری میں مجھ سے آگے بڑھا ہوا ہے۔ یہ رشک پسندیدہ ہے، اور بڑی اچھی بات ہے۔

دنیا کی وجہ سے رشک پسندیدہ نہیں

لیکن دنیا کے مال و دولت کی وجہ سے دوسرے پر رشک کرنا کہ فلاں کے پاس مال زیادہ ہے۔ فلاں کے پاس دولت زیادہ ہے۔ فلاں کی شہرت زیادہ ہے۔ فلاں کی عزت زیادہ ہے۔ ان دنیاوی چیزوں پر بھی رشک کرنا بھی اچھی بات نہیں۔ اس لئے کہ ان چیزوں میں زیادہ رشک کرنے کے نتیجے میں بالآخر حرص پیدا ہوگی، اور اس کے بعد حسد پیدا ہونے کا بھی اندیشہ ہے۔ اس لئے اس رشک کی بھی زیادہ ہمت افزائی نہیں کرنی چاہئے۔ بلکہ جب کبھی ایسا خیال آئے تو اس وقت آدمی یہ سوچے کہ اگر فلاں نعمت اس کو حاصل ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی بہت سی نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ جو اس کے پاس نہیں ہیں۔ اور جو نعمتیں مجھے نہیں ملیں تو میری بھلائی اور مصلحت بھی اس میں ہے کہ مجھے وہ نعمت نہ ملے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی مصلحت کی وجہ سے مجھے وہ نعمت نہیں عطا فرمائی، اگر وہ نعمت مجھے حاصل ہو جاتی تو خدا جانے کس مصیبت کے اندر مبتلا ہو جاتا، بہرحال، ان باتوں کو سوچے، اور اس رشک کے خیال کو بھی اپنے دل سے نکالنے کی کوشش کرے ـــ یہ چند باتیں حسد کے بارے میں عرض کر دیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کی حقیقت سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

شیخ اور مربی کی ضرورت

لیکن جیسا کہ میں بار بار عرض کرتا رہتا ہوں کہ باطن کی جتنی بیماریاں ہیں، باطن کے جتنے برے اخلاق اور گناہ ہیں۔ ان سے بچنے کا اصل علاج یہ ہے کہ کسی معالج سے رجوع کیا جائے۔ اگر کوئی ڈاکٹر ایک مرتبہ مریض کو اپنے پاس بٹھا کر خوب اچھی طرح سے یہ بتا دے کہ بخار کی حقیقت کیا ہے؟ اس کے اسباب کیا ہوتے ہیں؟ اس کا علاج اور

دوائیں کیا کیا ہیں؟ لیکن جب اس کو بخار آئے گا تو کیا وہ شخص ڈاکٹر کے بتائی ہوئی باتوں کو یاد کر کے اس کے مطابق اپنا علاج خود کرنا شروع کر دے گا؟ ظاہر ہے کہ وہ ایسا نہیں کرے گا، اس لئے کہ حالات مختلف ہوتے ہیں، اور بعض اوقات دواؤں کو اپنے اوپر منطبق کرنے میں غلطی بھی ہو جاتی ہے، اس لئے کسی ڈاکٹر یا معالج کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہوتی ہے ____

اسی طرح یہ باطن کی بیماریاں ہیں۔ مثلاً ریا کاری ہے۔ حسد ہے۔ بغض ہے۔ تکبر ہے۔ آپ نے ان کی حقیقت تو سن لی۔ لیکن جب کوئی شخص ان میں سے کسی بیماری میں مبتلا ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ ایسے معالج کی طرف رجوع کرے جو اپنا علاج کرا چکا ہو، اور دوسروں کا علاج کرنے میں ماہر ہو، اور اس کو بتائے کہ میرے دل میں یہ خیالات اور وساوس پیدا ہوتے ہیں، اس کا کیا حل ہے؟ اور کیا علاج ہے؟ پھر وہ صحیح علاج تجویز کرتا ہے ____ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنے آپ کو بیمار سمجھتا ہے۔ مگر حقیقت میں بیمار نہیں ہوتا۔ اور بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنے کو تندرست سمجھتا ہے۔ مگر حقیقت میں وہ بیمار ہوتا ہے، اور بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس کے لئے کوئی علاج مفید ہوتا ہے۔ مگر وہ دوسرے علاج میں لگا ہوا ہے ____ اس لئے بنیادی بات یہ ہے کہ کسی شیخ سے رجوع کر کے اس کو اپنے حالات بتائے جائیں، اور پھر اس کے بتائے ہوئے علاج کے مطابق عمل کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

خواب کی حیثیت

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب :

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۵

صفحات :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خواب کی حیثیت

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ۔ واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، واشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ، صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً، امابعد:

"عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لم یبق من النبوۃ الا المبشرات، قالوا: وما المبشرات؟ قال الرؤیا الصالحۃ"

(صحیح بخاری، کتاب التعبیر، باب المبشرات حدیث نمبر ۶۹۹۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نبوت منقطع ہو گئی اور سوائے مبشرات کے نبوت کا کوئی حصہ باقی نہیں رہا۔ صحابہ نے سوال کیا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مبشرات کیا ہیں؟ (مبشرات کے معنی ہیں خوشخبری دینے والی چیزیں) جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "سچے خواب" یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبشرات ہوتے ہیں اور یہ نبوت کا ایک حصہ ہے۔ ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب التعبیر، باب الرؤیا الصالحۃ، حدیث نمبر ۶۹۸۷)

سچے خواب نبوت کا حصہ ہیں

مطلب اس کا یہ ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا وقت آیا، تو ابتداء میں چھ ماہ تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نہیں آئی۔ بلکہ چھ ماہ تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچے خواب آتے رہے، حدیث میں آتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی خواب دیکھتے، تو جو واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا ہوتا بعینہ وہی واقعہ بیداری میں پیش آجاتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ خواب سچا ہو جاتا اور صبح کے اجالے کی طرح اس خواب کا سچا ہونا لوگوں کے سامنے واضح ہو جاتا۔ اس طرح چھ ماہ تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچے خواب آتے رہے۔ اس کے بعد پھر وحی کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور نبوت ملنے کے بعد تیئس سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف فرما رہے، ان تیئس سالوں میں سے چھ ماہ کا عرصہ صرف سچے خوابوں کا زمانہ تھا۔ اب تیئس کو دو سے ضرب دیں گے تو چھیالیس بن جائیں گے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سچے خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں۔ گویا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت کے زمانے کو چھیالیس حصوں میں تقسیم کیا جائے تو اس میں سے ایک حصے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچے خواب ہی آتے رہے۔ وحی نہیں آئی۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کا خواب نبوت کا چھیالیس واں حصہ ہے، اور اشارہ اس طرف کر دیا کہ یہ سلسلہ میرے بعد بھی جاری رہے گا اور مومنوں کو سچے خواب دکھائے جائیں گے، اور ان کے ذریعہ بشارتیں دی جائیں گی، اور ایک حدیث میں یہ بھی فرمایا کہ قیامت کے قریب آخری زمانے میں مسلمانوں کو بیشتر خواب سچے آئیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خواب بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے، اور آدمی کو اس کے ذریعے بشارتیں ملتی ہیں، لہٰذا اگر خواب کے ذریعہ کوئی بشارت ملے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

خواب کے بارے میں دو رائیں

لیکن ہمارے یہاں خواب کے معاملے میں بڑی افراط و تفریط پائی جاتی ہے۔ بعض لوگ تو وہ ہیں جو سچے خوابوں کے قائل ہی نہیں، نہ خواب کے قائل، نہ خواب کی تعبیر کے

قائل ہیں۔ یہ خیال غلط ہے۔ اس لئے کہ ابھی آپ نے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سچے خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سچے خواب مبشرات ہیں ــــ اور دوسری طرف بعض لوگ وہ ہیں۔ جو خوابوں ہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں، اور خواب، ہی کو مدار نجات اور مدار فضیلت سمجھتے ہیں، اگر کسی نے اچھا خواب دیکھ لیا تو بس، اسکے معتقد ہو گئے، اور اگر کسی نے اپنے بارے میں اچھا خواب دیکھ لیا تو وہ اپنا ہی معتقد ہو گیا کہ میں اب پہنچا ہوا بزرگ ہو گیا ہوں ــــ یہ خواب تو سونے کی حالت میں ہوتا ہے۔ لیکن بعض اوقات اللہ تعالیٰ بیداری کی حالت میں کچھ چیزیں دکھاتے ہیں۔ جس کو "کشف" کہتے ہیں۔ چنانچہ اگر کسی کو کشف ہو گیا تو لوگ اسی کو سب کچھ سمجھ بیٹھے کہ یہ بہت بڑا بزرگ آدمی ہے۔ اب چاہے بیداری کے اندر اس کے حالات سنت کے مطابق نہ بھی ہوں۔ خوب سمجھ لیجئے کہ انسان کی فضیلت کا اصل معیار خواب اور کشف نہیں۔ بلکہ اصل معیار یہ ہے کہ اس کی بیداری کی زندگی سنت کے مطابق ہے یا نہیں؟ بیداری کی حالت میں وہ گناہوں سے پرہیز کر رہا ہے یا نہیں؟ بیداری کی حالت میں وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر رہا ہے یا نہیں؟ اگر اطاعت نہیں کر رہا ہے تو پھر اس کو ہزار خواب نظر آئے ہوں۔ ہزار کشف ہوئے ہوں۔ ہزار کرامتیں اس کے ہاتھ پر صادر ہوئی ہوں۔ وہ معیار فضیلت نہیں۔ آج کل اس معاملے میں بڑی سخت گمراہی پھیلی ہوئی ہے۔ پیری مریدی کے ساتھ اس کو لازم سمجھ لیا گیا ہے۔ ہر وقت لوگ خوابوں اور کشف و کرامات ہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔

خواب کی حیثیت

حضرت محمد بن سیرین رحمتہ اللہ علیہ جو بڑے درجے کے تابعین میں سے ہیں، اور خواب کی تعبیر میں امام ہیں۔ پوری امت محمدیہ میں ان سے بڑا عالم خواب کی صحیح تعبیر دینے والا شاید کوئی اور پیدا نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو خواب کی تعبیر دینے میں ایک خاص ملکہ عطا فرمایا تھا۔ ان کے بڑے عجیب و غریب واقعات مشہور ہیں۔ لیکن ان کا ایک اتنا پیارا چھوٹا جملہ ہے۔ جو یاد رکھنے کے قابل ہے، وہ جملہ خواب کی حقیقت واضح کرتا ہے، فرمایا کہ:

الرؤیا تسر ولا تغر

یعنی خواب ایک ایسی چیز ہے جس سے انسان خوش ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اچھا خواب دکھایا۔ لیکن خواب کسی انسان کو دھوکے میں نہ ڈالے، اور وہ یہ نہ سمجھے کہ میں بہت پہنچا ہوا ہو گیا، اور اس کے نتیجے میں بیداری کے اعمال سے غافل ہو جائے۔

حضرت تھانوی اور تعبیر خواب

حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ سے بہت سے لوگ خواب کی تعبیر پوچھتے کہ میں نے یہ خواب دیکھا۔ میں نے یہ خواب دیکھا، حضرت تھانویؒ عام طور پر جواب میں یہ شعر پڑھتے کہ:

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
من غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

یعنی نہ تو میں رات ہوں اور نہ رات کو پوجنے والا ہوں کہ خواب کی باتیں کروں، اللہ تعالیٰ نے تو مجھے آفتاب سے نسبت عطا فرمائی ہے۔ یعنی آفتاب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے، اس لئے میں تو اسی کی بات کہتا ہوں ــــ بہر حال خواب کتنے ہی اچھے آ جائیں، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، وہ مبشرات ہیں، ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی وقت اس کی برکت عطا فرما دے، لیکن محض خواب کی وجہ سے بزرگی اور فضیلت کا فیصلہ نہیں کرنا چاہئے۔

حضرت مفتی صاحبؒ اور مبشرات

میرے والد ماجد رحمہ اللہ علیہ کے بارے میں بیسیوں افراد نے خواب دیکھے۔ مثلاً خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے والد ماجدؒ کی شکل میں دیکھا ــ یہ اور اس قسم کے دوسرے خواب بے شمار افراد نے دیکھے، چنانچہ جب لوگ اس قسم کے خواب لکھ کر بھیجتے تو حضرت والد صاحب رحمہ اللہ علیہ اس کو اپنے پاس محفوظ رکھ لیتے، اور ایک رجسٹر جس پر یہی عنوان تھا "مبشرات" یعنی خوشخبری دینے والے خواب، اس رجسٹر میں نقل کرا دیتے تھے، لیکن اس رجسٹر کے پہلے صفحے پر اپنے قلم سے یہ نوٹ لکھا تھا کہ:

"اس رجسٹر میں ان خوابوں کو نقل کر رہا ہوں جو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں نے میرے بارے میں دیکھے ہیں۔ اس غرض سے نقل کر رہا ہوں کہ بہرحال، یہ مبشرات ہیں، فال نیک ہیں، اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے میری اصلاح فرما دے۔ لیکن میں سب پڑھنے والوں کو متنبہ کر رہا ہوں کہ آگے جو خواب ذکر کئے جا رہے ہیں۔ یہ ہرگز مدار فضیلت نہیں، اور ان کی بنیاد پر میرے بارے میں فیصلہ نہ کیا جائے، بلکہ اصل مدار بیداری کے افعال واقوال ہیں، لہٰذا اس کی وجہ سے آدمی دھوکے میں نہ پڑے۔"

یہ آپ نے اس لئے لکھ دیا کہ کوئی پڑھ کہ دھوکہ نہ کھائے۔ بس یہ حقیقت ہے خواب کی۔ **بس** جب انسان **اچھا** خواب دیکھے تو اللہ تعالیٰ کا **شکر** ادا کرے۔ اور دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ **اس کو** میرے **حق** میں باعث برکت بنا دے۔ **لیکن** اس کی وجہ سے دھوکے میں مبتلا نہ ہو، نہ دوسرے کے بارے میں، اور نہ اپنے بارے میں بس، خواب کی حقیقت اتنی ہی ہے ــــــ اسی خواب سے متعلق دو تین احادیث اور ہیں۔ جن کے بارے میں اکثر و بیشتر لوگوں کو معلومات نہیں ہیں۔ جس کی وجہ سے غلط فہمی میں پڑے رہتے ہیں۔ اس لئے ان احادیث کو بھی پڑھ لینا مناسب اور ضروری ہے۔

شیطان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں نہیں آسکتا

"عن ابی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من رآنی فی المنام فقد رآنی لا يتمثل الشيطان بی"

(صحیح مسلم، کتاب الرؤیا، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: من رآنی فی المنام)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے مجھے خواب میں دیکھا، (یعنی جس نے خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی) تو اس نے مجھ ہی کو دیکھا۔ کیونکہ شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا ــــــ اگر کسی شخص کو اللہ تعالیٰ خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی سعادت عطا فرما دے تو یہ بڑی عظیم سعادت ہے، اور اس کی خوش نصیبی کا

کیا ٹھکانہ ہے ــــ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معروف حلیے کے مطابق دیکھے جو احادیث کے ذریعہ ثابت ہے تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیکھتا ہے، شیطان یہ دھوکہ نہیں دے سکتا کہ معاذ اللہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارک میں آجائے۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں اپنی زیارت کی خصوصیت بیان فرمادی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت عظیم سعادت

الحمدللہ، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بہت سے لوگوں کو یہ سعادت عطا فرما دیتے ہیں، اور انہیں خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جاتی ہے۔ یہ بڑی عظیم نعمت اور عظیم سعادت ہے۔ لیکن اس معاملے میں ہمارے بزرگوں کے ذوق مختلف رہے ہیں۔ ایک ذوق تو یہ ہے کہ اس سعادت کے حصول کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور ایسے عمل کئے جاتے ہیں جس سے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جائے اور بزرگوں نے ایسے خاص خاص عمل لکھے ہیں۔ مثلاً یہ کہ جمعہ کی شب میں اتنی مرتبہ درود شریف پڑھنے کے بعد فلاں عمل کر کے سوئے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہونے کی توقع اور امید ہوتی ہے، اس قسم کے بہت سے اعمال مشہور ہیں۔ بعض حضرات کا ذوق اور مذاق یہ ہے، اب اگر کوئی شخص اس ذوق کے پیش نظر خواب میں زیارت کی کوشش کرنا چاہے تو کر لے، اور اس سعادت سے سرفراز ہو جائے۔

زیارت کی اہلیت کہاں؟

لیکن دوسرے بعض حضرات کا ذوق کچھ اور ہے۔ مثلاً میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ کے پاس ایک صاحب آیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آکر کہنے لگے کہ طبیعت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا بہت شوق ہو رہا ہے۔ کوئی ایسا عمل بتا دیجئے، جس کے نتیجے میں یہ نعمت حاصل ہو جائے، اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت خواب میں ہو جائے۔ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ. بھائی، تم بڑے حوصلے والے آدمی ہو کہ تم اس بات کی تمنا کرتے ہو کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم

کی زیارت ہو جائے۔ ہمیں یہ حوصلہ نہیں ہوتا کہ یہ تمنا بھی کریں۔ اس لئے کہ ہم کہاں؟ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کہاں؟ اس لئے کبھی اس قسم کے عمل سیکھنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ اور نہ کبھی یہ سوچا کہ ایسے عمل سیکھے جائیں۔ جن کی وجہ سے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جائے۔ اس لئے کہ اگر زیارت ہو جائے تو ہم اس کے آداب، اس کے حقوق، اس کے تقاضے کس طرح پورے کریں گے؟ اس لئے خود سے اس کے حصول کی کوشش نہیں کی، البتہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے خود ہی زیارت کرادیں تو یہ ان کا انعام ہے، اور جب خود کرائیں گے تو پھر اس کے آداب کی بھی توفیق بخشیں گے۔ لیکن خود سے ہمت نہیں ہوتی، البتہ جس طرح ایک مومن کے دل میں آرزو ہوتی ہے، اس طرح کی آرزو دل میں ہے۔ لیکن **زیارت کی کوشش کرنا** بڑی ہمت اور حوصلہ والوں کا کام ہے۔ مجھے تو حوصلہ ہوتا نہیں ہے ـــــ بہر حال اس سلسلے میں ذوق مختلف رہے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب اور روضہ اقدس کی زیارت

میں نے اپنے والد صاحب کا یہ واقعہ آپ کو پہلے بھی سنایا تھا کہ جب روضہ اقدس پر حاضر ہوتے تو کبھی روضہ اقدس کی جالی تک پہنچ ہی نہیں پاتے تھے، بلکہ ہمیشہ یہ دیکھا کہ جالی کے سامنے ایک ستون ہے۔ اس ستون سے لگ کر کھڑے ہو جاتے، اور جالی کا بالکل سامنا نہیں کرتے تھے۔ بلکہ وہاں اگر کوئی آدمی کھڑا ہوتا تو اس کے پیچھے جا کر کھڑے ہو جاتے اور ایک دن خود ہی فرمانے لگے کہ: ایک مرتبہ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید تو بڑا شقی القلب آدمی ہے۔ یہ اللہ کے بندے ہیں، جو جالی کے قریب تک پہنچ جاتے ہیں، اور قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جتنا بھی قرب حاصل ہو جائے۔ وہ نعمت ہی نعمت ہے، لیکن میں کیا کروں کہ میرا قدم آگے بڑھتا ہی نہیں۔ شاید کچھ شقاوت قلب ہے۔ فرماتے ہیں کہ وہاں کھڑے کھڑے میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا۔ مگر اس کے بعد فوراً یہ محسوس ہوا جیسا کہ روضہ اقدس سے یہ آواز آرہی ہے کہ:

جو شخص ہماری سنتوں پر عمل کرتا ہے، وہ ہم سے قریب ہے،
خواہ ہزاروں میل دور ہو، اور جو شخص ہماری سنتوں پر عمل نہیں

کرتا، وہ ہم سے دور ہے، چاہے وہ ہماری جالیوں سے چمٹا ہوا ہو۔

اصل مدار بیداری کے اعمال ہیں

بہرحال، اصل دولت ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا اتباع، اللہ تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ـــــ بیداری کی حالت میں ان کی سنتوں کی توفیق ہو جائے، یہ ہے اصل نعمت، اصل دولت، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل قرب یہی ہے، لیکن اگر سنتوں پر عمل نہیں اور روضہ اقدس کی جالیوں سے چمٹا کھڑا ہے اور زیارت کی کوشش کر رہا ہے تو ہمارے خیال میں یہ بڑی جسارت ہے، اس لئے اصل فکر اس کی ہونا چاہئے کہ سنت کی اتباع ہو رہی ہے یا نہیں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں زندگی میں داخل ہو رہی ہیں یا نہیں؟ اس کی فکر کرو۔ خوابوں کے پیچھے بہت زیادہ پڑنا مطلوب اور مقصود نہیں، البتہ اگر حاصل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ لیکن اس پر نجات کا مدار نہیں۔ کیونکہ غیر اختیاری معاملہ ہے۔ ہمارے طبقے میں ایک بڑی تعداد ہے جو خوابوں ہی کے پیچھے پڑی ہے۔ دن رات یہی فکر ہے کہ کوئی اچھا خواب آ جائے۔ اسی کو منتہاء مقصود سمجھا ہوا ہے۔ حالانکہ یہ بات درست نہیں۔ اس لئے کہ پھر یہ ہوتا ہے کہ جب کبھی کوئی اچھا خواب اپنے بارے میں دیکھ لیا تو بس یہ سمجھا کہ اب میں کہیں سے کہیں پہنچ گیا ہوں۔ خوب سمجھ لیں کہ خواب اپنی ذات میں نہ تو کسی کا درجہ بلند کرتا ہے، اور نہ اجر و ثواب کا موجب ہوتا ہے، بلکہ اصل مدار بیداری کے اعمال پر ہے۔ یہ دیکھو کہ تم بیداری میں کیا عمل کر رہے ہو۔

اچھا خواب دھوکے میں نہ ڈالے۔

لہٰذا اگر کسی شخص نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت میں پھر رہا ہوں، اور جنت کے باغات اور محلات کی سیر کر رہا ہوں، تو یہ بڑی اچھی بشارت ہے، لیکن اس کی وجہ سے اس دھوکہ میں نہ آئے کہ میں تو جنتی ہو گیا۔ لہٰذا اب مجھے کسی عمل اور کوشش کی حاجت

اور ضرورت نہیں ــــــ یہ خیال غلط ہے۔ بلکہ اگر کوئی شخص اچھا خواب دیکھنے کے بعد اعمال کے اندر اور زیادہ اتباع کا اہتمام کرنے لگتا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ خواب اچھا اور سچا تھا اور بشارت والا تھا۔ اور اس سے اس نے غلط نتیجہ نہیں نکالا ــــ لیکن اگر خدانہ کرے۔ یہ ہوا کہ خواب دیکھنے کے بعد اعمال چھوڑ بیٹھا، اور اعمال کی طرف سے غفلت ہوگئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خواب نے اس کو دھوکے میں ڈال دیا۔

خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی بات کا حکم دینا

یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ اگر خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو گئی تو اس کا حکم یہ ہے کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جو کوئی مجھے خواب میں دیکھتا ہے تو مجھے ہی دیکھتا ہے۔ اس لئے کہ شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا۔ لہٰذا اگر خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو، اور وہ کوئی ایسا کام کرنے کو کہیں جو شریعت کے دائرے میں ہے، مثلاً فرض ہے یا واجب ہے، یا سنت ہے، یا مباح ہے، تو پھر اس کو اہتمام سے کرنا چاہئے، اس لئے جو کام شریعت کے دائرے میں ہے، اس کے کرنے کا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکم فرمارہے ہیں تو وہ خواب سچا ہوگا، اس کام کا کرنا ہی اس کے حق میں مفید ہے، اور اگر نہیں کرے گا تو بعض اوقات اس کے حق میں بے برکتی شدید ہو جاتی ہے۔

خواب حجت شرعی نہیں

لیکن اگر خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایسی بات کا حکم دیں جو شریعت کے دائرے میں نہیں ہے۔ مثلاً خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، اور ایسا محسوس ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی بات کا حکم فرمایا جو شریعت کے ظاہری احکام کے دائرے میں نہیں ہے، تو خوب سمجھ لیجئے کہ اس خواب کی وجہ سے وہ کام کرنا جائز نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ ہمارے دیکھے ہوئے خواب کی بات کو اللہ تعالیٰ نے مسائل شریعت میں حجت نہیں بنایا، اور جو ارشادات حضور صلی اللہ علیہ وسلم

سے قابل اعتماد واسطوں سے ہم تک پہنچے ہیں، وہ حجت ہیں۔ ان پر عمل کرنا ضروری ہے۔ خواب کی بات پر عمل کرنا ضروری نہیں ـــــ کیونکہ یہ بات تو صحیح ہے کہ شیطان، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارکہ میں نہیں آسکتا، لیکن بسا اوقات خواب دیکھنے والے کے ذاتی خیالات اس خواب کے ساتھ مل کر گڈمڈ ہو جاتے ہیں، اور اس کی وجہ سے اس کو غلط بات یاد رہ جاتی ہے، یا سمجھنے میں غلطی ہو جاتی ہے، اس لئے ہمارے خواب حجت نہیں۔

خواب کا ایک عجیب واقعہ

ایک قاضی تھے، لوگوں کے درمیان فیصلے کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک مقدمہ سامنے آیا، اور مقدمہ کے اندر گواہ پیش ہوئے، اور شریعت کے مطابق گواہوں کی جانچ پڑتال کا جو طریقہ ہے، وہ پورا کر لیا، اور آخر میں مدعی کے حق میں فیصلے کرنے کا دل میں ارادہ بھی ہو گیا، لیکن قاضی صاحب نے کہا کہ اس فیصلے کا اعلان کل کریں گے۔ یہ خیال ہوا کہ کل تک ذرا اور سوچ لوں گا، لیکن جب رات کو سوئے تو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ اور جب صبح بیدار ہوئے تو ایسا یاد آیا کہ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے تھے کہ جو تم فیصلہ کرنے کا ارادہ کر رہے ہو۔ یہ فیصلہ غلط ہے۔ یہ فیصلہ یوں کرنا چاہئے، ـــــ اب اٹھ کر جو غور کیا تو جس طریقے سے فیصلہ کرنے کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، وہ کسی طرح شریعت کے دائرے میں فٹ نہیں ہوتا۔ اب بڑے پریشان ہوئے کہ ظاہری طور پر شریعت کا جو تقاضہ ہے، اس کے لحاظ سے تو یہ فیصلہ اس طرح ہونا چاہئے، لیکن دوسری طرف خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ یوں فیصلہ کرو ـــــ اب معاملہ بڑا سنگین ہو گیا اور یہ جو مقدمہ کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ یہ بڑی سنگین ذمہ داری ہے۔ جن لوگوں پر گزرتی ہے، وہی اس کو جانتے ہیں، راتوں کی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں۔

چنانچہ قاضی صاحب نے خلیفہ وقت سے جا کر بتایا کہ اس طرح سے یہ مقدمہ پیش آ گیا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں اس طرح فیصلہ کرنے کو فرمایا۔ آپ علماء کو جمع فرمائیں، تاکہ اس کے بارے میں ان سے مشورہ ہو جائے۔ چنانچہ

سارے شہر کے علماء جمع ہوئے، اور ان کے سامنے یہ مسئلہ رکھا گیا کہ اس طرح سے مقدمہ درپیش ہے۔ ظاہری طور پر شریعت کا تقاضہ یہ ہے۔ لیکن دوسری طرف خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے۔ اب کیا کیا جائے! علماء نے فرمایا کہ واقعتہً یہ معاملہ بڑا سنگین ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، اور شیطان آپ کی صورت مبارکہ میں آ نہیں سکتا، لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر عمل کرنا چاہئے

...... لیکن اس زمانے کے ایک بزرگ جو اپنی صدی کے مجدد کہلاتے تھے۔ حضرت شیخ عزالدین ابن عبدالسلام رحمہ اللہ علیہ، وہ بھی مجلس میں حاضر تھے وہ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ میں پورے جزم اور وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کے شریعت کے قاعدے کے مطابق آپ جو فیصلہ کرنے جارہے ہیں، وہی فیصلہ کیجئے اور سارا گناہ ثواب میری گردن پر ہے۔ خواب کی بات پر فیصلہ کرنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ خواب میں ہزاروں احتمالات ہو سکتے ہیں۔ خدا جانے اپنے دل کی کوئی بات اس میں آگئی ہو۔ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارکہ میں شیطان نہیں آسکتا، لیکن ہو سکتا ہے کہ بیداری کے بعد شیطان نے کوئی وسوسہ ڈال دیا ہو۔ کوئی غلط بات دل میں آگئی ہو۔ شریعت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیداری میں سنے ہوئے ارشادات کے مقابلے میں ہمارے خواب کو حجت قرار نہیں دیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ارشادات ہم تک سند متصل کے ساتھ پہنچے ہیں۔ وہی ہمارے لئے حجت ہیں۔ ہمیں انہی پر عمل کرنا ہے۔ آپ بھی اس پر عمل کیجئے، اور گناہ ثواب میری گردن پر ہے۔

خواب اور کشف وغیرہ سے شرعی حکم نہیں بدل سکتا

یہ اللہ کے بندے ہوتے ہیں۔ جو اس قوت کے ساتھ کہہ سکتے ہیں ورنہ یہ بات کہنا آسان کام نہیں تھا کہ "گناہ ثواب میری گردن پر" جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ اس دین کی صحیح تشریح کے لئے اور اس دین کے تحفظ کے لئے بھیجتے ہیں۔ ان سے ایسی باتیں کرا دیتے ہیں، اگر ایک مرتبہ یہ اصول مان لیا جاتا کہ خواب سے بھی شریعت بدل سکتی ہے تو پھر شریعت کا کوئی ٹھکانہ نہ رہتا، ایک سے ایک خواب لوگ دیکھ لیتے اور آکر بیان کر دیتے، آج آپ دیکھیں کہ یہ جتنے جاہل پیر ہیں۔ جو بدعات میں مبتلا ہیں۔ وہ انہی

خوابوں کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ کوئی خواب دیکھ لیا، یا کشف ہو گیا۔ الہام ہو گیا، اور اس کی بنیاد پر شریعت کے خلاف عمل کر لیا، خواب تو خواب ہے۔ اگر کسی کو کشف ہو جائے جو جاگتے اور بیداری کی حالت میں ہوتا ہے، اس میں آواز آتی ہے، اور وہ آواز کانوں کو سنائی دیتی ہے، لیکن اس کے باوجود کشف شریعت میں حجت نہیں، کوئی شخص کتنا ہی پہنچا ہوا عالم یا بزرگ ہو، اس نے اگر خواب دیکھ لیا، یا اس کو کوئی کشف یا الہام ہو گیا، وہ بھی شرعی احکام کے مقابلے میں حجت نہیں ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ کا ایک واقعہ

حضرت مولانا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ جو رئیس الاولیاء ہیں۔ ایک مرتبہ رات کو عبادت میں مشغول تھے۔ تہجد کا وقت ہے شیخ عبدالقادر جیسا ولی اللہ عبادت کر رہا ہے، اس وقت ایک زبردست نور چمکا اور اس نور میں سے یہ آواز آئی کہ اے عبدالقادر، تو نے ہماری عبادت کا حق ادا کر دیا۔ اب تو اس مقام پر پہنچ گیا کہ آج کے بعد ہماری طرف سے تم پر کوئی عبادت فرض و واجب نہیں، نماز تیری معاف، تیرا روزہ معاف، تیرا حج اور تیری زکوٰۃ معاف۔ اب تو جس طرح چاہے، عمل کر، ہم نے تمہیں جنتی بنا دیا ــــ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ علیہ نے سنتے ہی فوراً جواب میں فرمایا کہ: "مردود، دور ہو جا۔ یہ نماز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے تو معاف نہیں ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام سے تو معاف نہیں ہوئی، مجھ سے کیسے معاف ہو جائے گی؟ دور ہو جا" یہ کہہ کر شیطان کو دور کر دیا، اس کے بعد ایک اور نور چمکا، جو پہلے نور سے بھی بڑا نور تھا اس میں سے آواز آئی کہ: عبدالقادر، تیرے علم نے آج تجھے بچا لیا۔ ورنہ یہ وہ داؤ ہے، جس سے میں نے بڑوں بڑوں کو ہلاک کر دیا ہے، اگر تیرے پاس علم نہ ہوتا تو ہلاک ہو چکا ہوتا، حضرت شیخ نے فرمایا کہ: مردود، دوبارہ بہکاتا ہے، میرے علم نے مجھے نہیں بچایا، میرے اللہ نے مجھے بچایا ہے ــــ عارفین فرماتے ہیں کہ یہ دوسرا داؤ پہلے داؤ سے زیادہ سنگین تھا۔ اس لئے کہ اس وقت شیطان نے ان کے اندر علم کا ناز پیدا کرنا چاہا تھا۔ کہ تمہارے علم اور تقویٰ نے تمہیں بچا لیا۔ لیکن آپ نے اس کو بھی رد کر دیا۔

خواب کے ذریعہ حدیث کی تردید جائز نہیں

بھائی، یہ راستہ بڑا خطرناک ہے، آجکل خاص طور پر جس طرح کا مذاق بنا ہوا ہے کہ لوگ خواب، کشف، کرامات اور الہامات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھے بغیر کہ شریعت کا تقاضہ کیا ہے؟ اچھے خاصے دیندار اور پڑھے لکھے لوگوں نے یہ دعویٰ کرنا شروع کر دیا کہ مجھے یہ کشف ہوا ہے کہ فلاں حدیث صحیح نہیں ہے، اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی فلاں حدیث یہودیوں کی گھڑی ہوئی ہے، اور مجھے یہ بات کشف کے ذریعہ معلوم ہوئی ہے ـــــ اگر اس طریقے سے کشف ہونے لگے تو دین کی بنیادیں ہل جائیں۔ اللہ تعالیٰ ان علماء کو غریق رحمت کرے، جن کو درحقیقت اللہ تعالیٰ نے دین کا محافظ بنایا، یہ دین کے چوکیدار ہیں۔ لوگ ان پر ہزار لعنتیں، ملامتیں کریں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو دین کا محافظ اور نگہبان بنایا، تاکہ کوئی دین پر حملہ نہ کر سکے۔ اور دین میں تحریف نہ ہو۔ چنانچہ ان علماء نے صاف صاف کہہ دیا کہ چاہے خواب ہو۔ یا کشف ہو۔ یا کرامت ہو۔ ان میں سے کوئی چیز بھی دین میں حجت نہیں، وہ چیزیں حجت ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بیداری کے عالم میں ثابت ہیں۔ کبھی خواب، کشف اور الہام اور کرامت کے دھوکے میں مت آنا، حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحیح کشف تو دیوانوں، بلکہ کافروں کو بھی ہو جاتا ہے، اس لئے کبھی اس دھوکے میں مت آنا کہ نور نظر آگیا، یا دل چلنے لگا۔ یا دل دھڑکنے لگا وغیرہ۔ اس لئے کہ یہ سب چیزیں ایسی ہیں کہ شریعت میں ان چیزوں پر فضیلت کا کوئی مدار نہیں۔

خواب دیکھنے والا کیا کرے؟

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اچھا خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے، اور برا خواب شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ لہٰذا جو شخص خواب میں کوئی ایسی چیز دیکھے جو ناگوار ہو، تو بائیں جانب تین مرتبہ تھتکار دے، اور "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" پڑھ لے، جس کروٹ پر خواب دیکھا تھا، اس کی جگہ دوسری کروٹ بدل لے، پھر یہ خواب انشاء اللہ اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا ـــــ مثلاً بعض اوقات انسان کچھ ڈراؤنے خواب دیکھ لیتا ہے، یا

کوئی برا واقعہ دیکھ لیتا ہے تو ایسے موقع کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرما دی کہ جیسے ہی آنکھ کھلے، فوراً یہ عمل کرے، اور اگر کوئی اچھا خواب دیکھے۔ مثلاً اپنے بارے میں کوئی دینی یا دینوی ترقی دیکھی، تو اس صورت میں اپنے جاننے والے اور اپنے محبت کرنے والوں کے سامنے اس خواب کا تذکرہ کرے، دوسروں کو نہ بتائے، کیونکہ بعض اوقات ایک آدمی وہ خواب سن کر اس کی الٹی سیدھی تعبیر بیان کر دیتا ہے، جس کی وجہ سے اس اچھے خواب کی تعبیر اس کے مطابق ہو جاتی ہے، اس لئے اپنے محبت کرنے والوں کو وہ خواب بتائے، اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

(صحیح بخاری، کتاب التعبیر، باب الرؤیا الصالحۃ، حدیث نمبر ۶۹۸۶)

خواب بیان کرنے والے کے لئے دعا کرنا

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے خواب دیکھا ہے، اور پھر وہ اپنا خواب بیان کرنے لگے تو ایسے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب کوئی شخص آکر بتاتا کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھتے:

"خیرًا تلقاہ وشرًا توقاہ، خیر لنا وشر لاعدائنا"

یعنی اللہ تعالیٰ اس خواب کی خیر تم کو عطا فرمائے، اور اس کے شر سے تمہاری حفاظت فرمائے، اور خدا کرے کہ یہ خواب ہمارے لئے اچھا ہو، اور ہمارے دشمنوں کے لئے برا ہو، اس دعا میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری باتیں جمع فرما دیں، آپ حضرات بھی اس کا معمول بنالیں کہ جب بھی کوئی شخص آکر اپنا خواب بیان کرے تو اس کے لئے یہ دعا کریں، اگر عربی میں یاد نہ ہو تو اردو ہی میں کر لیں ــــــ یہ ہیں خواب کے آداب، اور خواب کی حیثیت، بس ان باتوں کو ذہن میں رکھنا چاہئے، ــــــ لوگوں میں ت سی فضولیات خواب کے بارے میں پھیلی ہوئی ہیں، ان سے اپنے آپ کو بچانا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے، اور دین پر صحیح طریقے سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

سستی کا علاج

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱- لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب :

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۵

صفحات :

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

سستی کا علاج

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادى له، واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان سيدنا وسندنا ونبينا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ آله واصحابه وبارك وسلم تسليمًا كثيرًا كثيرًا اما بعد:

اما بعد! فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمٰن الرحيم
وَالَّذِيۡنَ جَاهَدُوۡا فِيۡنَا لَنَهۡدِيَنَّهُمۡ سُبُلَنَا، وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ (العنکبوت: ٦٩)
آمنت بالله صدق الله مولانا العظيم،

سستی کا مقابلہ "ہمت" سے کرے

میں پچھلے دنوں رنگون اور برما کے بعض دوسرے شہروں کے سفر پر تھا۔ مسلسل دس بارہ روز سفر میں گزرے۔ متواتر بیانات کا سلسلہ رہا: ایک ایک دن میں بعض اوقات چار چار، پانچ پانچ بیانات ہوئے، اس لئے آواز بیٹھی ہوئی ہے، اور طبیعت میں تکان بھی ہے، اور اتفاق سے کل دوبارہ حرمین شریفین کا سفر درپیش ہے، اس لئے آج طبیعت سستی کر رہی تھی، اور یہ خیال ہو رہا تھا کہ جب پچھلے جمعہ ناغہ ہو گیا تھا تو ایک جمعہ اور سہی لیکن اپنے حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ کی ایک بات یاد آگئی۔ وہ یہ کہ ایک

مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

> جب کسی معمول کے پورا کرنے میں سستی ہو رہی ہو، تو وہی موقع انسان کے امتحان کا ہے، اب ایک صورت تو یہ ہے کہ اس سستی کے آگے ہتھیار ڈال دے، اور نفس کی بات مان لے۔ تو پھر اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ آج ایک معمول میں ہتھیار ڈالے۔ کل کو نفس دوسرے معمول میں ہتھیار ڈلوائے گا، اور پھر آہستہ آہستہ طبیعت اس سستی کے تابع اور اس کی عادی ہو جائے گی ____
>
> اور دوسری صورت یہ ہے کہ انسان اس سستی کا ہمت سے مقابلہ کر کے اس معمول کو کر گزرے، محنت اور مشقت کر کے زبردستی اس کام کو کرے، تو پھر اس محنت اور مشقت اور مقابلہ کرنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ آئندہ بھی معمولات کے پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں گے"

حاصل تصوف "دو باتیں"

اور ایسے موقع ہمارے حضرت والا حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ سنایا کرتے تھے۔ حقیقت میں یہ ملفوظ یاد رکھنے، بلکہ دل پر نقش کرنے کے قابل ہے، حضرت تھانوی ؒ فرمایا کرتے تھے کہ:

> "وہ ذرا سی بات جو حاصل ہے تصوف کا، یہ ہے کہ جس وقت کسی طاعت کی ادائیگی میں سستی ہو، تو اس سستی کا مقابلہ کر کے اس طاعت کو کرے، اور جس وقت کسی گناہ کا داعیہ (تقاضا) پیدا ہو، تو اس داعیے (تقاضے) کا مقابلہ کر کے اس گناہ سے بچے، جب یہ بات حاصل ہو جائے تو پھر کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔ اسی سے تعلق مع اللہ پیدا ہوتا ہے۔ اسی سے مضبوط ہوتا ہے، اور اسی سے ترقی کرتا ہے"

بہرحال، سستی دور کرنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے، یعنی اس سستی کا ہمت سے مقابلہ کرنا، لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شیخ کوئی نسخہ گھول کر پلا دے گا تو ساری سستی دور ہو جائے گی،

اور سب کام ٹھیک ہوتے چلے جائیں گے ـــــ یاد رکھو کہ سستی کا مقابلہ ہمت سے ہی ہوگا، اس کا اور کوئی علاج نہیں۔

نفس کو بہلا پھسلا کر اس سے کام لو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ نفس کو ذرا بہلا پھسلا کہ اس سے کام لیا کرو ـــ پھر اپنا ایک واقعہ سنایا کہ ایک دن جب تہجد کے وقت آنکھ کھلی تو طبیعت میں بڑی سستی اور کسل تھا۔ دل میں خیال آیا کہ آج تو طبیعت بھی پوری طرح ٹھیک نہیں ہے۔ کسل بھی ہے، اور عمر بھی تمہاری زیادہ ہے ـــــ اور تہجد کی نماز کوئی فرض و واجب بھی نہیں ہے، پڑے سوتے رہو۔ اگر آج تہجد کی نماز نہیں پڑھی تو کیا ہو جائے گا؟

حضرت والا فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ بات تو ٹھیک ہے کہ تہجد کی نماز فرض و واجب بھی نہیں ہے، اور دوسری طرف طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے ـــــ لیکن یہ وقت تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت کا وقت ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب رات کا ایک تہائی حصہ گزر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتیں اہل زمین پر متوجہ ہوتی ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے منادی پکارتا رہتا ہے کہ، ہے کوئی مغفرت مانگنے والا کہ اس کی مغفرت کی جائے ـــــ لہٰذا ایسے مبارک وقت کو بے کار گزارنا بھی ٹھیک نہیں۔ پھر اپنے نفس سے مخاطب ہو کر کہا کہ اچھا ایسا کرو کہ نماز مت پڑھو، لیکن اٹھ کر بستر پر ہی بیٹھ جاؤ، اور تھوڑی سی دعا کرو۔ دعا کر کے پھر دوبارہ سو جانا ـــ چنانچہ میں فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور دعا کرنی شروع کر دی، اب دعا کرتے کرتے پھر نفس سے کہا کہ میاں! جب تم اٹھ کر بیٹھ گئے تو تمہاری نیند تو چلی گئی، اب ایسا کرو کہ غسل خانے تک چلے جاؤ، اور استنجاء وغیرہ سے فارغ ہو جاؤ۔ پھر آرام سے آکر لیٹ جانا، چنانچہ میں غسل خانے میں پہنچ گیا، اور استنجاء وغیرہ سے فارغ ہو گیا تو سوچا کہ چلو وضو بھی کر لو، اس لئے وضو کر کے دعا کرنے میں قبولیت کی توقع زیادہ ہے۔ چنانچہ وضو کر لیا، اور واپس بستر پر آکر بیٹھ گیا، اور دعا شروع کر دی۔ پھر نفس سے کہا کہ یہ بستر پر بیٹھ کر کیا دعا ہو رہی ہے، دعا کرنے کی جو

تمہاری جگہ ہے، جائے نماز، وہاں جاکر دعاکر لو۔ یہ کہہ کر نفس کو جائے نماز تک کھینچ کر لے گیا، اور جب جائے نماز پر پہنچا تو جلدی سے دو رکعت تہجد کی نیت باندھ لی۔

پھر فرمایا کہ اس طرح نفس کو تھوڑا سا بہلاوا دے دے کر بھی لانا پڑتا ہے، اور جس طرح یہ نفس تمہارے ساتھ نیک کام کو ٹلانے کا معاملہ کرتا ہے۔ اسی طرح تم بھی اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا کرو، اور اس کو کھینچ کھینچ لے جایا کرو۔ انشاء اللہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ پھر اس عمل کی توفیق عطا فرما دیں گے۔

اگر صدر مملکت کی طرف سے بلاوا آجائے

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم نے اپنا یہ معمول بنا کر رکھا ہے کہ فلاں وقت میں تلاوت کروں گا، یا فلاں وقت میں نفل نماز پڑھوں گا۔ لیکن جب وہ وقت آیا تو طبیعت میں سستی ہو رہی ہے، اور اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا ہے تو ایسے وقت میں اپنے نفس کی ذرا تربیت کیا کرو، اور اس نفس سے کہو کہ اچھا، اس وقت تو تمہیں سستی ہو رہی ہے، اور بستر سے اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا ہے۔ لیکن یہ بتاؤ کہ اگر اس وقت صدر مملکت کی طرف سے یہ پیغام آجائے کہ ہم تمہیں بہت بڑا انعام، یا بہت بڑا منصب یا عہدہ دینا چاہتے ہیں۔ اس لئے تم اس وقت فوراً ہمارے پاس آجاؤ ــــ بتاؤ، کیا اس وقت بھی سستی رہے گی؟ اور کیا تم پیغام لانے والے کو یہ جواب دو گے کہ میں اس وقت نہیں آسکتا۔ کیونکہ اس وقت تو مجھے نیند آرہی ہے ــــ کوئی بھی انسان جس میں ذرا بھی عقل و ہوش ہے، صدر مملکت کا یہ پیغام سن کر اس کی ساری سستی، کاہلی اور نیند دور ہو جائے گی۔ اور خوشی کے مارے فوراً انعام حاصل کرنے کے لئے بھاگ کھڑا ہو گا ــــ

لہٰذا اگر اس وقت یہ نفس اس انعام کے حصول کے لئے بھاگ پڑے گا تو اس سے معلوم ہوا کہ حقیقت میں اٹھنے سے کوئی عذر نہیں تھا۔ اگر حقیقت میں اٹھنے سے کوئی عذر ہوتا تو صدر مملکت کا پیغام سن کر نہ اٹھتے، بلکہ بستر پر پڑے رہتے ــــ اس کے بعد یہ سوچو کہ دنیا کا ایک سربراہ مملکت جو بالکل عاجز، انتہائی عاجز ہے، وہ اگر تمہیں ایک انعام یا منصب دینے کے لئے بلا رہا ہے تو تم اس کے لئے اتنا بھاگ سکتے ہو، لیکن وہ

احکم الحاکمین، جس کے قبضہ وقدرت میں پوری کائنات ہے۔ دینے والا وہی ہے۔ چھیننے والا وہی ہے۔ اس کی طرف سے بلاوا آرہا ہے تو اس کے دربار میں حاضر ہونے میں سستی کر رہے ہو؟ ــــــــ ان باتوں کا تصور کرنے سے انشاء اللہ اس کام کی ہمت ہو جائے گی، اور سستی دور ہو جائے گی۔

کل پر مت ٹالو

بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ ایک نیک عمل کا دل میں خیال پیدا ہوا، کہ یہ نیک کام کرنا چاہئے۔ لیکن پھر انسان کا نفس اس کو یہ بہکاتا ہے کہ یہ کام تو اچھا ہے، البتہ کل سے یہ کام شروع کریں گے ــــــ یاد رکھو، یہ نفس کا کید ہے۔ اس لئے کہ وہ کل پھر نہیں آتی، جو کام کرنا ہے۔ وہ آج، بلکہ ابھی شروع کر دو، کیا پتہ کہ کل آئے، یا نہ آئے، کیا معلوم کہ کل کو موقع ملے یا نہ ملے، کیا پتہ کل کو یہ داعیہ موجود رہے یا نہ رہے، کیا پتہ کل کو حالات سازگار رہیں یا نہ رہیں، اور کیا پتہ کل کو زندگی رہے یا نہ رہے۔ اس لئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ

(سورۃ آل عمران: ۱۳۳)

یعنی اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف جلدی دوڑو، دیر نہ کرو، اور اس جنت کی طرف دوڑو، جس کی چوڑائی سارے آسمان اور زمین کے برابر ہے۔

بہرحال، یہ عرض کر رہا تھا کہ آج مجھے سستی ہو رہی تھی، مگر اپنے حضرت والا کی یہ باتیں یاد آگئیں، جس کی وجہ سے آنے کی ہمت ہو گئی، اور چلا آیا ــــ

اپنے فائدے کے لئے حاضر ہوتا ہوں

دوسرے یہ کہ یہاں درحقیقت میں اپنے فائدے کے لئے حاضر ہوتا ہوں، اور میں تو یہ سوچتا ہوں کہ اللہ کے نیک بندے نیک طلب لے کر دین کی باتیں سننے کے لئے یہاں جمع ہوتے ہیں، مجھے بھی ان کی برکتیں حاصل ہو جاتی ہیں ــــ بات یہ ہے کہ جب اللہ

کے بندے دین کی خاطر کسی جگہ ہوتے ہیں، تو آپس میں ایک دوسرے پر برکتوں کا انعکاس ہوتا ہے، اس لئے میں تو ہمیشہ اس نیت سے آتا ہوں کہ نیک لوگوں کی برکتیں حاصل کروں۔

وہ لمحات زندگی کس کام کے؟

تیسرے یہ کہ حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ کی ایک بات اور یاد آگئی، یہ بات بھی میں نے حضرت والا ہی سے سنی! فرمایا کہ جب حضرت والا مرض الوفات میں بیمار اور صاحب فراش تھے۔ اور ڈاکٹروں نے آپ کو ملاقات اور بات چیت سے منع کر رکھا تھا۔ ایک دن آپ بستر پر آنکھیں بند کئے لیٹے تھے۔ لیٹے لیٹے اچانک آنکھ کھولی۔ اور فرمایا کہ مولوی محمد شفیع صاحب کہاں ہیں۔ ان کو بلاؤ ــــــــ "مولوی محمد شفیع صاحب" سے مراد میرے والد ماجد ہیں، حضرت والا نے میرے والد صاحب کو "احکام القرآن" عربی زبان میں تالیف کرنے پر لگا رکھا تھا ــــــ چنانچہ جب والد صاحب تشریف لائے تو ان سے فرمایا کہ آپ احکام القرآن لکھ رہے ہیں۔ مجھے ابھی خیال آیا کہ قرآن کریم کی فلاں آیت سے فلاں مسئلہ نکلتا ہے، یہ مسئلہ میں نے اس سے پہلے کہیں نہیں دیکھا۔ جب آپ اس آیت پر پہنچیں تو اس مسئلہ کو بھی لکھ لیجئے گا ــــــ یہ کہہ کر پھر آنکھیں بند کر کے لیٹ گئے ــ اب دیکھئے کہ مرض الوفات میں لیٹے ہیں۔ مگر دل و دماغ میں قرآن کریم کی آیات اور ان کی تفسیر گھوم رہی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر آنکھ کھولی، اور فرمایا کہ فلاں صاحب کو بلاؤ، جب وہ صاحب آگئے تو ان سے متعلق کچھ کام بتادیا۔ جب بار بار آپ نے ایسا کیا تو مولانا شبیر علی صاحب، جو حضرت کی خانقاہ کے ناظم تھے، اور حضرت والا سے بے تکلف بھی تھے۔ فرمایا کہ حضرت! ڈاکٹروں اور حکیموں نے تو بات چیت سے منع کر رکھا ہے۔ مگر آپ بار بار لوگوں کو بلا کر ان سے بات کرتے ہیں، خدا کے لئے آپ ہماری جان پر تو رحم کریں۔ ان کے جواب میں حضرت والا نے فرمایا کہ:

> "بات تو تم ٹھیک کہتے ہو، لیکن میں یہ سوچتا ہوں کہ وہ لمحات زندگی کس کام کے جو کسی کی خدمت میں صرف نہ ہوں۔ اگر کسی خدمت کے اندر یہ عمر گزر جائے تو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔"

دنیا کے مناصب اور عہدے

یہ "خادمیت" یہ بڑی عجیب ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمارے دلوں میں پیدا فرمادے۔ ہر ایک کے خادم بنو، اپنے اندر خدمت کا جذبہ پیدا کرو ــــ حضرت ڈاکٹر صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا کے تمام عہدوں کا حال یہ ہے کہ اگر انسان ان کو حاصل کرنا چاہے، تو اس کو حاصل کرنا اختیار میں نہیں ہوتا، مثلاً دل چاہ رہا ہے کہ میں "صدر مملکت" بن جاؤں، لیکن صدر مملکت بننا اپنے اختیار میں نہیں۔ یا دل چاہ رہا ہے کہ "وزیر اعظم" بن جاؤں۔ لیکن وزیر اعظم بننا اختیار میں نہیں، یا دل چاہ رہا ہے کہ اسمبلی کا صرف ممبر بن جاؤں، وہ بھی اختیار میں نہیں، یا کہیں افسر بننا چاہتا ہے۔ ملازمت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ تو اب اس کے لئے درخواست دو۔ انٹرویو دو۔ کتنے پاپڑ بیلو، اور تمام کوششیں کرنے کے بعد جب وہ منصب حاصل ہو گیا تو اب لوگ حسد کرنے لگے کہ یہ ہم سے آگے بڑھ گیا، اور ہم پیچھے رہ گئے۔ اب اس کے خلاف سازشیں ہونے لگیں کہ کسی طرح یہ منصب اور یہ عہدہ اس سے چھین لیا جائے ــــ چنانچہ اچھا خاصہ وزیر اعظم بنا ہوا تھا۔ اب ختم ہو گیا۔ عہدہ چھن گیا۔ صدر بنا ہوا تھا۔ ختم ہو گیا، تو دنیا کے سارے عہدوں اور منصبوں کا یہی حال ہے کہ نہ تو ان کا حصول اپنے اختیار میں ہے، اور اگر حاصل ہو جائے تو اس پر برقرار رہنا اپنے اختیار میں نہیں۔ پھر لوگ اس پر حسد بھی کرتے ہیں ــــ فرمایا کرتے تھے کہ

میں تمہیں ایک ایسا منفرد منصب بتاتا ہوں، جس کا حاصل کرنا بھی اپنے اختیار میں ہے، اور اگر تم وہ منصب حاصل کر لو تو کوئی شخص تمہارے اوپر حسد بھی نہیں کرے گا، اور نہ کوئی تم سے لڑے گا، اور نہ کوئی تمہیں اس سے معزول کر سکتا ہے، وہ ہے "خادم" کا منصب، تم خادم بن جاؤ، یہ منصب اپنے اختیار میں ہے، اس کے لئے درخواست دینے کی بھی ضرورت نہیں۔ نہ ووٹ ڈالنے کی ضرورت ہے۔ نہ الیکشن کی ضرورت ہے، اگر یہ منصب حاصل ہو جائے تو اس پر دوسروں کو حسد بھی نہیں ہوتا، اس لئے یہ تو کام ہی خدمت کا کر رہا ہے تو اب دوسرا شخص اس پر کیا حسد کرے گا، اور نہ کوئی شخص تمہیں اس منصب سے معزول کر سکتا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ خادم بن جاؤ ــــ کس کے خادم بن جاؤ؟ اپنے گھر والوں کے خادم بن جاؤ، گھر کا جو کام کرو۔ خدمت کی نیت سے کرو۔ اپنی بیوی کا خادم، اپنے بچوں کا خادم، اپنے دوستوں کا خادم، اور جو کوئی ملنے

والے آئیں، ان کی بھی خدمت کرو، اور اللہ کی مخلوق کی اللہ کے نیک بندوں کی خدمت کرو، جو کام بھی کرو، خدمت کی نیت سے کرو، اگر وعظ کہہ رہے ہو۔ وہ بھی خدمت کے لئے۔ تصنیف کر رہے ہو۔ وہ بھی خدمت کے لئے، اس خادمیت کے منصب کو حاصل کرو، اس لئے کہ سارے جھگڑے مخدوم بننے میں ہیں۔ اس لئے حضرت والا خود اپنے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ میں تو اپنے آپ کو خادم سمجھتا ہوں، اپنی بیوی کا بھی خادم، اپنے بچوں کا بھی خادم، اپنے مریدوں کا خادم، اپنے اہل تعلقات کا خادم، اور یہ وہ منصب ہے کہ جس میں شیطانی وساوس بھی کم ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ عجب، تکبر، بڑائی وغیرہ ان عہدوں میں پیدا ہوتی ہے، جو دنیاوی اعتبار سے بڑے سمجھے جاتے ہیں، اب خادم کے عہدے میں کیا بڑائی ہے ـــ اس لئے شیطانی وساوس بھی نہیں آتے، اس واسطے اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرو۔

بزرگوں کی خدمت میں حاضری کا فائدہ

بہرحال، میں یہ عرض کر رہا تھا کہ آج طبیعت میں سستی ہو رہی تھی۔ لیکن ہمارے حضرت والا کی یہ باتیں یاد آگئیں، اور ہمت ہو گئی، اور اللہ والوں سے تعلق قائم کرنے کا یہی فائدہ ہوتا ہے، اب معلوم نہیں کہ یہ باتیں حضرت والا نے کب کہی ہونگی، ہماری طرف سے نہ تو طلب تھی۔ نہ خواہش تھی۔ نہ کوئی کوشش تھی، مگر حضرت والا نے زبردستی کچھ باتیں کان میں ڈال دیں، اور اب وہ باتیں الحمد للہ وقت پر یاد آجاتی ہیں، اور کام بنا دیتی ہیں۔

وہ بات تمہاری ہو گئی، وقت پر یاد آجائے گی

حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ مجلس میں جو باتیں ہوتی ہیں، بعض لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ان باتوں کو یاد کرلیں۔ مگر یہ باتیں یاد نہیں ہوتیں۔ اس پر اپنا واقعہ سنایا کہ میں بھی حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ کی مجلس میں جب حاضر ہوتا تو یہ دل چاہتا کہ حضرت والا کی باتیں لکھ لیا کروں، بعض لوگ لکھ لیا کرتے تھے۔ مجھ سے تیز لکھا نہیں جاتا تھا۔ اس لئے میں لکھنے سے رہ جاتا تھا ـــ میں نے ایک دن حضرت تھانوی رحمتہ اللہ سے عرض کیا کہ

حضرت! میرا دل چاہتا ہے کہ ملفوظات لکھ لیا کروں۔ مگر لکھا جاتا نہیں، اور یاد رہتے نہیں ہیں۔ بھول جاتا ہوں۔ حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ لکھنے کی کیا ضرورت ہے، خود صاحب ملفوظ کیوں نہیں بن جاتے؟ حضرت والا فرماتے ہیں کہ میں تو تھرا گیا کہ میں کہاں صاحب ملفوظ بن سکتا ہوں۔ پھر حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ جو بات حق ہو، اور فہم سلیم پر مبنی ہو۔ صحیح فکر پر مبنی ہو۔ جب ایسی بات تمہارے کان میں پڑ گئی، اور تمہارے دل نے اسے قبول کر لیا، وہ بات تمہاری ہو گئی، اب چاہے وہ بات بعینہ انہی لفظوں میں یاد رہے یا نہ رہے، جب وقت آئے گا، انشاء اللہ اس وقت یاد آجائے گی، اور اس پر عمل کی توفیق ہو جائے گی۔

بزرگوں کی خدمت میں جانے اور ان کی باتیں سننے کا یہی فائدہ ہوتا ہے کہ وہ کان میں باتیں ڈالتے رہتے ہیں۔ ڈالتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ باتیں انسان کی طبیعت میں داخل ہو جاتی ہیں، اور پھر وقت پر یاد آجاتی ہیں،

زبردستی کان میں باتیں ڈال دیں

میں آج سوچتا ہوں کہ حضرت والد ماجد قدس اللہ سرہ، حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ، اور حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب قدس اللہ سرہ، ان تینوں بزرگوں سے میرا تعلق رہا ہے، اپنا حال تو تباہ ہی تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان بزرگوں کی خدمت میں حاضری کی توفیق عطا فرما دی، یہ ان کا فضل و کرم تھا، اب ساری عمر بھی اس پر شکر ادا کروں، تب بھی ادا نہیں ہو سکتا، یہ بزرگ کچھ باتیں زبردستی کانوں میں ڈال گئے، اپنی طرف سے جن کی نہ تو طلب تھی اور نہ خواہش اور اگر میں ان باتوں کو اب نمبروار لکھنا چاہوں جو ان بزرگوں کی مجلسوں میں سنی تھیں، تو فوری طور پر سب کا یاد آنا مشکل ہے، لیکن کسی نہ کسی موقع پر وہ باتیں یاد آجاتی ہیں۔ اور بزرگوں سے تعلق کا یہی فائدہ ہوتا ہے، اور جس طرح بزرگوں کی خدمت میں حاضری نعمت ہے، اور ان کی بات سننا نعمت ہے۔ اسی طرح ان بزرگوں کے ملفوظات۔ حالات۔ سوانح پڑھنا بھی اس کے قائم مقام ہو جاتا ہے، آج یہ حضرات موجود نہیں ہیں۔ مگر الحمد للہ سب باتیں لکھی ہوئی چھوڑ گئے ہیں۔ ان کو مطالعہ میں رکھنا چاہئے۔ یہ باتیں کام آجاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے

ہمیں ان بزرگوں کا دامن تھامے رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

”عذر“ اور ”سستی“ میں فرق

بہرحال، میں یہ عرض کر رہا تھا کہ جب بھی سستی ہو، اس سستی کا مقابلہ کرنا چاہئے، اور معمول کو پورا کرنا چاہئے، دیکھئے، ”عذر“ اور چیز ہے ”سستی“ اور چیز ہے، اگر عذر کی وجہ سے معمول چھوٹ جائے تو پھر کوئی غم نہیں۔ مثلاً بیماری کی وجہ سے معمول چھوٹ گیا۔ یا سفر کی وجہ سے معمول چھوٹ گیا، اس میں کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس پر مواخذہ نہیں کیا، بلکہ عذر کی وجہ سے رعایت دی ہے تو پھر ہم خود کون ہوتے ہیں پابندی کرانے والے؟ اس لئے کسی عذر کی وجہ سے اس کے چھوٹنے پر رنج نہیں کرنا چاہئے۔

یہ روزہ کس کے لئے رکھ رہے تھے؟

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ حضرت تھانوی کی یہ بات نقل فرماتے تھے کہ ایک شخص رمضان میں بیمار ہو گیا، اور بیماری کی وجہ سے روزہ چھوٹ گیا، اب اس کو اس بات کا غم ہو رہا ہے کہ رمضان کا روزہ چھوٹ گیا، حضرت فرماتے ہیں کہ غم کرنے کی کوئی بات نہیں، اس لئے کہ یہ دیکھو کہ تم روزہ کس کے لئے رکھ رہے ہو؟ اگر تم اپنی ذات کے لئے اپنا جی خوش کرنے کے لئے، اور اپنا شوق پورا کرنے کے لئے روزہ رکھ رہے ہو، پھر تو بیشک اس پر غم اور صدمہ کرو کہ بیماری آگئی، اور روزہ چھوٹ گیا، لیکن اگر اللہ تعالیٰ کے لئے روزہ رکھ رہے ہو۔ تو پھر غم کرنے کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تو خود فرما دیا ہے کہ بیماری میں روزہ چھوڑ دو۔

لہٰذا اگر شرعی عذر کی وجہ سے روزے قضا ہو رہے ہیں، یا معمولات چھوٹ رہے ہیں، مثلاً بیماری ہے، سفر ہے، یا خواتین کی طبعی مجبوری ہے یا کسی زیادہ اہم مصروفیت کی وجہ سے جو دین ہی کا تقاضہ تھی، معمول چھوٹ گیا مثلاً ماں باپ بیمار ہیں، ان کی خدمت میں لگا ہوا ہے، اور اس خدمت کی وجہ سے معمول چھوٹ گیا، تو اس سے بالکل رنجیدہ اور

غمگین نہ ہونا چاہئے ـــــــ لیکن سستی کی وجہ سے معمول کو چھوڑنا نہیں چاہئے ـــــ عذر کی وجہ سے چھوٹ جائے تو اس پر رنجیدہ نہ ہونا چاہئے۔

سستی کا علاج

اور سستی کا واحد علاج یہ ہے کہ اس کا مقابلہ کرو، اور اس کے آگے ڈٹ جاؤ، اور ہمت سے مقابلہ کرو، اس کا علاج سوائے استعمال ہمت کے اور کچھ نہیں ہے ـــــ اگر ہماری زندگیوں میں صرف یہ بات بھی آجائے یعنی "سستی کا مقابلہ کرنا" تو سمجھ لو کہ آدھا کام ہو گیا، اور اس کے بعد بقیہ آدھے کام کے حصول کی کوشش کرے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے سستی کا مقابلہ کرنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین ـــ

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

آنکھوں کی حفاظت کیجئے

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب :

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۵

صفحات :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آنکھوں کی حفاظت کیجئے

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ، ومن یضللہ فلا ھادی لہ، واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، واشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً ۔ امابعد:

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ، ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، ونحن علیٰ ذالک من الشاھدین والشاکرین، والحمد للہ رب العالمین۔

(النور: ۳۰)

ایک مہلک بیماری

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہماری ایک بیماری کا بیان فرمایا ہے۔ وہ ہے "بد نگاہی"، یہ بد نگاہی ایسی بیماری ہے جس میں بے حد ابتلاء ہے، اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ، علماء، اہل اللہ کی صحبت میں اٹھنے بیٹھنے والے، متدین، نماز روزے کے پابند بھی اس بیماری کے اندر مبتلا ہو جاتے ہیں، اور آجکل تو حالت یہ ہے کہ اگر آدمی گھر سے

باہر نکلے تو آنکھوں کو بچانا مشکل نظر آتا ہے، ہر طرف ایسے مناظر ہیں کہ ان سے آنکھوں کو پناہ ملنی مشکل ہے۔

بد نگاہی کی حقیقت

"بد نگاہی" کا حاصل یہ ہے کہ کسی غیر محرم پر نگاہ ڈالنا، بالخصوص جبکہ شہوت کے ساتھ نگاہ ڈالی جائے، یا لذت حاصل کرنے کے لئے نگاہ ڈالی جائے، چاہے وہ غیر محرم حقیقی طور پر زندہ ہو، اور چاہے غیر محرم کی تصویر ہو۔ اس پر بھی نگاہ ڈالنا حرام ہے، اور "بد نگاہی" کے اندر داخل ہے ۔

یہ بد نگاہی کا عمل اپنے نفس کی اصلاح کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، اور یہ عمل انسان کے باطن کے لئے اتنا تباہ کن ہے کہ دوسرے گناہوں سے یہ بہت آگے بڑھا ہوا ہے، اور انسان کے باطن کو خراب کرنے میں اس کا بہت دخل ہے۔ جب تک اس عمل کی اصلاح نہ ہو، اور نگاہ قابو میں نہ آئے، اس وقت تک باطن کی اصلاح کا تصور تقریباً محال ہے، حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

"النظر سهم مسموم من سهام ابليس"

(مجمع الزوائد، ج ۸ ص ۶۳)

یعنی یہ "نظر" ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہر آلود تیر ہے، یہ تیر جو ابلیس کے کمان سے نکل رہا ہے۔ اگر کسی نے اس کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کر لیا، اور اس کے آگے ہتھیار ڈال دیئے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ باطن کی اصلاح میں اب بڑی رکاوٹ کھڑی ہوگئی، اس لئے کہ انسان کے باطن کو خراب کرنے میں جتنا دخل اس آنکھ کے غلط استعمال کا ہے، شاید کسی اور عمل کا نہ ہو۔

یہ کڑوا گھونٹ پینا پڑے گا

میں نے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ سے سنا، فرماتے تھے کہ نگاہ کا غلط استعمال باطن کے لئے سم قاتل ہے، اگر باطن کی اصلاح منظور ہے تو

سب سے پہلے اس نگاہ کی حفاظت کرنی ہوگی ـــــ یہ کام بڑا مشکل نظر آتا ہے۔ ڈھونڈنے سے بھی آنکھوں کو پناہ نہیں ملتی، ہر طرف بے پردگی، بے حجابی، عریانی، اور فحاشی کا بازار گرم ہے، ایسے میں اپنی نگاہوں کو بچانا مشکل نظر آتا ہے ـــ لیکن اگر ایمان کی حلاوت حاصل کرنا منظور ہے اور اللہ جل جلالہ کے ساتھ تعلق اور محبت منظور ہے، اور اپنے باطن کی صفائی، تزکیہ، اور طہارت منظور ہے، تو پھر یہ کڑوا گھونٹ تو پینا ہی ہوگا، اور یہ کڑوا گھونٹ پیئے بغیر بات آگے نہیں بڑھ سکتی، لیکن یہ کڑوا گھونٹ ایسا ہے کہ شروع میں تو بہت کڑوا ہوتا ہے، مگر جب ذرا اس کی عادت ڈال لو تو پھر یہ گھونٹ ایسا میٹھا ہو جاتا ہے، کہ پھر اس کے بغیر چین بھی نہیں آتا ـــــ

عربوں کا قہوہ

عرب کے لوگ قہوہ پیا کرتے ہیں، آپ حضرات نے بھی دیکھا کہ وہ چھوٹے چھوٹے فنجانوں میں قہوہ پیتے ہیں، مجھے یاد ہے کہ جب میں چھوٹا بچہ ہی تھا، اس وقت قطر کے ایک شیخ کراچی آئے ہوئے تھے، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ میں بھی ان سے ملنے کے لئے چلا گیا، اس ملاقات کے دوران وہاں مجلس میں پہلی مرتبہ وہ قہوہ دیکھا، وہ قہوہ سب کو پینے کے لئے پیش کیا گیا، جب قہوہ کا لفظ سنا تو ذہن میں یہی خیال آیا کہ میٹھا ہوگا۔ لیکن جب اس کو زبان سے لگایا تو وہ اتنا کڑوا تھا کہ اس کو حلق سے اتارنا مشکل ہو گیا۔ حالانکہ وہ ذرا سا قہوہ تھا، اور اس کا ذائقہ بھی تلخ تھا، اور اب وہاں مجلس میں بیٹھ کر کلی تو کر نہیں سکتے تھے، اس لئے چار ناچار اس کو کسی طرح حلق سے اتارا، لیکن جب حلق سے اتارا تو اب ذرا اس کا سرور محسوس ہوا، اس کے بعد پھر ایک اور مجلس میں پینے کا اتفاق ہوا، آہستہ آہستہ اب یہ حالت ہو گئی کہ اب اتنا پیارا اور اتنا مزیدار لگتا ہے جس کی کوئی انتہاء نہیں، اس لئے کہ اب پینے کی عادت ہو گئی ہے۔

پھر حلاوت اور لذت حاصل ہوگی

اس طرح یہ بھی ایسا کڑوا گھونٹ ہے کہ شروع میں، میں اس کو پینا بڑا دشوار

معلوم ہوتا ہے۔ لیکن پینے کے بعد جب اس کا سرور طاری ہو جائے گا۔ تو پھر دیکھو گے کہ اس کے پینے میں کیا لطف ہے ــــ اللہ تعالیٰ اس کی حلاوت ہم سب کو عطا فرما دے، آمین ــــ بہرحال، یہ ایسی کڑوی چیز ہے کہ ایک مرتبہ اس کی کڑواہٹ کو برداشت کر لو، اور ایک مرتبہ دل پر پتھر رکھ کر اس کی کڑواہٹ کو نگل جاؤ، تو پھر انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ ایسی حلاوت، ایسا سرور، ایسی لذت عطا فرمائیں گے کہ اس کے آگے اس بد نگاہی کی لذت ہیچ در ہیچ ہے، اس کے آگے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

آنکھیں بڑی نعمت ہیں

یہ آنکھ ایک مشین ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کی ایسی نعمت ہے کہ انسان اس کا تصور نہیں کر سکتا، اور بے مانگے مل گئی ہے، اور مفت میں مل گئی ہے، اس کے لئے کوئی محنت اور پیسہ خرچ نہیں کرنا پڑا۔ اس ـلئے اس نعمت کی قدر نہیں ہے۔ ان لوگوں سے جا کر پوچھو جو اس نعمت سے محروم ہیں۔ نابینا ہیں۔ یا تو بینائی چلی گئی ہے۔ یا جن کے پاس یہ نعمت شروع ہی سے نہیں ـہے، ان سے پوچھو کہ یہ آنکھ کیا چیز ہے؟ اور خدا نہ کرے، اگر بینائی میں کوئی خلل آنے لگے، اور بینائی جاتی ہوئی معلوم ہونے لگے تو اس وقت معلوم ہو گا کہ ساری کائنات اندھیر ہو گئی ہے، اور اس وقت انسان اپنی ساری دولت خرچ کر کے بھی یہ چاہے گا کہ مجھے یہ دولت دوبارہ حاصل ہو جائے، اور یہ ایسی مشین ہے کہ آج تک ایسی مشین کوئی ایجاد نہیں کر سکا۔

سات میل کا سفر ایک لمحے میں

میں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی آنکھ میں جو یہ پتلی رکھی ہے، یہ اندھیرے میں پھیلتی ہے، اور روشنی میں سکڑ جاتی ہے۔ جب آدمی اندھیرے سے روشنی میں آتا ہے۔ یا روشنی سے اندھیرے میں آتا ہے تو اس وقت یہ سکڑنے اور پھیلنے کا عمل ہوتا ہے، اور اس سکڑنے اور پھیلنے میں آنکھ کے اعصاب سات میل کا فاصلہ طے کرتے ہیں، لیکن انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ کیا بات ہوئی، ایسی نعمت اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرما دی ہے۔

آنکھ کا صحیح استعمال

اب اگر اس نعمت کا صحیح استعمال کروگے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تو میں تم کو اس پر ثواب بھی دوں گا، مثلاً اس آنکھ کے ذریعہ محبت کی نگاہ اپنے والدین پر ڈالو۔ تو حدیث شریف میں ہے کہ ایک حج اور ایک عمرے کا ثواب ملے گا، اللہ اکبر، ایک دوسری حدیث میں ہے کہ شوہر گھر میں داخل ہوا، اور اس نے اپنی بیوی کو محبت کی نگاہ سے دیکھا اور بیوی نے شوہر کو محبت کی نگاہ سے دیکھا تو اللہ تعالیٰ دونوں کو رحمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ جب اس آنکھ کو صحیح جگہ پر استعمال کیا جارہا ہے تو صرف یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر لذت اور لطف عطا فرمارہے ہیں، بلکہ اس پر اجر و ثواب بھی عطا فرمارہے ہیں ـــــ لیکن اگر اس کا غلط استعمال کروگے، اور غلط جگہ پر نگاہ ڈالوگے، اور غلط چیزیں دیکھوگے تو پھر اس کا وبال بھی بڑا سخت ہے۔ اور یہ عمل انسان کے باطن کو خراب کرنے والا ہے۔

بد نگاہی سے بچنے کا علاج

اب اس بد نگاہی سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے، وہ یہ ہے کہ ہمت سے کام لے کر یہ طے کرلو کہ یہ نگاہ غلط جگہ پر نہیں اٹھے گی۔ اس کے بعد پھر چاہے دل پر آرے ہی کیوں نہ چل جائیں، لیکن اس نگاہ کو مت ڈالو، ؎

آرزوئیں خون ہوں، یا حسرتیں برباد ہوں
اب تو اس دل کو بنانا ہے ترے قابل مجھے

بس ہمت اور ارادہ کرکے اس نگاہ کو بچائیں، تو پھر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیسی مدد اور نصرت آتی ہے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آنکھ کو بد نگاہی سے بچانے کی کچھ تدبیریں بیان فرمائی ہیں، وہ یاد رکھنے کی ہیں، فرماتے ہیں کہ:

• "اگر کوئی عورت نظر آئے، اور نفس یہ کہے کہ: ایک دفعہ دیکھ لے۔ کیا حرج ہے؟ کیونکہ تو بدفعلی تو کرے گا نہیں۔ .... تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ نفس کا کید ہے۔ اور طریقہ نجات کا یہ ہے کہ عمل نہ کیا جائے۔"

(انفاس عیسیٰ، حصہ اول ص ۱۴۲)

اس لئے یہ شیطان کا دھوکہ ہے، وہ کہتا ہے کہ دیکھنے میں کیا حرج ہے؟ دیکھنا تو اس لئے منع ہے تاکہ انسان کسی بدفعلی کے اندر مبتلا نہ ہو، اور یہاں بدفعلی کا امکان ہی نہیں۔ اس لئے دیکھ لو، کوئی حرج نہیں، حضرت والا فرماتے ہیں کہ یہ نفس کا مکر ہے، اور اس کا علاج یہ ہے کہ اس پر عمل نہ کیا جائے، اور چاہے جتنا بھی تقاضہ ہو رہا ہو۔ نگاہ کو وہاں سے ہٹا لے۔

شہوانی خیالات کا علاج

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمتہ اللہ علیہ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ یہ جو گناہ کے داعیے اور تقاضے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا علاج اس طرح کرو کہ جب دل میں یہ سخت تقاضہ پیدا ہو کہ اس نگاہ کو غلط جگہ پر استعمال کروں۔ اور اس نگاہ کو غلط جگہ استعمال کر کے لذت حاصل کروں، تو اس وقت ذرا سا یہ تصور کرو کہ اگر میرے والد مجھے اس حالت میں دیکھ لیں۔ کیا پھر بھی یہ حرکت جاری رکھوں گا؟ یا اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ میرے شیخ مجھے اس حالت میں دیکھ رہے ہیں، کیا پھر بھی یہ کام جاری رکھوں گا؟ یا مجھے پتہ ہو کہ میری اولاد میری اس حرکت کو دیکھ رہی ہے تو کیا پھر بھی یہ کام جاری رکھوں گا؟ ظاہر ہے کہ اگر ان میں سے کوئی بھی میری اس حرکت کو دیکھ رہا ہو گا تو میں اپنی نظر نیچی کر لوں گا۔ اور یہ کام نہیں کروں گا۔ چاہے دل میں کتنا شدید تقاضہ پیدا کیوں نہ ہو ــــــ

پھر یہ تصور کرو کہ ان لوگوں کے دیکھنے نہ دیکھنے سے میری دنیا و آخرت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن میری اس حالت کو احکم الحاکمین دیکھ رہا ہے، اس کی پرواہ مجھے کیوں نہ ہو، اس لئے کہ وہ مجھے اس پر سزا بھی دے سکتا ہے۔ اس خیال اور تصور کی برکت سے امید ہے کہ انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ اس گناہ سے محفوظ رکھیں گے۔

تمہاری زندگی کی فلم چلا دی جائے تو؟

حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ کی ایک بات اور یاد آگئی فرماتے تھے کہ ذرا اس بات کا تصور کرو کہ اگر اللہ تعالیٰ آخرت میں تم سے یوں فرمائیں کہ: اچھا اگر تمہیں جہنم سے ڈر لگ رہا ہے، تو چلو ہم تمہیں آگ سے اور جہنم سے بچا لیں گے، لیکن اس کے لئے ایک شرط ہے، وہ یہ کہ ہم ایک یہ کام کریں گے کہ تمہاری پوری زندگی جو بچپن سے

جوانی اور بڑھاپے تک اور مرنے تک تم نے گزاری ہے۔ اس کی ہم فلم چلائیں گے اور اس فلم کے دیکھنے والوں میں تمہارا باپ ہوگا. تمہاری ماں ہوگی، تمہارے بہن بھائی ہونگے، تمہاری اولاد ہوگی، تمہارے شاگرد ہونگے، تمہارے استاذ ہونگے، تمہارے دوست احباب ہونگے، اور اس فلم کے اندر تمہاری پوری زندگی کا نقشہ سامنے کر دیا جائے گا، اگر تمہیں یہ بات منظور ہو تو پھر تمہیں جہنم سے بچالیا جائے گا۔

اس کے بعد حضرت فرماتے تھے کہ ایسے موقع پر آدمی شاید آگ کے عذاب کو گوارہ کر لے گا، مگر اس بات کو گوارہ نہیں کرے گا کہ ان تمام لوگوں کے سامنے میری زندگی کا نقشہ آجائے ــــ لہٰذا جب اپنے ماں، باپ، دوست احباب، عزیز واقارب اور مخلوق کے سامنے اپنی زندگی کے احوال کا آنا گوارہ نہیں۔ تو پھر ان احوال کا اللہ تعالیٰ کے سامنے آنا کیسے گوارہ کر لوگے؟ اس کو ذرا سوچ لیا کرو۔

دل کا مائل ہونا اور مچلنا گناہ نہیں

پھر آگے دوسرے ملفوظ میں ارشاد فرمایا کہ:

> "بد نگاہی میں ایک درجہ میلان کا ہے، جو کہ غیر اختیاری ہے، اور اس پر مواخذہ بھی نہیں اور ایک درجہ ہے اس کے مقتضاء پر عمل کرنے کا، یہ اختیاری ہے۔ اس پر مواخذہ ہے۔"
>
> (انفاس عیسیٰ)

میلان کا مطلب یہ ہے کہ دیکھنے کا بہت دل چاہ رہا ہے، دل مچل رہا ہے، یہ دل کا چاہنا، مچلنا اور مائل ہونا۔ چونکہ یہ غیر اختیاری ہے۔ اس لئے اس پر مواخذہ بھی نہیں، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس پر انشاء اللہ کوئی گرفت نہیں ہوگی، کوئی گناہ نہیں ہوگا ــــ لیکن دوسرا درجہ یہ ہے کہ اس دل کے چاہنے پر عمل کر لیا، اور اس کی طرف نگاہ اٹھادی، یہ اختیاری ہے، اور اس پر مواخذہ بھی ہے ــــ یا نگاہ غیر اختیاری طور پر پڑ گئی تھی، اب اس نگاہ کو اپنے اختیار سے باقی رکھا۔ اس پر بھی مواخذہ ہے، اور اس پر بھی گناہ ہے۔ تو میلان کا پہلا درجہ جو غیر اختیاری ہے، وہ معاف ہے، اس پر گرفت نہیں، اور دوسرا درجہ اختیاری ہے، اس پر مواخذہ بھی ہے آگے فرمایا:

سوچ کر لذت لینا حرام ہے

"اور اس عمل میں قصداً دیکھنا اور سوچنا سب داخل ہے، اور
اس کا علاج کف نفس اور غض بصر ہے"

کسی اجنبی اور نامحرم عورت کا تصور کر کے لذت لینا، یہ بھی اسی طرح حرام ہے۔ جیسے بد نگاہی حرام ہے، تو دیکھنا بھی اس میں داخل ہے، اور سوچنا بھی اس میں داخل ہے، اور اس کا علاج یہ بتلا دیا کہ نفس کو روکو، اور نگاہ کو نیچی رکھو، آگے پیچھے، ادھر ادھر، اور دائیں بائیں دیکھنے کے بجائے زمین کی طرف نگاہ رکھتے ہوئے چلے۔

راستے میں چلتے وقت نگاہ نیچی رکھو

حضرت والا قدس اللہ تعالیٰ سرہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو جنت سے نکالا تو جاتے جاتے وہ دعا مانگ گیا کہ یا اللہ، مجھے قیامت تک کی مہلت دے دیجئے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کو مہلت دے دی۔ اب اس نے اکڑ پھوں دکھائی، چنانچہ اس وقت اس نے کہا کہ:

لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ۔

(سورہ الاعراف: ۱۷)

یعنی میں ان بندوں کے پاس ان کے دائیں طرف سے، بائیں طرف سے، آگے سے اور پیچھے سے جاؤں گا، اور چاروں طرف سے ان پر حملے کروں گا۔ حضرت والا فرماتے ہیں کہ شیطان نے چار سمتیں تو بیان کر دیں، تو معلوم ہوا کہ شیطان انہی چار سمتوں سے حملہ آور ہوتا ہے، کبھی آگے سے ہو گا، کبھی پیچھے سے ہو گا، کبھی دائیں سے ہو گا، کبھی بائیں سے ہو گا، لیکن دو سمتیں وہ چھوڑ گیا، ان کو نہیں بیان کیا۔ ایک اوپر کی سمت، اور ایک نیچے کی سمت۔ اس لئے اوپر کی سمت بھی محفوظ، اور نیچے کی سمت محفوظ ہے، اب اگر نگاہ اوپر کر کے چلو گے تو ٹھوکر کھا کر گر جاؤ گے، اس لئے اب ایک ہی راستہ رہ گیا کہ نیچے کی طرف نگاہ کر کے چلو گے تو انشاء اللہ شیطان کے چار طرفی حملے سے محفوظ رہو گے۔ اس لئے بلاوجہ دائیں بائیں نہ دیکھو، بس اللہ اللہ کرتے ہوئے نیچے دیکھتے ہوئے چلو۔ پھر

دیکھو گے کہ اللہ تعالیٰ کس طرح تمہاری حفاظت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ

(النور: ۳۰)

یعنی مومنین سے کہہ دو کہ اپنی نگاہوں کو نیچی کرلیں، تو خود قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے نگاہ نیچی کرنے کا حکم فرمادیا، اور پھر آگے اس کا نتیجہ بیان فرمادیا کہ اس کی وجہ سے شرم گاہوں کی حفاظت ہو جائے گی، اور پاک دامنی حاصل ہو جائیگی۔

یہ تکلیف جہنم کی تکلیف سے کم ہے

حضرت تھانوی ؒ آگے فرماتے ہیں کہ:

ہمت کر کے ان (دونوں) کو اختیار کرے۔ گو نفس کو تکلیف ہو، مگر یہ تکلیف نار جہنم کی تکلیف سے کم ہے۔

یعنی اس وقت تو نگاہ کو بچانے سے نفس کو تکلیف ہو رہی ہے۔ لیکن اس بد نگاہی کے بدلے میں جو جہنم کا عذاب ہے، اس کی تکلیف کے مقابلے میں یہ تکلیف لاکھوں، کروڑوں، بلکہ اربوں گنا کم ہے، بلکہ یہاں کی تکلیف کو وہاں کی تکلیف سے کوئی نسبت ہی نہیں، کیونکہ وہاں کا عذاب غیر متناہی ہے، کبھی ختم ہونے والا نہیں، اور یہاں کی تکلیف ختم ہونے والی ہے ــ آگے فرمایا کہ:

ہمت سے کام لو

"جب چند روز ہمت سے ایسا کیا جائے گا تو میلان میں بھی کمی ہو جائے گی، بس یہی علاج ہے، اس کے سوا کچھ علاج نہیں، اگرچہ ساری عمر سرگرداں رہے"

اس لئے کہ جب انسان محنت اور مشقت برداشت کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے وعدہ فرمالیا ہے کہ:

"وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا"

(سورہ العنکبوت: ۶۹)

یعنی جو شخص ہمارے راستے میں مجاہدہ کرے گا۔ ہم ضرور اس کو راستہ دکھادیں گے۔ تو وہ مجاہدہ کرنے والے کو راستہ دیتے ہیں۔ لہٰذا مجاہدہ کر کے نظر نیچی کر لو گے بالآخر اللہ تعالیٰ میلان بھی کم فرمادیں گے، انشاء اللہ۔ بس یہی علاج ہے اس کے سوا کچھ علاج نہیں، اگرچہ ساری عمر سرگرداں رہو۔۔۔ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ جب ہم شیخ کے پاس جائیں تو شیخ ایسی پھونک مارے، یا ایسا نسخہ پلادے۔ یا ایسا وظیفہ پڑھ دے کہ بس یہ میلان ختم ہو جائے ۔۔۔ ارے بھائی، ایسا نہیں ہوا کرتا۔ جب تک انسان ہمت سے کام نہ لے۔

دو کام کر لو

دیکھو، دو کام کر لو، ایک ہمت کو استعمال کرو، دوسرے اللہ تعالیٰ سے رجوع کرو، "ہمت کے استعمال" کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو حتی الامکان جتنا بچا سکتے ہو، بچالو، اور "رجوع الی اللہ" کا مطلب یہ ہے کہ جب کبھی ایسی آزمائش پیش آئے تو فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے کہو، یا اللہ، اپنی رحمت سے مجھے بچالیجئے، میری آنکھ کو بچا لیجئے، میرے خیالات کو بچالیجئے، اگر آپ نے مدد نہ فرمائی تو میں مبتلا ہو جاؤں گا،

حضرت یوسف کی سیرت اپناؤ

حضرت یوسف علیہ السلام جب آزمائش میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے بھی یہی کام کیا کہ اپنی طرف سے کوشش کی۔ چنانچہ جب زلیخا نے چاروں طرف دروازوں میں تالے ڈال دیئے۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام کو گناہ کی دعوت دی، اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ دروازوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں، اور نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ مگر حضرت یوسف علیہ السلام دروازوں کی طرف بھاگ پڑے، اب جب آنکھوں سے نظر آرہا ہے کہ دروازوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں تو بھاگ کر کہاں جاؤ گے؟ راستہ تو ہے نہیں۔ مگر چونکہ اپنے اختیار میں تو اتنا ہی تھا کہ دروازے تک بھاگ جاتے، چنانچہ جب اپنے حصے کا کام کر لیا۔ اور اپنے اختیار میں جو تھا، وہ کر لیا۔ اور دروازے تک پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ سے یہ کہنے کے حقدار ہو گئے کہ یا

اللہ، میرے اختیار میں توبس اتنا ہی تھا، میرے بس میں اس سے زیادہ نہیں، اب آگے تو آپ کے کرنے کا کام ہے ۔۔۔۔ تو جب اپنے حصے کا کام کر کے اللہ تعالیٰ سے مانگ لیا کہ یا اللہ، باقی آگے کا کام آپ کے قبضے میں ہے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے حصے کا کام کر لیا، اور انہوں نے بھی دروازوں کے تالے توڑ دیئے۔ اسی بات کو مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ کتنے خوبصورت انداز میں بیان فرماتے ہیں کہ:۔

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید
خیرہ یوسف وار می باید دوید

اگر چہ تمہیں اس دنیا کے اندر کوئی راستہ اور کوئی پناہ گاہ نظر نہیں آرہی ہے۔ چاروں طرف سے گناہوں کی دعوت دی جارہی ہے، لیکن تم دیوانہ وار اس طرح بھاگو، جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام بھاگے، تم جتنا بھاگ سکتے ہو، اتنا تو بھاگ لو، باقی اللہ سے مانگو۔ بہر حال اگر انسان یہ دو کام کر لے، ایک اپنی استطاعت کی حد تک کام کر لے، اور دوسرے اللہ سے مانگے، یقین کیجئے، دنیا میں کامیابی کا سب سے بڑا راز یہی ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کا طرز اختیار کرو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ بھی بڑی عجیب عجیب باتیں ارشاد فرمایا کرتے تھے، فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو تین دن تک مچھلی کے پیٹ میں رکھا، اب وہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا، چاروں طرف تاریکیاں اور اندھیریاں چھائی ہوئی تھیں، اور معاملہ اپنے بس سے باہر ہو گیا تھا، بس اس وقت ان تاریکیوں میں اللہ تعالیٰ کو پکارا اور یہ کلمہ پڑھا:

"لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ"

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب اس نے ہمیں تاریکیوں کے اندر پکارا تو پھر ہم نے یہ کہا کہ

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ، وَكَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

(سورہ الانبیاء :۸۸)

یعنی ہم نے اس کی پکار سنی، اور ہم نے اس گھٹن سے اس کو نجات عطا فرمادی، چنانچہ تین دن کے بعد مچھلی کے پیٹ سے نکل آئے، آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم اسی طرح مومنوں کو نجات دیتے ہیں، اور دینگے۔ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ تم ذرا سوچو تو سہی کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں کیا لفظ ارشاد فرمایا کہ ہم مومنوں کو اسی طرح نجات دیں گے؟ کیا ہر مومن پہلے مچھلی کے پیٹ میں جائے گا، اور پھر وہاں جاکر اللہ تعالیٰ کو پکارے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کو نجات دیں گے، کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے؟ آیت کا یہ مطلب نہیں، بلکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ کی تاریکیوں میں گرفتار ہوئے تھے، اسی طرح تم کسی اور قسم کی تاریکیوں میں گرفتار ہو سکتے ہو۔ لیکن وہاں پر بھی تمہارا سہارا وہی ہے جسے حضرت یونس علیہ السلام نے اختیار کیا تھا۔ وہ یہ کہ ہمیں ان الفاظ سے پکارو!

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔

جب تم ان الفاظ سے ہمیں پکارو گے تو تم جس قسم کی تاریکی میں گرفتار ہو گے۔ ہم تمہیں نجات دے دینگے۔

ہمیں پکارو

لہٰذا جب نفس کے تقاضوں کی تاریکیاں سامنے آئیں، ماحول کی ظلمتیں اور تاریکیاں سامنے آئیں تو اس وقت تم ہمیں پکارو، یا اللہ، ان تاریکیوں سے بچالیجئے۔ ان تاریکیوں سے نکال دیجئے، ان اندھیروں سے باہر کر دیجئے، ان کے شر سے محفوظ فرمایئے ــــ جب دعا کرو گے تو پھر ممکن نہیں ہے کہ یہ دعا قبول نہ ہو،

دنیاوی مقاصد کے لئے دعا کی قبولیت

دیکھئے، جب انسان کسی دینوی مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہے۔ مثلاً یہ دعائیں کرتا ہے کہ یا اللہ، مجھے صحت دے دے۔ یا اللہ، مجھے پیسے دے دے۔ یا اللہ، مجھے فلاں ملازمت دے دے۔ یا اللہ، مجھے فلاں عہدہ دے دے ــــ ویسے تو ہر

دعاقبول ہوتی ہے، مگر قبولیت کے انداز مختلف ہوتے ہیں۔ بعض اوقات تو وہی چیز اللہ تعالیٰ دے دیتے ہیں۔ جو مانگی تھی۔ مثلاً پیسہ مانگا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے پیسہ دے دیا۔ یا اللہ تعالیٰ سے کوئی منصب مانگا تھا۔ وہ دے دیا، لیکن بعض مرتبہ اللہ تعالیٰ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ انسان اپنی بے وقوفی اور نادانی کی وجہ سے ایسی چیز مانگ رہا ہے اگر میں نے اس کو دے دی تو وہ چیز اس کے لئے عذاب ہو جائے گی۔ مثلاً یہ پیسہ مانگ رہا ہے، لیکن اگر میں نے اس کو پیسہ دے دیا تو اس کا دماغ خراب ہو جائے گا، اور یہ فرعون بن جائے گا۔ اپنی دنیا بھی خراب کرے گا، اور آخرت بھی خراب کرے گا۔ اس لئے ہم اس کو زیادہ پیسے نہیں دیتے، یا مثلاً ایک شخص نے کوئی عہدہ یا منصب مانگ لیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ اگر یہ منصب اس کو مل گیا تو یہ معلوم نہیں کیا کیا فساد برپا کرے گا، اس لئے بعض اوقات وہ چیز دینا مناسب نہیں ہوتا جو اس نے مانگی ہے، اس لئے اس کے بجائے اللہ تعالیٰ اس سے اچھی چیز دے دیتے ہیں۔

دینی مقصد کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے

لیکن اگر کوئی شخص دین مانگ رہا ہے، اور یہ دعا کر رہا ہے کہ یا اللہ، مجھے دین پر چلا دے، مجھے سنت پر چلا دیجئے، مجھے گناہوں سے بچا لیجئے، تو کیا اس میں اس بات کا امکان ہے کہ دین پر چلنے میں نقصان زیادہ ہے، اور کسی اور راستے پر چلنے میں نقصان کم ہے؟ اور اللہ تعالیٰ دین کے بجائے وہ دوسرے راستے پر چلا دیں؟ چونکہ اس بات کا امکان ہی نہیں۔ لہٰذا وہ دعا جو دین کے لئے مانگی جاتی ہے۔ کہ یا اللہ، مجھے دین عطا فرما دے۔ یا اللہ، مجھے گناہوں سے بچا لے۔ یا اللہ، مجھے طاعات عطا فرما دے۔ یہ دعائیں تو ضرور قبول ہونی ہیں، اس میں قبول نہ ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں ــ اس لئے جب بھی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو تو اس یقین کے ساتھ مانگو کہ ضرور قبول ہوگی۔

دعا کے بعد اگر گناہ ہو جائے؟

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ جب تم نے یہ دعا مانگ

لی کہ یا اللہ، مجھے گناہ سے بچا لیجئے، لیکن اس دعا کے بعد پھر تم گناہ کے اندر مبتلا ہو گئے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ دعا قبول نہیں ہوئی ـــــ دنیا کے معاملے میں تو یہ جواب دیا تھا کہ جو چیز بندے نے مانگی تھی۔ چونکہ وہ بندے کے لئے مناسب نہیں تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے وہ چیز نہیں دی۔ بلکہ کوئی اور اچھی چیز دے دی ـــــ لیکن ایک شخص یہ دعا کرتا ہے کہ یا اللہ، میں گناہ سے بچنا چاہتا ہوں۔ مجھے گناہ سے بچنے کی توفیق دے دیجئے، تو کیا یہاں بھی یہ جواب دے سکتے ہیں کہ گناہ سے بچنا اچھا نہیں تھا، اس سے اچھی کوئی چیز تھی۔ جو اللہ تعالیٰ نے اس دعا مانگنے والے کو دے دی؟

توبہ کی توفیق ضرور ہو جاتی ہے

بات دراصل یہ ہے کہ گناہ سے بچنے کی یہ دعا قبول تو ہوئی۔ لیکن اس دعا کا اثر یہ ہو گا کہ اول تو انشاء اللہ گناہ سرزد نہیں ہو گا، اور اگر بالفرض گناہ ہو بھی گیا تو توبہ کی توفیق ضرور ہو جائے گی۔ انشاء اللہ۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ توبہ کی توفیق نہ ہو، لہٰذا دین کے بارے میں یہ دعا کبھی رائیگاں نہیں جا سکتی، کبھی یہ دعا بے کار نہیں ہو سکتی۔ اور اگر گناہ کے بعد توبہ کی توفیق ہو جائے تو وہ توبہ بعض اوقات انسان کو اتنا اونچا لے جاتی ہے، اور اس کا اتنا درجہ بلند کرتی ہے کہ بعض اوقات گناہ نہ کرنے کی صورت اس کا اتنا درجہ بلند نہ ہوتا۔ اور وہ اتنا اونچا نہ جاتا، اس لئے کہ غلطی سرزد ہونے کے بعد جب اللہ تعالیٰ کے سامنے اس نے توبہ کی، رویا، گڑگڑایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے نتیجے میں اس کا درجہ اور زیادہ بلند کر دیا۔

پھر ہم تمہیں بلند مقام پر پہنچائیں گے

اس لئے ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اس دعا کرنے کے باوجود اگر پاؤں پھسل گیا، اور وہ گناہ سرزد ہو گیا تو اللہ تعالیٰ سے بدگمان مت ہو جاؤ کہ اللہ میاں نے ہماری دعا قبول نہیں کی ـــ ارے نادان، تجھے کیا معلوم، ہم تجھے کہاں پہنچانا چاہتے ہیں ـــــ اس لئے کہ جب گناہ سرزد ہو گا تو پھر ہم تمہیں توبہ کی توفیق دیں

گے، پھر ہم تمہیں اپنی ستاری کا اپنی غفاری، اپنی پردہ پوشی کا، اور اپنی رحمتوں کا مورد بنائیں گے۔ اس لئے اس دعا کو کبھی رائیگاں اور بیکار مت سمجھو۔ بس یہ دو کام کرتے رہو۔ ہمت سے کام لو، اور دعا مانگتے رہو۔ پھر دیکھو، کیا سے کیا ہو جاتا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

تمام گناہوں سے بچنے کا صرف ایک ہی نسخہ

بد نگاہی کی بارے میں یہ باتیں عرض کر دیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ صرف بد نگاہی نہیں، دنیا کے ہر گناہ کے اندر یہ ضروری ہے کہ ہمت کا استعمال کرنا، اس کو بار بار تازہ کرنا، اور اللہ تعالیٰ سے رجوع اور دعا کرنا۔ یہ دونوں چیزیں ضروری ہیں، ان میں سے صرف ایک چیز سے کام نہیں بنے گا، اگر صرف دعا کرتے رہو گے، اور ہمت نہیں کرو گے۔ تو یہ چیز حاصل نہیں ہوگی۔ مثلاً ایک آدمی مشرق کی طرف بھاگا جا رہا ہے، اور ساتھ میں اللہ تعالیٰ سے دعا یہ کر رہا ہے کہ یا اللہ، مجھے مغرب میں پہنچا دے۔ ارے تو مشرق کی طرف بھاگ رہا ہے، اور دعا مغرب کی کر رہا ہے، یہ دعا کیسے قبول ہوگی؟ کم از کم پہلے اپنا رخ تو مغرب کی طرف کر۔ اور جتنا تیرے بس میں ہے، وہ تو کر لے، اور پھر اللہ تعالیٰ سے مانگ کہ یا اللہ، مجھے مغرب پہنچا دے، تب تو وہ دعا فائدہ مند ہے، ورنہ وہ دعا نہیں۔ وہ تو اللہ تعالیٰ سے مذاق ہے۔

اس لئے پہلے رخ اس طرف کرو، اور ہمت کرو، اور جتنا ہو سکے، اس طرف قدم بڑھاؤ، اور پھر اللہ تعالیٰ سے مانگو، تمام گناہوں سے بچنے کا یہی نسخہ ہے۔ یہی نسخہ ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور نسخہ نہیں ہے، اور ساری طاعات کو حاصل کرنے کا بھی یہی نسخہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

کھانے کے آداب

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب :

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۵

صفحات :

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کھانے کے آداب

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ. واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ، واشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً، امابعد:

عن عمرو بن ابی سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال: کنت غلاما فی حجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ وکانت یدی تطیش فی الصحفۃ، فقال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یاغلام سم اللہ، وکل بیمینک وکل مما یلیک۔
(صحیح بخاری، کتاب الاطعمۃ، باب التسمیۃ علی الطعام، حدیث نمبر ۵۳۷۶)

دین کے پانچ شعبے

آپ حضرات کے سامنے پہلے بھی کئی مرتبہ عرض کر چکا ہوں کہ دین اسلام نے جو احکام ہم پر عائد کئے ہیں۔ وہ پانچ شعبوں سے متعلق ہیں۔ یعنی عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاق، دین ان پانچ شعبوں سے مکمل ہوتا ہے، اگر ان میں سے ایک کو بھی چھوڑ دیا جائے گا تو پھر دین مکمل نہیں ہوگا، لہٰذا عقائد بھی درست ہونے چاہئیں، عبادات بھی صحیح طریقے سے انجام دینی چاہئیں، لوگوں کے ساتھ لین دین اور خرید و فروخت کے معاملات بھی شریعت کے مطابق ہونے چاہئیں اور باطن کے اخلاق بھی

درست ہونے چاہئیں۔ اور زندگی گزارنے کے طریقے بھی درست ہونے چاہئیں۔ جس کو معاشرت کہا جاتا ہے۔

"معاشرت" کی اصلاح کے بغیر دین ناقص ہے

اب تک اخلاق کا بیان چل رہا تھا، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نیا باب قائم فرمایا ہے۔ اس میں دین کے جس شعبے کے بارے میں احادیث لائے ہیں، وہ ہے "معاشرت"۔ معاشرت کا مطلب ہے دوسروں کے ساتھ زندگی گزارنا۔ زندگی گزارنے کے صحیح طریقے کیا ہیں؟ یعنی کھانا کس طرح کھائے؟ پانی کس طرح پیئے؟ گھر میں کس طرح رہے؟ دوسروں کے سامنے کس طرح رہے؟ یہ سب باتیں شعبہ معاشرت کے شعبہ سے تعلق رکھتی ہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ " آجکل لوگوں نے معاشرت کو تو دین سے بالکل خارج کر دیا ہے، اور اس میں دین کے عمل دخل کو لوگ قبول نہیں کرتے، حتیٰ کہ جو لوگ نماز روزے کے پابند ہیں بلکہ تہجد گزار ہیں۔ ذکر و تسبیح کرنے کے پابند ہیں۔ لیکن معاشرت ان کی بھی خراب ہے۔ دین کے مطابق نہیں ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کا دین ناقص ہے۔ " ——— اس لئے معاشرت کے بارے میں جو احکام اور تعلیمات اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائی ہیں۔ ان کو جاننا، ان کی اہمیت پہچاننا اور ان پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ———

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہر چیز سکھا گئے

معاشرت کے بارے میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلا باب "کھانے پینے کے آداب" سے شروع فرمایا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح زندگی کے ہر شعبے سے متعلق بڑی اہم تعلیمات عطا فرمائی ہیں۔ اسی طرح کھانے پینے کے بارے میں بھی اہم تعلیمات ہمیں عطا فرمائی ہیں، ایک مرتبہ ایک مشرک نے اسلام پر اعتراض کرتے ہوئے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ:

"انی اری صاحبکم یعلمکم کل شئ حتی الخراءۃ"
قال: اجل، امرنا ان لا نستقبل القبلۃ ولا نستنجی بایماننا الخ

(ابن ماجہ کتاب الطہارۃ باب الاستنجاء بالحجارۃ)

تمہارے نبی تمہیں ہر چیز سکھاتے ہیں، حتیٰ کہ قضائے حاجت کا طریقہ بھی سکھاتے ہیں؟ اس کا مقصد اعتراض کرنا تھا کہ بھلا قضاء حاجت کا طریقہ بھی کوئی سکھانے کی چیز ہے۔ یہ تو کوئی ایسی اہم بات نہیں تھی کہ ایک نبی اور پیغمبر جیسا جلیل القدر اور عظیم الشان انسان اس کے بارے میں کچھ کہے ـــــ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ جس چیز کو تم اعتراض کے طور پر بیان کر رہے ہو، وہ ہمارے لئے فخر کی بات ہے، یعنی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہر چیز سکھائی ہے، یہاں تک کہ ہمیں یہ بھی سکھایا کہ جب ہم قضا حاجت کے لئے جائیں تو قبلہ رخ نہ بیٹھیں، اور نہ داہنے ہاتھ سے استنجا کریں۔ جیسے ماں باپ اپنی اولاد کو سب کچھ سکھاتے ہیں۔ اس لئے اگر ماں باپ اس بات سے شرمانے لگیں کہ اپنی اولاد کو پیشاب پخانے کے طریقے کیا بتائیں تو اس صورت میں اولاد کو کبھی پیشاب پخانے کا صحیح طریقہ نہیں آئے گا؟ ـــــ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر اور آپ پر ماں باپ سے کہیں زیادہ شفیق اور مہربان ہیں۔ اس لئے آپ نے ہمیں ہر چیز کے طریقے سکھائے۔ ان میں کھانے کا طریقہ بھی ہے۔ اور کھانے کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ایسے آداب بیان فرمائے جن کے ذریعہ کھانا کھانا عبادت بن جائے۔ اور باعث اجر و ثواب بن جائے۔

کھانے کے تین آداب

چنانچہ یہ حدیث جو میں نے ابھی پڑھی، اس میں حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ کھانے کے وقت اللہ کا نام لو۔ یعنی "بسم اللہ" پڑھ کر کھانا شروع کرو اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور برتن کے اس حصے سے کھاؤ جو تم سے قریب تر ہے، آگے ہاتھ بڑھا کر دوسری جگہ سے مت

کھاؤ۔ اس حدیث میں تین آداب بیان فرما دیئے۔

پہلا ادب "بسم اللہ" پڑھنا

ایک اور حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی کھانا کھانا شروع کرے تو اللہ کا نام لے، اور اگر کوئی شخص شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول گیا تو اس کو چاہئے کہ کھانا کھانے کے دوران جب بھی بسم اللہ پڑھنا یاد آئے، اس وقت یہ الفاظ کہہ دے:

بِسْمِ اللّٰهِ، اَوَّلَهٗ وَآخِرَهٗ

(ابو داود، کتاب الاطمعة، باب التسمية علی الطعام، حدیث نمبر ۳۷۶۷)

یعنی اللہ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں۔ اول میں بھی اللہ کا نام، اور آخر میں بھی اللہ کا نام۔

شیطان کے قیام و طعام کا انتظام مت کرو

ایک حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت اللہ کا نام لیتا ہے، اور کھانے کے وقت بھی اللہ کا نام لیتا ہے تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ اس گھر میں نہ تو تمہارے لئے رات کو رہنے کی کوئی گنجائش ہے، اور نہ ہی کھانے کے لئے کوئی گنجائش ہے، اس لئے کہ اس شخص نے گھر میں داخل ہوتے وقت بھی اللہ کا نام لے لیا، اور کھانا کھاتے وقت بھی اللہ کا نام لے لیا، اس لئے نہ تو یہاں قیام کا انتظام ہے، اور نہ طعام کا انتظام ہے ــــ اور اگر کسی شخص نے گھر میں داخل ہوتے وقت اللہ کا نام نہیں لیا، اور ویسے ہی گھر میں داخل ہو گیا تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ لو بھائی، تمہارے قیام کا انتظام ہو گیا، تم یہاں رات گزار سکتے ہو۔ کیونکہ یہاں پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا، اور جب وہ شخص کھانا کھاتے وقت بھی اللہ کا نام نہیں لیتا تو اس وقت شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ تمہارے طعام کا بھی انتظام ہو گیا۔

(ابو داؤد، کتاب الاطعمة، باب التسمية علی الطعام، حدیث نمبر ۳۷۶۵)

بہرحال، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا نام نہ لینے سے شیطان کا عمل دخل ہو جاتا ہے، اور گھر کے اندر اس کے قیام کا انتظام ہو جانے اور اس کا عمل دخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اب وہ تمہیں طرح طرح سے ورغلائے گا۔ بہکائے گا اور گناہ پر آمادہ کرے گا۔ ناجائز کاموں پر آمادہ کرے گا اور تمہارے دل میں بدی کے خیالات اور وسوسے ڈالے گا، وہم پیدا کرے گا، اور کھانے کا انتظام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اب جو کھانا تم کھاؤ گے اس میں اللہ کی طرف سے برکت نہیں ہوگی، اور وہ کھانا تمہارے زبان کے چٹخارے کے لئے تو شاید کافی ہو جائے گا۔ لیکن اس کھانے کا نور اور برکت حاصل نہ ہوگی۔

گھر میں داخل ہونے کی دعا

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دو باتوں کی تاکید فرمائی ہے۔ ایک یہ کہ جب آدمی گھر میں داخل ہو تو اللہ کا نام لے کر داخل ہو۔ اور بہتر یہ ہے کہ وہ دعا پڑھے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے وہ یہ ہے کہ:

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَیْرَ الْمَوْلَجِ وَخَیْرَ الْمَخْرَجِ بِسْمِ اللّٰہِ وَلَجْنَا وَبِسْمِ اللّٰہِ خَرَجْنَا وَعَلَی اللّٰہِ رَبِّنَا تَوَکَّلْنَا"

(ابو داؤد، کتاب الآداب، باب مایقول اذاخرج من بیتہ، حدیث نمبر ۵۰۹۶)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب گھر میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے اللہ میں آپ سے بہترین داخلہ مانگتا ہوں کہ میرا داخلہ خیر کے ساتھ ہو، اور جب گھر سے نکلوں تو بھی خیر کے ساتھ نکلوں، اس لئے کہ جب آدمی گھر میں داخل ہوتا ہے تو اس کو کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ میرے پیچھے گھر میں کیا ہو گیا، ہو سکتا ہے کہ گھر میں داخل ہونے کے بعد تکلیف کی خبر ملے، یا رنج اور صدمے اور پریشانی کی خبر ملے، چاہے وہ دنیوی پریشانی کی خبر ہو، یا دینی پریشانی کی خبر ہو ـــــ اس لئے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کر لو کہ یا اللہ، میں گھر میں داخل ہو رہا ہوں، اندر جا کر میں اپنے گھر کو اور گھر والوں کو اچھی حالت میں پاؤں ـــــ اور اس کے بعد پھر ضرورت سے دوبارہ گھر سے نکلنا تو ہو گا، لیکن وہ نکلنا بھی خیر کے ساتھ ہو، کسی

پریشانی، یا دکھ اور تکلیف کی وجہ سے گھر سے نہ نکلنا پڑے: مثلاً گھر میں داخل ہونے کے بعد پتہ چلا کہ گھر والے بیمار ہیں، اب ان کے علاج اور دوا کے لئے گھر سے باہر نکلنا پڑا، یا گھر میں کوئی پریشانی آگئی۔ اور اب اس پریشانی کے مداوا کے لئے گھر سے باہر نکلنا پڑا، تو یہ اچھی حالت اور اچھے مقصد کے لئے نکلنا نہ ہوا، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا تلقین فرما دی کہ گھر میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھ لیا کرو۔

، دعا پڑھنا یاد نہ آئے تو اپنے گھر کے دروازے پر لکھ کر لگالو، تاکہ اس کو دیکھ کر یاد آجائے اس لئے کہ یہ دعا دنیاوی پریشانیوں سے بچانے کا سبب ہے، اور آخرت کا ثواب اور فضیلت الگ حاصل ہوگی۔ لہٰذا جب انسان یہ دعا پڑھتے ہوئے داخل ہوا کہ میرا داخل ہونا بھی خیر کے ساتھ ہو اور میرا نکلنا بھی خیر کے ساتھ ہو تو پھر بتایئے، شیطان کی اس گھر میں قیام کرنے کی گنجائش کہاں باقی رہے گی؟ اس لئے شیطان کہتا ہے کہ اس گھر میں میرے لئے قیام کا انتظام نہیں۔

بڑا پہلے کھانا شروع کرے

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی کھانے میں شریک ہوتے تو ہمارا معمول یہ تھا کہ جب تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کھانا شروع نہ فرماتے، اس وقت تک ہم لوگ کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھاتے تھے، بلکہ اس کا انتظار کرتے تھے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کی طرف ہاتھ بڑھائیں۔ اس وقت ہم کھانا شروع کریں ۔۔۔

اس حدیث سے فقہاء کرام نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ جب کوئی چھوٹا کسی بڑے کے ساتھ کھانا کھا رہا ہو تو ادب کا تقاضا یہ ہے کہ وہ چھوٹا خود پہلے شروع نہ کرے، بلکہ بڑے کے شروع کرنے کا انتظار کرے۔

شیطان کھانا حلال کرنا چاہتا تھا

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کھانے کے وقت ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر تھے، اتنے میں ایک نو عمر بچی بھاگتی ہوئی آئی۔

اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ بھوک سے بیتاب ہے ـــــ اور ابھی تک کسی نے کھانا شروع نہیں کیا تھا، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اب تک کھانا شروع نہیں فرمایا تھا، مگر اس بچی نے آکر جلدی سے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھا دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، اور اس کو کھانا کھانے سے روک دیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد ایک دیہاتی آیا، اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ بھی بھوک سے بہت بے تاب ہے، اور کھانے کی طرف لپک رہا ہے، اس نے بھی آکر کھانے کی طرف ہاتھ بڑھانے کا ارادہ کیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بھی ہاتھ پکڑ لیا، اور اس کو بھی کھانے سے روک دیا۔ اس کے بعد پھر آپ نے تمام صحابہ کرام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"ان الشیطان یستحل الطعام ان لا یذکر اسم اللہ تعالیٰ علیہ وانہ جاء بھذہ الجاریۃ لیستحل بھا، فاخذت بیدھا، فجاء ھذا الاعرابی لیستحل بہ، فاخذت بیدہ، والذی نفسی بیدہ، ان یدہ فی یدی مع یدھا"

(صحیح مسلم کتاب الاشربۃ باب آداب الطعام والشراب واحکامھا۔ حدیث نمبر ۲۰۱۷)

شیطان اس کھانے کو اس طرح اپنے لئے حلال کرنا چاہتا تھا کہ اس کھانے پر اللہ کا نام نہ لیا جائے چنانچہ اس نے اس لڑکی کے ذریعہ کھانا حلال کرنا چاہا، مگر میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کے بعد اس نے اس دیہاتی کے ذریعہ کھانا حلال کرنا چاہا۔ مگر میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اللہ کی قسم شیطان کا ہاتھ اس لڑکی کے ہاتھ کے ساتھ میرے ہاتھ میں ہے۔

بچوں کی نگہداشت کریں

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف اشارہ فرما دیا کہ بڑے کا کام یہ ہے کہ اگر چھوٹا اس کی موجودگی میں اللہ کا نام لئے بغیر شروع کر رہا ہے تو بڑے کو چاہئے کہ وہ اس کو متنبہ کرے اور ضرورت ہو تو اس کا ہاتھ بھی پکڑ لے، اور اس سے کہے کہ پہلے "بسم اللہ" کہو، پھر کھانا کھاؤ۔

آج ہم لوگ بھی اپنے اہل و عیال کے ساتھ کھانے پر بیٹھتے ہیں۔ لیکن اس بات

کا خیال نہیں ہوتا کہ اولاد اسلامی آداب کالحاظ کر رہی ہے یا نہیں؟ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اس بات کی تعلیم دیدی کہ بڑے کا فرض ہے کہ وہ بچوں کی طرف نگاہ رکھے۔ اور ان کو ٹوکتا رہے، اور ان کو اسلامی آداب سکھائے، ورنہ کھانے کی برکت دور ہو جائے گی۔

شیطان نے قے کر دی

حضرت امیہ بن مخشی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ آپ کے سامنے ایک شخص کھانا کھا رہا تھا، اس نے بسم اللہ پڑھے بغیر کھانا شروع کر دیا تھا یہاں تک کہ سارا کھانا کھا لیا۔ صرف ایک لقمہ باقی رہ گیا، جب وہ شخص اس آخری لقمے کو منہ کی طرف لے جانے لگا تو اس وقت یاد آیا کہ میں نے کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ نہیں پڑھی تھی ــــ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ جب آدمی کھانا کھاتے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو کھانے کے دوران جب اس کو بسم اللہ پڑھنا یاد آ جائے اس وقت وہ "بسم اللہ اولہ و آخرہ" پڑھ لے، جب اس شخص نے یہ دعا پڑھی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کو دیکھ کر ہنسنے لگے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جس وقت یہ کھانا کھا رہا تھا تو شیطان بھی اس کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا۔ لیکن جب اس نے اللہ کا نام لیا اور "بسم اللہ اولہ و آخرہ" پڑھ لیا تو شیطا نے جو کچھ کھایا تھا۔ اس کی قے کر دی۔ اور اس کھانے میں اس کا جو حصہ تھا اس ایک چھوٹے سے جملے کی وجہ سے وہ ختم ہو گیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر تبسم فرمایا، اور آپ نے اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ اگر آدمی کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا بھول گیا تو جب یاد آ جائے۔ اس وقت بسم اللہ اولہ و آخرہ پڑھ لے، اس کی وجہ سے اس کھانے کی بے برکتی زائل ہو جائے گی۔

(ابو داؤد۔ کتاب الاطعمة، باب التسمیہ علی الطعام، حدیث نمبر ۳۷۶۸)

یہ کھانا اللہ کی عطا ہے

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ لینا چاہئے اور کہنے کو تو یہ معمولی بات ہے کہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پڑھ کر کھانا

شروع کر دیا۔ لیکن اگر غور کرو گے تو معلوم ہوگا کہ یہ اتنی عظیم الشان عبادت ہے کہ اس کی وجہ سے ایک طرف تو یہ کھانا کھانا عبادت اور باعث ثواب بن جاتا ہے۔ اور دوسری طرف اگر آدمی ذرا دھیان سے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کہہ لے۔ تو اس کی وجہ سے اللہ جل جلالہ کی معرفت کا بہت بڑا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اسلئے کہ یہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پڑھنا حقیقت میں انسان کو اس طرف متوجہ کر رہا ہے کہ جو کھانا میرے سامنے اس وقت موجود ہے یہ میری قوت بازو کا کرشمہ نہیں ہے، بلکہ کسی دینے والے کی عطا ہے۔ میرے بس میں یہ بات نہیں تھی کہ میں یہ کھانا مہیا کر لیتا، اور اس کے ذریعہ اپنی ضرورت پوری کر لیتا۔ اپنی بھوک مٹا دیتا، یہ محض اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور اس کا کرم ہے کہ اس نے مجھے یہ کھانا عطا فرما دیا۔

یہ کھانا تم تک کس طرح پہنچا؟

اور در حقیقت یہ "بسم اللہ" کا پڑھنا اس طرف توجہ دلاتا ہے کہ ذرا غور تو کرو کہ یہ ایک نوالہ جو تم نے منہ میں رکھا اور ایک سیکنڈ میں تم نے حلق سے نیچے اتار لیا۔ اس ایک نوالے کو تمہارے منہ تک پہنچانے کے لئے کائنات کی کتنی قوتیں صرف ہوئیں۔ ذرا سوچو تو سہی کہ روٹی کا یہ ایک ٹکڑا کس طرح تم تک پہنچا؟ کہاں کس کاشت کار نے بیج بونے سے پہلے زمین کو نرم اور ہموار کرنے کے لئے کتنی مدت تک بیلوں کے ذریعہ ہل چلایا؟ اور پھر اس زمین کے اندر بیج ڈالا، اور پھر اس کو پانی دیا، پھر اس کے اوپر مسلسل ہوائیں چلیں، سورج نے اس کے اوپر اپنی روشنی کی کرنیں ڈالیں۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے بادل بھیج کر بارشیں برسائیں۔ اس کے بعد جاکر باریک اور کمزور سی ایک کونپل نمودار ہوئی۔ اور وہ کونپل اتنی کمزور کہ اگر ایک چھوٹا سا بچہ بھی اسکو اپنے ہاتھ سے دبا دے تو وہ مسل جائے۔ لیکن زمین جیسی سخت چیز کا پیٹ پھاڑ کر اس میں شگاف ڈال کر نمودار ہو رہی ہے، پھر اس کونپل سے پودا بنا، اور پودے سے درخت بنا، اور پھر اس کے اوپر خوشے نمودار ہوئے۔ اور پھر اس پر غلے کے دانے پیدا ہوئے، پھر کتنے انسان اس کے توڑنے میں شریک ہوئے، اور کتنے جانوروں نے اس کو روند کر اس کا بھوسہ الگ اور دانہ الگ کیا، پھر وہاں سے کتنے شہروں میں ہوتا ہوا تمہارے شہر میں پہنچا اور کتنے انسان اس کی خرید و

فروخت میں شریک ہوئے پھر کس نے اس گندم کو چکی میں پیس کر آٹا بنایا۔ اور پھر تم اس کو خرید کر اپنے گھر لائے اور کس نے اس آٹا کو گوند کر روٹی پکائی؟ اور جب وہ روٹی تمہارے سامنے آئی تو تم نے ایک لمحے کے اندر منہ میں ڈال کر حلق سے نیچے اتار دیا،

اب ذرا سوچو، کیا یہ تمہاری قدرت میں تھا کہ تم کائنات کی ان ساری قوتوں کو جمع کر کے روٹی کے ایک نوالے کو تیار کر کے حلق سے نیچے اتار لیتے؟ کیا آسمان سے بارش برسانا تمہاری قدرت میں تھا؟ کیا سورج کی کرنوں کو پہنچانا تمہاری قدرت میں تھا؟ کیا تمہاری قدرت میں یہ تھا کہ تم اس کمزور کونپل کو زمین سے نکالتے؟ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ٥ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ٥

(سورہ واقعہ: ۶۳)

یعنی ذرا غور کرو کہ تم جو چیز زمین میں ڈالتے ہو۔ کیا تم اس کے اگانے والے ہو۔ یا ہم اس کو اگاتے ہیں؟ تم اس کے لئے کتنے بھی پیسے خرچ کر لیتے۔ کتنی ہی وسائل جمع کر لیتے، مگر پھر بھی یہ کام تمہارے بس میں نہیں تھا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور جب اس دھیان اور استحضار کے ساتھ کھاؤ گے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور ان کا کرم ہے کہ انہوں نے مجھے عطا فرمایا تو وہ سارا کھانا تمہارے لئے عبادت بن جائیگا۔

مسلمان اور کافر کے کھانے میں امتیاز

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ ـــــ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین ـــــ فرمایا کرتے تھے کہ دین در حقیقت زاویہ نگاہ کی تبدیلی کا نام ہے۔ ذرا سا زاویہ نگاہ بدل لو تو یہی دنیا دین بن جائے گی۔ مثلاً یہی کھانا "بسم اللہ" پڑھے بغیر کھالو۔ اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کے استحضار کے بغیر کھالو۔ تو پھر اس کھانے کی حد تک تم میں اور کافر میں کوئی فرق نہیں۔ اس لئے کھانا کافر بھی کھا رہا ہے اور تم بھی کھا رہے ہو؟ اس کھانے کے ذریعہ سے تمہاری بھوک دور ہو جائے گی، اور زبان کو چٹخارہ مل جائے گا۔ لیکن وہ کھانا تمہاری دنیا ہے، دین سے اس کا کوئی تعلق نہیں،

اور جیسے گائے، بھینس، اور بکری اور دوسرے جانور کھا رہے ہیں۔ اسی طرح تم بھی کھا رہے ہو، دونوں میں کوئی فرق نہیں____

زیادہ کھانا کمال نہیں

دارالعلوم دیوبند کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بڑا حکیمانہ واقعہ ہے۔ ان کے زمانے میں آریہ سماج ہندوؤں نے اسلام کے خلاف بڑا شور مچایا ہوا تھا۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ان آریہ سماج والوں سے مناظرہ کیا کرتے تھے، تاکہ لوگوں پر حقیقت حال واضح ہو جائے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ ایک مناظرہ کے لئے تشریف لے گئے۔ وہاں ایک آریہ سماج کے پنڈت سے مناظرہ تھا۔ اور مناظرہ سے پہلے کھانے کا انتظام تھا، حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بہت تھوڑا کھانے کے عادی تھے، جب کھانا کھانے بیٹھے تو حضرت والا چند نوالے کھا کر اٹھ گئے اور جو آریہ سماج کے عالم تھے، وہ کھانے کے استاد تھے، انہوں خوب ڈٹ کر کھایا، جب کھانے سے فراغت ہوئی تو میزبان نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ حضرت آپ نے تو بہت تھوڑا سا کھانا کھایا، حضرت نے فرمایا کہ مجھے جتنی خواہش تھی اتنا کھالیا____ وہ آریہ سماج بھی قریب بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے حضرت سے کہا کہ مولانا آپ کھانے کے مقابلے میں تو ابھی سے ہار گئے، اور یہ آپ کے لئے بدفالی ہے کہ جب آپ کھانے پر ہار گئے تو اب دلائل کا مقابلہ ہو گا تو اس میں بھی آپ ہار جائیں گے۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ بھائی اگر کھانے کے اندر مناظرہ اور مقابلہ کرنا تھا تو مجھ سے کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ کسی بھینس سے یا بیل سے کر لیا ہوتا۔ اگر اس سے مناظرہ کریں گے تو آپ یقیناً بھینس سے ہار جائیں گے میں تو دلائل میں مناظرہ کرنے آیا تھا۔ کھانے میں مناظرہ اور مقابلہ کرنے تو نہیں آیا تھا____

جانور اور انسان میں فرق

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس جواب میں اس طرف اشارہ فرمادیا کہ اگر غور سے دیکھو تو کھانے پینے کے اندر انسان اور جانور میں کوئی فرق نہیں۔ جانور بھی کھاتا

ہے، اور انسان بھی کھاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر جانور کو رزق دیتے ہیں اور بسا اوقات ان کو تم سے اچھا رزق دیتا ہے۔ لیکن ان کے درمیان اور تمہارے درمیان فرق یہ ہے کہ تم کھانا کھاتے وقت اپنے کھلانے والے کو فراموش نہ کرو، بس جانور اور انسان میں یہی فرق ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی مخلوق کو دعوت

واقعہ لکھا ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ساری دنیا پر حکومت عطا فرمادی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی یا اللہ جب آپ نے مجھے ساری دنیا پر حکومت عطا فرمادی تو میرا دل چاہتا ہے کہ میں آپ کی ساری مخلوق کی ایک سال تک دعوت کروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ کام تمہاری قدرت اور بس میں نہیں۔ انہوں نے پھر درخواست کی یا اللہ ایک ماہ کی دعوت کی اجازت دیدیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تمہاری قدرت میں نہیں، آخر میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ یا اللہ ایک دن کی اجازت دیدیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اس کی بھی قدرت نہیں رکھتے، لیکن اگر تمہارا اصرار ہے تو چلو ہم تمہیں اس کی اجازت دیدیتے ہیں، جب اجازت مل گئی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات اور انسانوں کو اجناس اور غذائیں جمع کرنے کا حکم دیا۔ اور کھانا پکنا شروع ہوا۔ اور کئی مہینوں تک کھانا تیار ہوتا رہا اور پھر سمندر کے کنارے ایک بہت لمبا چوڑا دسترخوان بچھایا گیا اور اس پر کھانا چنا گیا۔ اور ہوا کہ حکم دیا کہ وہ اس پر چلتی رہے تاکہ کھانا خراب نہ ہو جائے۔ اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی یا اللہ کھانا تیار ہو گیا ہے۔ آپ اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھیج دیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم پہلے سمندری مخلوق میں سے ایک مچھلی کو تمہاری دعوت کھانے کے لئے بھیج دیتے ہیں، چنانچہ ایک مچھلی سمندر سے نکلی اور کہا کہ اے سلیمان، معلوم ہوا ہے کہ آج تمہاری طرف سے دعوت ہے؟ انہوں نے فرمایا ہاں تشریف لائیں۔ کھانا تناول کریں چنانچہ اس مچھلی نے دسترخوان کے ایک کنارے سے کھانا شروع کیا اور دوسرے کنارے تک سارا کھانا ختم کر گئی، پھر حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا کہ اور لائیں، حضرت سلیمان نے فرمایا کہ تم تو سارا کھانا کھا گئیں۔ مچھلی نے کہا کہ کیا میزبان کی

طرف سے مہمان کو یہی جواب دیا جاتا ہے۔ جب سے میں پیدا ہوئی ہوں۔ اس وقت سے لے کر آج تک ہمیشہ پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہے۔ لیکن آج تمہاری دعوت کی وجہ سے بھوکی رہی ہوں۔ اور جتنا کھانا تم نے تیار کیا تھا اللہ تعالیٰ روزانہ مجھے اتنا کھانا دن میں دو مرتبہ کھلاتے ہیں۔ مگر آج پیٹ بھر کے کھانا نہیں ملا ــــــ بس، حضرت سلیمان علیہ السلام فوراً سجدے میں گر گئے، اور استغفار کیا۔

(نفحۃ العرب ص ۱۱۰)

کھانا کھا کر اللہ کا شکر ادا کرو

بہر حال، اللہ تعالیٰ ہر ایک مخلوق کو رزق دے رہے ہیں، سمندر کی تہہ میں اور اس کی تاریکیوں میں رزق عطا فرما رہے ہیں، قرآن کریم میں ہے کہ:

"وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا"

(سورہ ھود: ٦)

یعنی کوئی جاندار زمین پر چلنے والا ایسا نہیں ہے کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو، لہٰذا کھانے کی حد تک تمہارے اور جانوروں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس کو بھی مل رہی ہیں۔ جانوروں کو چھوڑیئے، اللہ تعالیٰ تو اپنے ان دشمنوں کو بھی رزق دے رہا ہے جو اللہ کے وجود کا انکار کر رہے ہیں۔ خدا کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ خدا کی توہین کر رہے ہیں۔ جو اس کے لائے ہوئے دین کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو بھی رزق دے رہا ہے۔ لہٰذا کھانے کے اعتبار سے تم میں اور ان میں کیا فرق ہے؟ وہ فرق یہ ہے کہ جانور اور کافر اور مشرک صرف زبان کے چٹخارے اور پیٹ کی آگ بجھانے کی خاطر کھاتا ہے، اس لئے وہ کھانا کھاتے وقت اللہ کا نام نہیں لیتا۔ اللہ کا ذکر نہیں کرتا، تم مسلمان ہو۔ تم ذرا سا خیال اور دھیان کر کے۔ اس کھانے کو اللہ کی عطا سمجھ کر، اس کا نام لے کر کھاؤ۔ اور پھر اس کا شکر ادا کرو، تو یہی کھانا دین بن جائے گا۔

ہر کام کے وقت زاویہ نگاہ بدل لو

میرے حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے سالہا سال اس بات کی مشق ہے۔ مثلاً گھر میں داخل ہوا، اور کھانے کا وقت آیا، اور دسترخوان پر

بیٹھے۔ کھانا سامنے آیا۔ اب بھوک شدید ہے۔ اور کھانا بھی لذیذ ہے، دل چاہ رہا ہے کہ فوراً کھانا شروع کر دوں۔ لیکن ایک لمحے کے لئے کھانے سے رک گیا اور دل سے کہا کہ یہ کھانا نہیں کھائیں گے۔ اس کے بعد دوسرے لمحے یہ سوچا کہ یہ کھانا اللہ کی عطا ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے یہ میرے قوت بازو کا کرشمہ نہیں ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کھانا سامنے آتا تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر کے اس کو کھالیا کرتے تھے۔ اس لئے میں بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اس کھانے کو کھاؤں گا۔ اس کے بعد بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرتا۔

گھر میں داخل ہوئے۔ اور بچہ کھیلتا ہوا اچھا معلوم ہوا۔ دل چاہا کہ اس کو گود میں اٹھا کر پیار کریں۔ لیکن ایک لمحے کے لئے رک گئے۔ اور سوچا کہ محض دل کے چاہنے پر بچے کو گود میں نہیں لیں گے، پھر دوسرے لمحے یہ خیال لائے کہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بچوں سے محبت فرمایا کرتے تھے۔ اور ان کو گود میں لے لیا کرتے تھے۔ اب میں بھی آپ کی سنت کی اتباع میں بچے کو گود میں اٹھاؤں گا۔ اس کے بعد بچے کو اٹھالیا ــــ حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ میں نے سالہا سال تک اس عمل کی مشق کی ہے اور یہ شعر سنایا کرتے تھے کہ:

جگر پانی کیا ہے مدتوں غم کی کشاکشی میں
کوئی آسان ہے کیا خوگر آزار ہو جانا

سالہا سال کی مشق کے بعد یہ چیز حاصل ہوئی ہے۔ اور الحمدللہ اب تخلف نہیں ہوتا۔ اب جب بھی اس قسم کی کوئی نعمت سامنے آتی ہے تو پہلے ذہن اس طرف جاتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ اور پھر اس پر شکر ادا کر کے بسم اللہ پڑھ کر اس کام کو کر لیتا ہوں۔ اور اب عادت پڑ گئی ہے، اور اسی کو زاویہ نگاہ کی تبدیلی کہتے ہیں، اس کے نتیجے میں دنیا کی چیز دین بن جاتی ہے۔

کھانا ــــ ایک نعمت

ایک مرتبہ حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ کے ساتھ ایک دعوت میں گئے۔ جب دسترخوان پر کھانا آیا، اور کھانا شروع کیا گیا تو حضرت والا نے فرمایا کہ تم ذرا غور کرو

کہ اس ایک کھانے میں جو تم اس وقت کھا رہے ہو، اس میں اللہ تعالیٰ کی مختلف قسم کی کتنی نعمتیں شامل ہیں، سب سے پہلے تو کھانا مستقل نعمت ہے۔ اس لئے اگر انسان شدید بھوکا ہو، اور بھوک کی وجہ سے مر رہا ہو، اور کھانے کی کوئی چیز میسر نہ ہو۔ تو اس وقت خواہ کتنا ہی خراب سے خراب کھانا اس کے سامنے لایا جائے، وہ اس کو بھی غنیمت سمجھ کر کھانے کے لئے تیار ہو جائے گا، اور اس کو بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت سمجھے گا، اس سے معلوم ہوا کہ کھانا اچھا ہو، یا برا ہو، لذیذ ہو، یا بے مزہ ہو، وہ کھانا بذات خود ایک نعمت ہے۔ اس لئے کہ وہ بھوک کی تکلیف کو دور کر رہا ہے۔

کھانے کی لذت ــــ دوسری نعمت

دوسری نعمت یہ ہے کہ یہ کھانا مزیدار بھی ہے۔ اپنی طبیعت کے مطابق بھی ہے، اب اگر کھانا تو موجود ہوتا۔ لیکن مزیدار نہ ہوتا، اور اپنی طبیعت کے موافق نہ ہوتا تو ایسے کھانے کو کھا کر کسی طرح پیٹ بھر کر بھوک مار لیتے، لیکن لذت حاصل نہیں ہوتی۔

عزت سے کھانا ملنا ــــ تیسری نعمت

تیسری نعمت یہ ہے کہ کھلانے والا عزت سے کھلا رہا ہے۔ اب اگر کھانا بھی میسر ہوتا، اور مزیدار بھی ہوتا، لذیذ بھی ہوتا، لیکن کھلانے والا ذلت کے ساتھ کھلاتا، اور جیسے کسی نوکر اور غلام کو کھلایا جاتا ہے، اس طرح ذلیل کر کے کھلاتا۔ تو اس وقت اس کھانے کی ساری لذت دھری رہ جاتی، اور سارا مزہ خراب ہو جاتا جیسے کسی نے کہا ہے کہ:

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

لہٰذا اگر کوئی شخص ذلیل کر کے کھانا کھلا رہا ہے، تو اس کھانے میں کوئی لطف نہیں، وہ کھانا بے حقیقت ہے، الحمدللہ ہمیں یہ تیسری نعمت بھی حاصل ہے کہ کھلانے والا عزت سے کھلا رہا ہے۔

بھوک لگنا ــــ چوتھی نعمت

چوتھی نعمت یہ ہے کہ بھوک اور کھانے کی خواہش بھی ہے۔ اس لئے کہ اگر کھانا بھی میسر ہوتا۔ اور وہ کھانا لذیذ بھی ہوتا، اور کھلانے والا عزت سے بھی کھلاتا، لیکن بھوک نہ ہوتی، اور معدہ خراب ہوتا، تو اس صورت میں اعلیٰ سے اعلیٰ کھانا بھی بیکار ہے، اس لئے کہ انسان ان کو نہیں کھا سکتا، تو الحمدللہ، کھانا بھی لذیذ ہے، کھلانے والا عزت سے کھلا رہا ہے، اور کھانے کی بھوک اور خواہش بھی موجود ہے۔

کھانے کے وقت عافیت ــــ پانچویں نعمت

پانچویں نعمت یہ ہے کہ عافیت اور اطمینان کے ساتھ کھا رہے ہیں۔ کوئی پریشانی نہیں ہے، اس لئے کہ اگر کھانا تو لذیذ ہوتا، کھلانے والا عزت سے بھی کھلاتا، بھوک بھی ہوتی، لیکن طبیعت میں کوئی ایسی پریشانی لاحق ہوتی، کوئی فکر طبیعت پر ہوتی یا اس وقت کوئی خطرناک قسم کی خبر مل جاتی، جس سے دل و دماغ پریشان اور ماؤف ہو جاتا، تو ایسی صورت میں بھوک ہوتے ہوئے بھی وہ کھانا انسان کے لئے بیکار ہو جاتا۔ الحمدللہ، عافیت اور اطمینان حاصل ہے، کوئی ایسی پریشانی نہیں ہے، جس کی وجہ سے کھانا بے لذت بے مزہ ہو جاتا۔

دوستوں کے ساتھ کھانا ــــ چھٹی نعمت

چھٹی نعمت یہ ہے کہ اپنے احباب اور دوستوں کے ساتھ مل کر کھانا کھا رہے ہیں، اگر یہ سب نعمتیں حاصل ہوتیں۔ لیکن اکیلے بیٹھے کھا رہے ہوتے، اس لئے کہ تنہا کھانے میں اور اپنے دوست احباب کے ساتھ مل کر کھانے میں بڑا فرق ہے۔ اپنے دوست احباب کے ساتھ مل کر کھانے میں جو کیف اور لطف حاصل ہوتا ہے وہ تنہا کھاتے وقت حاصل نہیں ہو سکتا، لہٰذا یہ ایک مستقل نعمت ہے، بہر حال، فرمایا کرتے تھے کہ یہ کھانا ایک نعمت ہے، لیکن اس ایک کھانے میں اللہ تعالیٰ کی کتنی نعمتیں شامل ہیں تو کیا پھر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرو گے؟

یہ کھانا عبادتوں کا مجموعہ ہے

لہذا جب یہ کھانا اس استحضار کے ساتھ کھایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں، تو پھر ہر نعمت پر اللہ کا شکر ادا کر کے کھانا کھاؤ۔ اور جب اس طرح ہر نعمت پر شکر ادا کرتے ہوئے کھاؤ گے تو ایک طرف تو کھانے کے اندر عبادتوں میں اضافہ ہو رہا ہے، اس لئے کہ اگر صرف "بسم اللہ" پڑھ کر کھانا کھا لیتے، اور ان نعمتوں کا استحضار نہ کرتے، تو بھی وہ کھانا عبادت بن جاتا، لیکن کئی نعمتوں کا استحضار کرتے ہوئے اور ان پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کھانا کھایا تو یہ کھانا بہت سی عبادتوں کا مجموعہ بن گیا۔ اور اس کے نتیجے میں یہ کھانا جو حقیقت میں دنیا ہے۔ ایک طرف اس کے ذریعے لذت بھی حاصل ہو رہی ہے، اور دوسری طرف تمہاری نیکیوں میں بھی اضافہ کا سبب بن رہا ہے۔ بس اسی کا نام "زاویہ نگاہ کی تبدیلی" ہے، اس زاویہ نگاہ کی تبدیلی سے انسان کی دنیا بھی دین بن جاتی ہے۔ مولانا شیخ سعدیؒ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

ابرو بادو مہ و خورشید و فلک در کار اند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

(گلستان سعدیؒ)

یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ آسمان، یہ زمین، یہ بادل، یہ چاند، یہ سورج، ان سب کو تمہاری خدمت کے لئے لگایا ہوا ہے۔ تاکہ ایک روٹی تمہیں حاصل ہو جائے، مگر اس روٹی کو غفلت کے ساتھ مت کھانا، بس تمہارا کام صرف اتنا ہی ہے، بلکہ اللہ کا نام لے کر۔ اللہ کا ذکر کر کے کھاؤ، اور اگر کھانے سے پہلے بھول جاؤ تو جب یاد آ جائے، اس وقت "بسم اللہ اولہ و آخرہ" پڑھ لو۔

نفل کام کی تلافی

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ نے اس حدیث کی بنیاد پر جس میں دعا بھول جانے کا ذکر ہے، فرمایا کہ جب بھی آدمی کوئی نفلی عبادت اپنے وقت پر ادا کرنا بھول گیا۔ یا کسی عذر کی وجہ سے وہ نفلی عبادت نہ کر سکا، تو یہ نہ سمجھے کہ بس اب

اس نفلی عبادت کا وقت تو چلا گیا، اب چھٹی ہو گئی، بلکہ بعد میں جب موقع مل جائے، اس نفلی عبادت کو کر لے ـــــ چنانچہ ایک مرتبہ ہم لوگ حضرت والا قدس اللہ سرہ کے ساتھ ایک اجتماع میں شرکت کے لئے جا رہے تھے، مغرب کے وقت وہاں پہنچنا تھا، مگر ہمیں نکلتے ہوئے دیر ہو گئی، جس کی وجہ سے مغرب کی نماز راستے میں ہی ایک مسجد میں پڑھی، چونکہ خیال یہ تھا کہ وہاں پر لوگ منتظر ہوں گے۔ اس لئے حضرت والا نے صرف تین فرض اور دو سنتیں پڑھیں۔ اور ہم نے بھی تین فرض اور دو سنتیں پڑھ لیں اور وہاں سے جلدی روانہ ہو گئے، تاکہ جو لوگ انتظار کر رہے ہیں، ان کو انتظار زیادہ نہ کرنا پڑے، چنانچہ تھوڑی دیر بعد وہاں پہنچ گئے، اجتماع ہوا۔ پھر عشاء کی نماز بھی وہیں پڑھی، اور رات کے دس تک اجتماع رہا۔ پھر جب حضرت والا وہاں سے رخصت ہونے لگے تو ہم لوگوں کو بلا کر پوچھا کہ بھائی، آج مغرب کے بعد کی اوبین کہاں گئی؟ ہم نے کہا کہ حضرت، وہ تو آج رہ گئی۔ چونکہ راستے میں جلدی تھی۔ اس لئے نہیں پڑھ سکے، حضرت والا نے فرمایا کہ رہ گئیں، اور بغیر کسی معاوضے کے رہ گئیں! ہم نے کہا کہ حضرت چونکہ لوگ انتظار میں تھے، جلدی پہنچنا تھا، اس عذر کی وجہ سے اوابین کی نماز رہ گئی۔ حضرت نے فرمایا کہ الحمد للہ، جب میں نے عشاء کی نماز پڑھی، تو عشاء کی نماز کے ساتھ جو نوافل پڑھا کرتا ہوں ان کے علاوہ مزید چھ رکعتیں پڑھ لیں، اب اگرچہ وہ نوافل اوابین نہ ہوں۔ اس لئے کہ اوابین کا وقت تو مغرب کے بعد ہے۔ لیکن یہ سوچا کہ وہ چھ رکعتیں جو چھوٹ گئی تھیں۔ کسی طرح ان کی تلافی کر لی جائے۔ الحمد للہ میں نے تو اب چھ رکعتیں پڑھ کر اوبین کی تلافی کر لی ہے ـــــ اب تم جانو، تمہارا کام۔

پھر فرمایا کہ تم مولوی ہو، یہ کہو گے کہ نوافل کی قضا نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ مسئلہ یہ ہے کہ فرائض اور واجبات کی قضا ہوتی ہے۔ سنت اور نفل کی قضا نہیں ہوتی، آپ نے اوابین کی قضا کیسے کر لی؟ تو بھائی تم نے وہ حدیث پڑھی ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر تم کھانے کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول جاؤ، تو جب درمیان میں یاد آ جائے تو اس وقت پڑھ لو، اور اگر آخر میں یاد آ جائے۔ اس وقت پڑھ لو۔ اب دعا پڑھنا کوئی فرض و واجب تو تھا نہیں۔ پھر آپ نے یہ کیوں فرمایا کہ بعد میں پڑھ لو۔ بات دراصل یہ ہے کہ ایک نفل اور مستحب کام جو ایک نیکی کا کام تھا

اور جس کے ذریعہ نامہ اعمال میں اضافہ ہو سکتا تھا۔ وہ اگر کسی وجہ سے چھوٹ گیا تو اس کو بالکلیہ مت چھوڑو، دوسرے وقت کر لو۔ اب چاہے اس کو "قضا" کہو یا نہ کہو۔ لیکن اس نفل کام کی تلافی ہو جائے ____

یہی باتیں بزرگوں سے سیکھنے کی ہوتی ہیں، اس دن حضرت والا نے ایک عظیم باب کھول دیا۔ ہم لوگ واقعی یہی سمجھتے تھے، اور فقہ کی اندر لکھا ہے کہ نوافل کی قضا نہیں ہوتی، لیکن اب معلوم ہوا کہ ٹھیک ہے، قضا تو نہیں ہو سکتی، لیکن تلافی تو ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ اس نفل کے چھوٹنے کی وجہ سے نقصان ہو گیا نیکیاں تو گئیں، لیکن بعد میں جب اللہ تعالیٰ فراغت کی نعمت عطا فرمائے۔ اس وقت اس نفل کو ادا کر لو ____ اللہ تعالیٰ حضرت والا کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

دسترخوان اٹھاتے وقت کی دعا

"عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا رفع مائدتہ قال: الحمد للہ کثیرا طیبا مبارکا فیہ، غیر مکفی ولا مودع ولا مستغنی عنہ ربنا"

(صحیح بخاری، کتاب الاطعمۃ باب مایقول اذا فرغ من طعامہ، حدیث نمبر ۵۴۵۸)

حضرت ابو امامۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب دسترخوان اٹھتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھا کرتے تھے "الحمد للہ حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ، غیر مکفی ولا مودع ولا مستغنی عنہ ربنا۔" یہ عجیب و غریب دعا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی، اس کی تلقین اس لئے فرمائی کہ انسان کا بھی عجیب مزاج ہے، وہ یہ کہ جب انسان کو کسی چیز کی شدید خواہش اور حاجت ہوتی ہے، اس وقت تو وہ اس کے لئے شدید بیتاب ہوتا ہے۔ لیکن جب اس چیز کی حاجت پوری ہو جائے، اور اس سے دل بھر جائے تو پھر اسی چیز سے اس کو نفرت ہونے لگتی ہے مثلاً جب انسان کو بھوک لگتی ہے تو اس وقت اس کو کھانے کی طرف رغبت اور شوق تھا۔ اور کھانے کی طرف طبیعت مائل ہو رہی تھی، لیکن جب پیٹ بھر گیا اور بھوک مٹ گئی تو اس کے بعد اگر وہی کھانا دوبارہ لایا جائے، تو طبیعت اسی سے نفرت کرتی ہے اور بعض اوقات کھانے کے تصور سے متلی آنے لگتی ہے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعا کے ذریعے

یہ تعلیم دی کہ یہ تمہارے دل میں کھانے کی نفرت پیدا ہو رہی ہے۔ اس نفرت کے نتیجے میں کہیں اللہ کے رزق کی ناقدری اور ناشکری نہ ہو جائے، اس لئے آپ نے یہ دعا فرمائی کہ یا اللہ! اس وقت یہ دسترخوان ہم اپنے سامنے سے اٹھا تو رہے ہیں، لیکن اس وجہ سے نہیں اٹھا رہے ہیں کہ ہمارے دل میں اس کی قدر نہیں بلکہ اسی کھانے نے ہماری بھوک بھی مٹائی، اور اسی کھانے کے ذریعہ ہمیں لذت بھی حاصل ہوئی، اور نہ اس وجہ سے اٹھا رہے ہیں کہ ہم اس سے مستغنی، اور بے نیاز ہیں، اے اللہ! ہم اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتے، اس لئے کہ دوبارہ ہمیں اس کی ضرورت اور حاجت پیش آئے گی ــــ دسترخوان اٹھاتے وقت یہ دعا کر لو، تاکہ اللہ تعالیٰ کے رزق کی ناقدری نہ ہو، اور دوسری اس بات کی دعا بھی ہو جائے کہ یا اللہ، ہمیں دوبارہ یہ رزق عطا فرمائیے۔

کھانے کے بعد کی دعا پڑھ کر گناہ معاف کرالیں

عن معاذ بن انس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من اکل طعاماً فقال! الحمد للہ الذی اطعمنی ھذا ورزقنیہ من غیر حول منی ولا قوۃ غفر لہ ماتقدم من ذنبہ"

(ترمذی، کتاب الدعوات باب مایقول اذا فرغ من الطعام، حدیث نمبر ۳۴۵۴)

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کھانا کھانے کے بعد اگر یہ الفاظ کہے: "اس اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا، اور میری طاقت اور قوت کے بغیر یہ کھانا مجھے عطا فرمایا۔" اس کے یہ کہنے سے اللہ تعالیٰ اس کے تمام پچھلے گناہ معاف فرما دیتے ہیں ــــ اب آپ اندازہ لگائیں کہ یہ چھوٹا سا عمل ہے، لیکن اس کا اجر و ثواب یہ ہے کہ تمام پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ یہ ان کا کتنا بڑا کرم ہے۔

عمل چھوٹا، ثواب عظیم

یہ بات میں پہلے بھی کئی بار عرض کر چکا ہوں کہ جہاں کہیں احادیث میں یہ آتا ہے کہ فلاں عمل سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس سے مراد صغیرہ گناہ ہوتے ہیں اور کبیرہ گناہوں کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ وہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے، اسی طرح حقوق العباد بھی صاحب حق کے معاف کئے بغیر معاف نہیں ہوتے، لیکن اللہ تعالیٰ صغیرہ گناہوں کو نیک عمل کے ذریعہ بھی معاف فرما دیتے ہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص کھانا کھانے کے بعد یہ دعا پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام صغیرہ گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔ اور وہ آدمی صغیرہ گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے، یہ اتنا چھوٹا سا عمل ہے، لیکن اس پر ثواب اتنا عظیم ہے، ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہم سب کو نسخہ کیمیا بتا گئے، اب چاہے اس دعا کو آدمی زور سے پڑھے، یا ہلکی آواز سے پڑھے، یا دل میں پڑھ لے تو بھی شکر کی نعمت حاصل ہو جاتی ہے، اور آدمی اس نعمت کا مستحق ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان آداب پر ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ــــــ

کھانے کے اندر عیب مت نکالو

"عن ابی هريرة رضی الله عنه قال: ماعاب رسول الله صلى الله عليه وسلم طعامًا قط، ان اشتهاه اكله، وان كرهه تركه"

(صحیح بخاری، کتاب الاطعمۃ باب ماعاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم طعاماً حدیث نمبر ۵۴۰۹)

حضرت ابو ہرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا۔ اور کسی کھانے کی برائی نہیں کی، اگر اس کے کھانے کی خواہش ہوتی تو کھا لیتے، اور اگر کھانے کی خواہش نہ ہوتی تو اس کو چھوڑ دیتے" ــــ یعنی اگر کھانا پسند نہیں ہے تو اس کو نہیں کھایا، مگر اس کی برائی بیان نہیں کرتے تھے، اس لئے کہ جو کھانا ہے، وہ چاہے ہمیں پسند آرہا ہو، یا پسند نہ آرہا ہو، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ رزق ہے، اور اللہ کے عطا کئے ہوئے رزق کا احترام اور اس کی تعظیم ہمارے ذمے واجب ہے ــــ

کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

یوں تو اس کائنات میں کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت اور مصلحت کے بغیر پیدا کی ہو، اس کائنات میں ہر چیز اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور مصلحت کے تحت پیدا فرمائی ہے، ہر چیز کا کوئی نہ کوئی عمل اور فائدہ ضرور ہے، اقبال مرحوم نے خوب کہا کہ ؂

نہیں کوئی چیز نکمی زمانے میں
کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں کوئی چیز بری پیدا نہیں فرمائی، تکوینی اعتبار سے سب اچھی ہیں۔ ہر ایک کے اندر کوئی نہ کوئی تکوینی مصلحت ضرور ہے۔ البتہ جب ہمیں کسی چیز کی حکمت اور مصلحت کا پتہ نہیں لگتا تو ہم کہہ دیتے ہیں کہ یہ چیز بری ہے، ورنہ حقیقت میں کوئی چیز بری نہیں۔ حتیٰ کہ وہ مخلوقات جو بظاہر موذی اور تکلیف دہ معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً سانپ بچھو ہیں۔ ان کو ہم اس لئے برا سمجھتے ہیں کہ بعض اوقات یہ ہمیں نقصان پہنچاتے ہیں۔ لیکن کائنات کے مجموعی انتظام کے لحاظ سے ان میں بھی کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت ضرور ہے۔ ان میں فائدہ موجود ہے۔ چاہے ہمیں پتہ چلے یا نہ چلے۔

ایک بادشاہ ایک مکھی

ایک بادشاہ کا قصہ لکھا ہے کہ وہ ایک دن اپنے دربار میں بڑے شان و شوکت سے بیٹھا ہوا تھا، ایک مکھی آکر اس کی ناک پر بیٹھ گئی، اس بادشاہ نے اس کو اڑا دیا، وہ پھر آکر بیٹھ گئی، اس نے دوبارہ اڑایا، وہ پھر آکر بیٹھ گئی۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ بعض مکھیاں بہت لیچڑ قسم کی ہوتی ہیں، ان کو کتنا ہی اڑالو، وہ دوبارہ اسی جگہ پر آکر بیٹھ جاتی ہیں وہ بھی اس قسم کی تھی، بادشاہ نے اس وقت کہا کہ خدا جانے یہ مکھی اللہ تعالیٰ نے کیوں پیدا کی؟ یہ تو تکلیف ہی تکلیف پہنچا رہی ہے، اس کا کوئی فائدہ تو نظر نہیں آتا، اس وقت دربار میں ایک بزرگ موجود تھے۔ ان بزرگ نے اس بادشاہ سے کہا کہ اس مکھی کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ تم جیسے جابر اور متکبر انسانوں کے دماغ درست کرنے کے لئے پیدا کی

ہے، تم اپنی ناک پر مکھی بیٹھنے نہیں دیتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے دکھا دیا کہ تم اتنے عاجز ہو کہ اگر ایک مکھی تمہیں ستانا چاہے تو تمہارے اندر اتنی بھی طاقت نہیں ہے کہ اپنے آپ کو اس کی تکلیف سے بچالو ــــ اس کی پیدائش کی یہی حکمت اور مصلحت کیا کم ہے ــــ بہر حال اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کسی نہ کسی مصلحت اور حکمت کے تحت پیدا کی ہے۔

ایک بچھو کا عجیب واقعہ

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ مشہور بزرگ اور علم کلام کے ماہر گزرے ہیں۔ جنہوں نے "تفسیر کبیر" کے نام سے قرآن کی مشہور تفسیر لکھی ہے۔ اس تفسیر میں صرف سورہ فاتحہ کی تفسیر دو سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اور اس تفسیر میں سورۃ فاتحہ کی پہلی آیت۔ "الحمدللہ رب العالمین" کی تفسیر کے تحت ایک واقعہ لکھا ہے کہ میں نے ایک بزرگ سے خود ان کا اپنا واقعہ سنا، وہ بغداد میں رہتے تھے۔ وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ ایک دن شام کو سیر کرنے کے لئے "دریائے دجلہ" کے کنارے کی طرف چلا گیا، جب میں دریائے دجلہ کے کنارے کنارے چلنے لگا تو میں نے دیکھا کہ میرے آگے ایک بچھو چلا جا رہا ہے میرے دل میں خیال آیا کہ یہ بچھو بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے، اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کسی نہ کسی حکمت اور مصلحت کے تحت ہی پیدا کیا ہے، اب اس وقت پتہ نہیں کہاں سے آ رہا ہے؟ کہاں جا رہا ہے؟ اس کی منزل کیا ہے؟ وہاں جا کر کیا کرے گا۔ میرے دل میں خیال آیا کہ میرے پاس تو وقت ہے، میں سیر کے لئے نکلا ہوں، آج میں اس بچھو کا تعاقب کرتا ہوں کہ یہ کہاں جاتا ہے چنانچہ وہ بچھو آگے آگے چلتا رہا۔ اور میں اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا، چلتے چلتے اس نے پھر دریا کی طرف رخ کیا اور کنارے پر جا کر کھڑا ہو گیا۔ میں بھی قریب ہی کھڑا ہو گیا، تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ دریا میں ایک کچھوا تیرتا ہوا آ رہا ہے، وہ کچھوا آ کر کنارے لگ گیا اور یہ بچھو چلانگ لگا کر اس کی پشت پر سوار ہو گیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے دریا عبور کرنے کے لئے کشتی بھیج دی۔ چنانچہ وہ کچھوا اس کو اپنی پیٹھ پر سوار کر کے روانہ ہو گیا، چونکہ میں نے یہ طے کر لیا تھا کہ آج میں یہ دیکھوں گا کہ بچھو کہاں جا رہا ہے، اس لئے میں نے بھی کشتی کرائے پر لی اور اس کے پیچھے روانہ ہو گیا۔ حتیٰ کہ اس کچھوے نے دریا پار کیا، اور جا کر

اسی طرح دوسرے کنارے جاکر لگ گیا، اور وہ بچھو چھلانگ لگا کر اتر گیا۔ اب بچھو آگے چلا اور میں نے اس کا پھر تعاقب کرنا شروع کر دیا۔

آگے میں نے دیکھا کہ ایک آدمی ایک درخت کے نیچے سو رہا ہے، میرے دل میں خیال آیا کہ شاید یہ بچھو اس آدمی کو کاٹنے جارہا ہے۔ میں نے سوچا کہ میں جلدی سے اس آدمی کو بیدار کر دوں، تاکہ وہ شخص اس بچھو سے بچ جائے۔ لیکن جب میں اس آدمی کے قریب گیا تو میں نے دیکھا کہ ایک زہریلا سانپ اپنا پھن اٹھائے اس آدمی کے سر کے پاس کھڑا ہے، اور قریب ہے کہ وہ سانپ اس کو ڈس لے، اتنے میں یہ بچھو تیزی کے ساتھ سانپ کے اوپر سوار ہو گیا، اور اس کو ایک ایسا ڈنگ مارا کہ وہ سانپ بل کھاکر زمین پر گر پڑا، اور تڑپنے لگا، پھر وہ بچھو وہاں سے کسی اور منزل پر روانہ ہو گیا، اچانک اس وقت اس سونے والے شخص کی آنکھ کھل گئی اور اس نے دیکھا کہ قریب سے ایک بچھو جارہا ہے، اس نے فوراً ایک پتھر اٹھاکر اس بچھو کو مارنے کے لئے دوڑا، میں قریب ہی کھڑا ہوا یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ اس لئے میں نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور اس سے کہا کہ تم جس بچھو کو مارنے جارہے ہو یہ تمہارا محسن ہے، اور اس نے تمہاری جان بچائی ہے، حقیقت میں یہ سانپ جو یہاں مرا ہوا پڑا ہے، تم پر حملہ کرنے والا تھا، اور قریب تھا کہ ڈنگ مار کر تمہیں موت کے گھاٹ اتار دے، لیکن اللہ تعالیٰ نے بہت دور سے اس بچھو کو تمہاری جان بچانے کے لئے بھیجا ہے، اور اب تم اسی بچھو کو مارنے کی کوشش کر رہے ہو —— وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے اس روز اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا یہ کرشمہ دیکھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ اس بچھو کو دریا کے دوسرے کنارے سے اس شخص کی جان بچانے کے لئے یہاں لائے —— بہر حال، دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کے پیدا کرنے میں کوئی نہ کوئی تکوینی حکمت اور مصلحت نہ ہو۔

نجاست میں پیدا ہونے والے کیڑے

ایک اور قصہ دیکھا، معلوم نہیں کہ صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو بڑی عبرت کا واقعہ ہے، وہ یہ کہ ایک صاحب ایک دن قضا حاجت کر رہے تھے، قضاء حاجت میں ان کو سفید سفید کیڑے نظر آئے۔ جو بعض اوقات پیٹ کے اندر پیدا ہو جاتے ہیں ان صاحب

کے دل میں یہ خیال آیا کہ اور جتنی مخلوق ہے ان سب کی پیدائش کی کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت سمجھ میں آتی ہے۔ لیکن یہ جاندار مخلوق، جو نجاست میں پیدا ہو جاتی ہے۔ نجاست کے ساتھ نکلتی ہے، اور نجاست کے ساتھ ہی بہادی جاتی ہے۔ اس کا کوئی عمل اور فائدہ ہی نظر نہیں آتا، پتہ نہیں اللہ تعالیٰ نے یہ مخلوق کس مصلحت سے پیدا کی ہے؟

کچھ عرصہ کے بعد ان صاحب کی آنکھ میں کچھ تکلیف ہوئی، اب تکلیف کے خاتمے کے لئے سارے علاج کر لئے۔ مگر کوئی فائدہ نہ ہو، آخر میں ایک پرانا کوئی طبیب تھا۔ اس کے پاس جا کر بتایا کہ یہ تکلیف ہے۔ اس کا کیا علاج ہے؟ اس طبیب نے بتایا کہ اس کا کوئی اور علاج نہیں ہے۔ البتہ ایک علاج ہے جو کبھی کبھی کار آمد ہو جاتا ہے۔ وہ یہ کہ انسان کے جسم میں جو کیڑے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کیڑوں کو پیس کر اگر لگایا جائے تو اس کے ذریعہ سے بعض اوقات یہ بیماری دور ہو جاتی ہے ــــــ اس وقت میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ! اب میری سمجھ میں یہ بات آگئی کہ آپ نے ان کیڑوں کو کس مصلحت سے پیدا کیا ہے ــــــ

غرض کائنات کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے، جس کی کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت نہ ہو، اللہ تعالیٰ کے علم میں ہر چیز کے فوائد اور حکمتیں اور مصلحتیں ہیں، بالکل اسی طرح جو کھانا آپ کو پسند نہیں ہے، یا اس کے کھانے کو طبیعت نہیں چاہتی، لیکن اس کی پیدائش میں کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت ضرور ہے اور کم از کم یہ بات موجود ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا رزق ہے اور اس کا احترام کرنا ضروری ہے۔ اس لئے اگر کوئی کھانا پسند نہیں ہے تو اس کو مت کھاؤ، لیکن اس کو برا بھی مت کہو۔ بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جب کھانا پسند نہیں آیا تو اس میں عیب نکالنے شروع کر دیتے ہیں کہ اس میں یہ خرابی ہے۔ یہ تو بد ذائقہ ہے۔ ایسی باتیں کہنا درست نہیں۔

رزق کی ناقدری مت کرو

یہ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی اعلیٰ درجے کی تعلیم ہے کہ اللہ کے رزق کا احترام کرو، اس کا ادب کرو، اس کی بے ادبی نہ کرو، آج کل ہمارے معاشرے

میں یہ اسلامی ادب بری طرح پامال ہو رہا ہے۔ ہر چیز میں ہم نے غیروں کی نقالی شروع کی تو اس میں بھی ایسا ہی کیا۔ اور اللہ کے رزق کا کوئی ادب باقی نہیں رہا، کھانا بچا تو اٹھا کر اس کو کوڑے میں ڈال دیا، بعض اوقات دیکھ کر دل لرزتا ہے، یہ سب مسلمانوں کے گھروں میں ہو رہا ہے، خاص طور پر دعوتوں میں اور ہوٹلوں میں غذاؤں کے بڑے بڑے ڈھیر اس طرح کوڑے میں ڈال دیئے جاتے ہیں، حالانکہ ہمارے دین کی تعلیم یہ ہے کہ اگر روٹی کا چھوٹا سا ٹکڑا بھی کہیں پڑا ہوا ہو تو اس کی بھی تعظیم کرو، اس کا بھی ادب کرو، اور اس کو اٹھا کر کسی اونچی جگہ رکھ دو۔

حضرت تھانوی اور رزق کی قدر

میں نے اپنے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ سنا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہوئے اس دوران ایک صاحب نے آپ کو پینے کے لئے دودھ لا کر دیا، آپ نے وہ دودھ پیا، اور تھوڑا سا بچ گیا، وہ بچا ہوا دودھ آپ نے سرہانے کی طرف رکھ دیا، اتنے میں آپ کی آنکھ لگ گئی۔ جب بیدار ہوئے تو ایک صاحب جو پاس کھڑے تھے ان سے پوچھا کہ بھائی وہ تھوڑا سا دودھ بچ گیا تھا، وہ کہاں گیا؟ تو ان صاحب نے کہا کہ حضرت وہ تو پھینک دیا۔ ایک گھونٹ ہی تھا، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تم نے اللہ کی اس نعمت کو پھینک دیا۔ تم نے بہت غلط کام کیا، اگر میں اس دودھ کو نہیں پی سکا، تو تم خود پی لیتے، کسی اور کو پلا دیتے، یا بلی کو پلا دیتے، یا طوطے کو پلا دیتے۔ اللہ کی کسی مخلوق کے کام آ جاتا، تم نے اس کو کیوں پھینکا؟ اور پھر ایک اصول بیان فرما دیا کہ:

"جن چیزوں کی زیادہ مقدار سے انسان اپنی عام زندگی میں فائدہ اٹھاتا ہے۔ ان کی تھوڑی مقدار کی قدر اور تعظیم اس کے ذمہ واجب ہے۔"

مثلاً کھانے کی بڑی مقدار کو انسان کھاتا ہے، اس سے اپنی بھوک مٹاتا ہے، اپنی ضرورت پوری کرتا ہے، لیکن اگر اسی کھانے کا تھوڑا سا حصہ بچ جائے تو اس کا احترام اور توقیر بھی اس کے ذمہ واجب ہے، اس کو ضائع کرنا جائز نہیں، یہ اصل بھی در حقیقت اسی

حدیث سے ماخوذ ہے کہ اللہ کے رزق کی ناقدری مت کرو، اس کو کسی نہ کسی مصرف میں لے آؤ۔

دستر خوان جھاڑنے کا صحیح طریقہ

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے دارالعلوم دیوبند میں ایک استاد تھے۔ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو "حضرت میاں صاحب" کے نام سے مشہور تھے، بڑے عجیب و غریب بزرگ تھے، ان کی باتیں سن کر صحابہ کرام کے زمانے کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ان کی خدمت میں گیا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ کھانے کا وقت ہے۔ آؤ کھانا کھا لو، میں ان کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھ گیا۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو میں نے دستر خوان کو لپیٹنا شروع کیا، تاکہ میں جاکر دستر خوان جھاڑ دوں، تو حضرت میاں صاحب نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا: کیا کر رہے ہو؟ میں نے کہا کہ حضرت دستر خوان جھاڑنے جا رہا ہوں۔ حضرت میاں صاحب نے پوچھا کہ دستر خوان جھاڑنا آتا ہے؟ میں نے کہا کہ حضرت، دستر خوان جھاڑنا کونسا فن یا علم ہے، جس کے لئے باقاعدہ تعلیم کی ضرورت ہو، باہر جاکر جھاڑ دوں گا۔ حضرت میاں صاحب نے فرمایا کہ اسی لئے تو میں نے تم سے پوچھا تھا کہ دستر خوان جھاڑنا آتا ہے یا نہیں؟ معلوم ہوا کہ تمہیں دستر خوان جھاڑنا نہیں آتا۔ میں نے کہا پھر آپ سکھا دیں، فرمایا کہ ہاں دستر خوان جھاڑنا بھی ایک فن ہے۔

پھر آپ نے اس دستر خوان کو دوبارہ کھولا اور اس دستر خوان پر جو بوٹیاں یا بوٹیوں کے ذرات تھے، ان کو ایک طرف کیا۔ اور ہڈیوں کو جن پر کچھ گوشت وغیرہ لگا ہوا تھا، ان کو ایک طرف کیا، اور روٹی کے ٹکڑوں کو ایک طرف کیا، اور روٹی کے جو چھوٹے چھوٹے ذرات تھے، ان کو ایک طرف جمع کیا، پھر مجھ سے فرمایا کہ دیکھو۔ یہ چار چیزیں ہیں، اور میرے یہاں ان چاروں چیزوں کی علیحدہ علیحدہ جگہ مقرر ہے، یہ جو بوٹیاں ہیں ان کی فلاں جگہ ہے، بلی کو معلوم ہے کہ کھانے کے بعد اس جگہ بوٹیاں رکھی جاتی ہیں، وہ آکر ان کو کھالیتی ہے، اور ان ہڈیوں کے لئے فلاں جگہ مقرر ہے، محلے کے کتوں کو وہ جگہ

معلوم ہے۔ وہ آکر ان کو کھالیتے ہیں، اور یہ جو روٹیوں کے ٹکڑے ہیں، ان کو میں اس دیوار پر رکھتا ہوں، یہاں پرندے، چیل، کوے آتے ہیں، اور وہ ان کو اٹھا کر کھالیتے ہیں، اور یہ جو روٹی کے چھوٹے چھوٹے ذرات ہیں، تو میرے گھر میں چونٹیوں کا بل ہے، ان کو اس بل کے پاس رکھ دیتا ہوں، وہ چونٹیں اس کو کھالیتی ہیں ــــ پھر فرمایا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کا رزق ہے۔ اس کا کوئی حصہ ضائع نہیں جانا چاہئے۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اس دن ہمیں معلوم ہوا کہ دسترخوان جھاڑنا بھی ایک فن ہے اور اس کو بھی سیکھنے کی ضرورت ہے۔

آج ہمارا حال

آج ہمارا یہ حال ہے کہ دسترخوان کو جاکر کوڑے دان کے اندر جھاڑ دیا، اللہ کے رزق کے احترام کا کوئی اہتمام نہیں، ارے یہ ساری اللہ تعالیٰ کی مخلوقات ہیں۔ جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ رزق پیدا کیا، اگر تم نہیں کھا سکتے تو کسی اور مخلوق کے لئے اس کو رکھ دو، پہلے زمانے میں بچوں کو یہ سکھایا جاتا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا رزق ہے۔ اس کا احترام کرو، اگر کہیں روٹی کا ٹکڑا نظر آتا تو اس کو چوم کر ادب کے ساتھ اونچی جگہ پر رکھ دیتے ــــ لیکن جوں جوں مغربی تہذیب کا غلبہ ہمارے معاشرے پر بڑھ رہا ہے، رفتہ رفتہ اسلامی آداب رخصت ہو رہے ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ کھانا پسند آئے تو کھالو، اور اگر پسند نہ آئے تو کم از کم اس میں عیب مت نکالو، اس کی ناقدری اور بے حرمتی مت کرو، اس سنت کو دوبارہ زندہ کرنے کی ضرورت ہے ــــ یہ سب باتیں کوئی قصہ کہانی یا کوئی افسانہ نہیں ہے، بلکہ یہ سب باتیں عمل کرنے کے لئے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے رزق کا ادب اور اس کی تعظیم کریں، اور ان آداب کو اپنائیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھائے اور جو ہمارے دین کا حصہ ہیں۔ جو ہمارے دین کا طرہ امتیاز ہیں۔ اور یہ جو مغرب نے جو بلائیں ہم پر نازل کی ہیں۔ ان سے چھٹکارہ حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عمل عطا فرمائے۔ آمین ــــ

سرکہ بھی ایک سالن ہے

"عن جابر رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سئل اھلہ الادم، فقالوا: ماعندنا الا الخل، فدعابہ، فجعل یاکل، ویقول: نعم الادم الخل، نعم الادم الخل۔ الخل۔" (صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، باب فضیلۃ الخل، والتادم بہ، حدیث نمبر ۲۰۵۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لے گئے اور گھر والوں سے فرمایا کہ کچھ سالن ہو تو لے آؤ۔ (روٹی موجود تھی) گھر والوں نے کہا ہمارے پاس تو سرکے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے، سرکہ رکھا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہی لے آؤ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سرکے کو روٹی کے ساتھ تناول فرمانا شروع کیا اور ساتھ میں بار بار یہ فرماتے جاتے کہ سرکہ بڑا اچھا سالن ہے، سرکہ بڑا اچھا سالن ہے۔

آپ کے گھر کی حالت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا یہ حال تھا کہ کوئی سالن موجود نہیں، حالانکہ روایات میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سال کے شروع میں تمام ازواج مطہرات کے پاس پورے سال کا نان نفقہ اور خرچہ بھیج دیا کرتے تھے۔ لیکن وہ ازواج بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج تھیں۔ ان کے یہاں صدقات، خیرات اور دوسرے مصارف کی اتنی کثرت تھی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بسا اوقات تین تین مہینے تک ہمارے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ دو چیزوں پر ہمارا گزارا ہوتا تھا کہ کھجور کھالی اور پانی پی لیا،"

(صحیح بخاری، کتاب الھبۃ، باب نمبر ایک، حدیث نمبر ۲۵۶۷)

نعمت کی قدر فرماتے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نعمت میسر آجاتی اس کی قدر فرماتے، اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا فرماتے، حالانکہ عام معاشرے میں سرکہ کو بطور سالن کے استعمال نہیں کیا جاتا۔ بلکہ زبان کا ذائقہ بدلنے کے لئے لوگ سرکے کو سالن کے ساتھ ملا کر کھاتے ہیں، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی

سرکے سے روٹی تناول فرمائی اور ساتھ ساتھ اس کی اتنی تعریف فرمائی کہ بار بار آپ نے فرمایا کہ یہ بڑا اچھا سالن ہے یہ بڑا اچھا سالن ہے۔

کھانے کی تعریف کرنی چاہئے

اسی حدیث کے تحت حضرات محدثین نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اس نیت سے سرکہ استعمال کرے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تناول فرمایا، اور اس کی تعریف فرمائی، تو انشاء اللہ، اس نیت کی وجہ سے اس کو سرکہ کھانے پر بھی ثواب ملے گا ــــــ اس حدیث سے دوسرا مسئلہ یہ نکلتا ہے کہ جو کھانا آدمی کو پسند آئے، اس کو چاہئے کہ وہ اس کھانے کی کچھ تعریف بھی کرے، تعریف کرنے کا ایک مقصد تو اس کھانے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ کھانا عنایت فرمایا ــــــ دوسرے یہ کہ جس نے وہ کھانا تیار کیا ہے، اس تعریف کے ذریعہ اس کا دل خوش ہو جائے۔ یہ بھی کھانے کے آداب میں سے ہے، یہ نہ ہو کہ کھانے کے ذریعہ پیٹ کی بھوک مٹائی۔ اور زبان کا چٹخارہ بھی پورا کیا۔ اور کھانا کھا کے اٹھ گئے۔ لیکن زبان پر ایک کلمہ بھی شکر اور تعریف کا نہ آیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھئے کہ آپ نے سرکے کی اتنی تعریف فرمائی، لہٰذا جب کھانے پکانے والے نے محنت کی، اور اپنے آپ کو آگ اور چولھے کے سامنے پیش کر کے تمہارے لئے کھانا تیار کیا، اس کا اتنا تو حق ادا کرو کہ دو کلمے بول کر اس کی تعریف کر دو، اور اس کی ہمت افزائی کر دو، جو شخص تعریف کے دو کلمے بھی ادا نہ کرے، وہ بڑا بخیل ہے۔

پکانے والے کی تعریف کرنی چاہئے

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ نے ایک مرتبہ اپنا یہ واقعہ سنایا کہ ایک صاحب میرے پاس آیا کرتے تھے، وہ اور ان کی بیوی دونوں نے اصلاحی تعلق بھی قائم کیا ہوا تھا۔ ایک دن انہوں نے اپنے گھر پر میری دعوت کی، میں چلا گیا، اور جا کر کھانا کھا

لیا۔ کھانا بڑا لذیذ اور بہت اچھا بنا ہوا تھا ___ حضرت والا قدس اللہ سرہ کی ہمیشہ کی یہ عادت تھی کہ جب کھانے سے فارغ ہوتے تو اس کھانے کی اور کھانا بنانے والی خاتون کی تعریف ضرور کرتے، تاکہ اس پر اللہ کا شکر بھی ادا ہو جائے، اور اس خاتون کا دل بڑھ جائے ___ چنانچہ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو وہ خاتون پردے کے پیچھے آئیں، اور آکر حضرت والا کو سلام کیا، تو حضرت والا نے فرمایا کہ تم نے بڑا لذیذ اور بہت اچھا کھانا پکایا۔ کھانے میں بڑا مزہ آیا ___ حضرت فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ کہا تو پردے کے پیچھے سے اس خاتون کے رونے اور سسکیاں لینے کی آواز آئی ___ میں حیران ہو گیا کہ معلوم نہیں میری کس بات سے ان کو تکلیف ہوئی، اور ان کا دل ٹوٹا ___ میں نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ آپ کیوں رو رہی ہیں؟ ان خاتون نے بمشکل اپنے رونے پر قابو پاتے ہوئے کہا کہ حضرت مجھے ان (شوہر) کے ساتھ رہتے ہوئے چالیس سال ہو گئے ہیں، لیکن اس پورے عرصے میں ان کی زبان سے میں نے یہ جملہ نہیں سنا کہ "آج کھانا بڑا اچھا پکا ہے" آج جب آپ کی زبان سے یہ جملہ سنا تو مجھے رونا آگیا ___ چونکہ وہ صاحب حضرت والا کے زیر تربیت تھے۔ اس لئے حضرت والا نے ان سے فرمایا کہ خدا کے بندے، ایسا بھی کیا بخل کرنا کہ آدمی کسی کی تعریف میں دو لفظ نہ کہے، جس سے اس کے دل کو خوشی ہو جائے ___ لہذا کھانے کے بعد اس کھانے کی تعریف اور اس کے پکانے والے کی تعریف کرنی چاہئے، تاکہ اس کھانے پر اللہ کا شکر بھی ادا ہو جائے اور کھانا بنانے والے کا دل بھی خوش ہو جائے ___

ہدیہ کی تعریف

عام طور پر تو لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جب ان کو ہدیہ پیش کیا جائے تو وہ تکلفاً کہتے ہیں کہ بھائی، اس ہدیہ کی کیا ضرورت تھی۔ آپ نے بیکار میں تکلف کیا ___ لیکن ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ کو دیکھا کہ جب حضرت کے بے تکلف احباب میں سے کوئی محبت کے ساتھ ان کی خدمت میں ہدیہ پیش کرتا، تو حضرت والا تکلف نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ اس ہدیہ کی طرف بہت اشتیاق کا اظہار فرماتے، اور یہ کہتے بھائی، تم تو ایسی چیز لے آئے جس کی ہمیں ضرورت تھی ___

ایک مرتبہ میں حضرت والا کی خدمت میں ایک کپڑا لے گیا، اور مجھے اس بات کا تصور بھی نہیں تھا کہ حضرت والا اس پر اتنی خوشی کا اظہار فرمائیں گے ـــــ چنانچہ جب میں نے وہ پیش کیا تو حضرت والا نے فرمایا کہ ہمیں ایسے کپڑے کی ضرورت تھی۔ ہم تو اس کی تلاش میں تھے، اور فرمایا کہ جس رنگ کا کپڑا لائے ہو، یہ رنگ تو ہمیں بہت پسند ہے۔ اور یہ کپڑا بھی بہت اچھا ہے ـــــ بار بار اس کی تعریف کرتے، اور فرماتے تھے کہ جب ایک شخص محبت سے ہدیہ لے کر آیا ہے تو کم از کم اتنی تعریف تو اس کی کرو کہ اس کی محبت کی قدر دانی ہو جائے، اور اس کا دل خوش ہو جائے کہ جو چیز میں نے ہدیہ میں پیش کی، وہ پسند آگئی، اور یہ جو حدیث شریف میں ہے کہ: "تھادوا تحابوا" یعنی آپس میں ہدیہ دیا کرو، اور اس کے ذریعہ محبت میں اضافہ کرو ـــــ تو محبت میں اضافہ کا ذریعہ اس وقت ہو گا جب تم ہدیہ وصول کر کے اس پر پسندیدگی اور محبت کا اظہار کرو۔

بندوں کا شکریہ ادا کر دو

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ

(ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی الشکر لمن احسن الیک، حدیث نمبر ۱۹۵۴)

یعنی جو شخص انسانوں کا شکر ادا نہیں کرتا۔ وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا ـــــ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص بھی تمہارے ساتھ محبت اور اخلاص کا معاملہ کرے، اور اس کے ذریعہ سے تمہیں کوئی فائدہ پہنچے تو کم از کم زبان سے اسکا شکریہ ادا کر دو، اور اسکی تعریف میں دو کلمے تو کہہ دو ـــــ یہ سنت ہے۔ اس لئے کہ یہ سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہیں۔ اگر ہم ان طریقوں کو اپنا لیں تو دیکھو کتنی محبتیں پیدا ہوتی ہیں، اور تعلقات میں کتنی خوشگواریاں پیدا ہوتی ہیں ـــــ اور یہ عداوتیں اور نفرتیں، یہ بغض اور یہ سب دشمنیاں ختم ہو جائیں گی۔ بشرطیکہ انسان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر ٹھیک ٹھیک عمل کرلے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ـــــ

حضور کا سوتیلے بیٹے کو ادب سکھانا

"عن عمرو بن ابی سلمة رضی الله عنهما قال: کنت غلامًا فی حجر رسول الله صلی الله علیه وسلم، وکانت یدی تطیش فی الصحفة قال لی رسول الله صلی الله علیه وسلم: یاغلام، سم الله، وکل بیمینك وکل ممایلیك".

(صحیح بخاری، کتاب الاطعمة باب التسمیة علی الطعام، حدیث نمبر ۵۳۷٦)

یہ حدیث پیچھے گزر چکی ہے حضرت عمرو بن ابی سلمة رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سوتیلے بیٹے تھے، حضرت ام سلمة رضی اللہ عنہا پہلے حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں، ان کے انتقال کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تھا، اور یہ حضرت عمرو بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ حضرت ابو سلمہ کے بیٹے تھے، نکاح کے بعد یہ بھی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آگئے تھے، اس طرح یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سوتیلے بیٹے بن گئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تربیت رہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب میں بچہ تھا، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تربیت تھا، ایک مرتبہ جب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانے کے لئے بیٹھا، تو کھانے کے دوران میرا ہاتھ کھانے کے برتن میں چاروں طرف حرکت کرتا تھا۔ ایک نوالہ اس طرف سے کھا لیا، دوسرا نوالہ اس طرف سے کھالیا۔ تیسرے نوالہ کسی اور طرف سے کھالیا، اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری یہ حرکت دیکھی تو آپ نے فرمایا: اے لڑکے، کھانا شروع کرنے سے پہلے اللہ کا نام لو۔ بسم اللہ پڑھو۔ اور داہنے ہاتھ سے کھاؤ، اور اپنے سامنے سے کھاؤ، یعنی برتن کا جو حصہ تمہارے سامنے ہے، اس سے کھاؤ۔

اپنے سامنے سے کھانا ادب ہے

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تین آداب بیان فرمائے۔ پہلا ادب یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھاؤ۔ اس کے بارے میں پچھے تفصیل سے بیان ہو گیا ــــ دوسرا ادب یہ ہے کہ داہنے ہاتھ سے کھاؤ۔ اس کا بیان بھی پیچھے آچکا ہے

تیسرا ادب یہ بیان فرمایا کہ اپنے سامنے سے کھاؤ، ادھر ادھر ہاتھ نہ لے جاو، اس ادب پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تاکید فرمائی ہے۔ اس کی ایک وجہ تو بالکل ظاہر ہے، وہ یہ کہ اگر انسان کھانا اپنے سامنے سے کھائے گا تو اس صورت میں اگر کھانے کا کچھ حصہ بچ جائے گا، تو وہ بد نما اور برا نہیں معلوم ہو گا، ورنہ اگر چاروں طرف سے کھائے گا، تو اس صورت میں جو کھانا بچ جائے گا، وہ بد نما ہو جائے گا، اور دوسرا آدمی اس کو کھانا چاہے گا تو اس کو کراہیت ہوگی، جس کے نتیجے میں اس کھانے کو ضائع کرنا پڑیگا، اس لئے فرمایا کہ اپنے سامنے سے کھاؤ ــــــ

کھانے کے وسط میں برکت نازل ہوتی ہے

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کھانا سامنے رکھا جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کھانے کے وسط اور درمیان میں برکت نازل ہوتی ہے۔ اب اگر اس کھانے کے درمیان ہی سے کھالیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کھانے کی برکت ختم ہو گئی، اس لئے اگر ایک طرف سے کھانا کھایا جائے گا، تو اللہ تعالیٰ کی برکت زیادہ دیر تک برقرار رہے گی ــــــ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ یہ برکت کیا چیز ہے؟ درمیان میں کس طرح نازل ہوتی ہے؟ یہ ساری باتیں ایسی ہیں، جن کو ہم اپنی محدود عقل سے نہیں سمجھ سکتے، یہ اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں۔ وہ جانیں اور ان کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جانیں، ہمیں اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ بس ہمیں تو یہ ادب سکھا دیا کہ اپنے سامنے سے کھاؤ، ادھر ادھر سے مت کھاؤ۔

(ترمذی، کتاب الاطعمة باب ماجاء فی کراھیة الاکل من وسط الطعام، حدیث نمبر ۱۸۰۶)

اگر مختلف اشیاء ہوں تو آگے ہاتھ بڑھا سکتے ہیں

لیکن یہ ادب اس وقت ہے، جب کھانا ایک قسم کا ہو۔ اگر برتن کے اندر مختلف انواع کی چیزیں رکھی ہیں۔ تو اس صورت میں اپنی پسند اور اپنی مطلب کی چیز لینے کے لئے ہاتھ ادھر ادھر، دائیں بائیں جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ــــــ چنانچہ حضرت

عکراش بن زئیب رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کسی جگہ دعوت میں تشریف لے جانے لگے تو آپ نے مجھے بھی ساتھ لے لیا۔ جب ہم وہاں پہنچے تو ہمارے سامنے دسترخوان پر "ثرید" لایا گیا۔ "ثرید" اسے کہتے ہیں کہ روٹی کے ٹکڑے توڑ کر شوربے میں بھگو دیئے جاتے ہیں۔ پھر اس کو کھایا جاتا ہے۔ یہ کھانا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند تھا۔ اور آپ نے اس کی فضیلت بھی بیان فرمائی ہے کہ "ثرید" بڑا اچھا کھانا ہے ـــــ بہرحال، حضرت عکراش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے ثرید کھانا شروع کیا تو ایک کام تو یہ کیا کہ میں نے بسم اللہ نہیں پڑھی، ویسے ہی کھانا شروع کر دیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ کھانے سے پہلے اللہ کا نام لو، اور بسم اللہ پڑھو۔ اس کے بعد دوسرا کام یہ کیا کہ میں کھانے کے دوران ایک نوالہ یہاں سے لیتا، دوسرا آگے سے لیتا۔ کبھی ادھر سے کبھی ادھر سے نوالہ لیتا، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میری یہ حرکت دیکھی تو آپ نے فرمایا:

"یا عکراش، کل من موضع واحد، فانہ طعام واحد"

اے عکراش، اپنے سامنے سے کھانا کھاؤ، اس لئے کہ ایک ہی قسم کا کھانا ہے، چنانچہ میں نے ایک ہی جگہ سے کھانا شروع کر دیا، جب کھانے سے فارغ ہو گئے تو ہمارے سامنے ایک بڑا تھال لایا گیا، جس میں مختلف قسم کی کھجوریں تھیں۔ کوئی کسی رنگ کی، کوئی کسی رنگ کی، کوئی عمدہ، کوئی درمیانی، کوئی تر، کوئی خشک ـــــ مثل مشہور ہے کہ دودھ کا جلا چھاج بھی پھونک کر پیتا ہے ـــــ چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے تلقین فرمائی تھی کہ اپنے سامنے سے کھانا چاہئے، اس لئے میں صرف اپنے سامنے کی کھجوریں کھاتا رہا، اور میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کا ہاتھ کبھی یہاں جا رہا ہے، کبھی وہاں جا رہا ہے، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا کہ میں ایک ہی جگہ سے کھا رہا ہوں، تو آپ نے فرمایا:

"یا عکراش، کل من حیث شئت، فانہ غیر لون واحد"

اے عکراش، اب جہاں سے چاہو، کھاؤ۔ اس لئے کہ یہ کھجوریں مختلف قسم کی ہیں، اب مختلف جگہوں سے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں ـــــ بہرحال، اس حدیث میں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ادب سکھا دیا کہ جب ایک قسم کا کھانا ہو تو اپنے سامنے سے کھانا چاہئے، اور جب مختلف قسم کے کھانے دسترخوان پر چنے ہوئے ہوں تو ادھر ادھر ہاتھ بڑھانے میں کوئی مضائقہ نہیں ــــــ

(ترمذی، کتاب الاطعمۃ، باب ماجاء فی التسمیۃ علی الطعام حدیث نمبر ۱۸۴۹)

بائیں ہاتھ سے کھانا جائز نہیں

"وعن سلمة بن الاكوع رضي الله عنه، ان رجلا اكل عند رسول الله صلى الله عليه وسلم بشماله، فقال، كل بيمينك، قال: لا استطيع، قال: لا استطعت، ما منعه الا الكبر، فما رفعها الى فيه"

(صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، باب آداب الطعام والشراب، حدیث نمبر ۲۰۲۱)

حضرت سلمۃ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ: دائیں ہاتھ سے کھانا کھاؤ، اس شخص نے جواب میں کہا کہ میں دائیں ہاتھ سے نہیں کھا سکتا (بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص منافق تھا، اور اس کے دائیں ہاتھ میں کوئی خرابی اور عذر بھی نہیں تھا، ویسے ہی اس نے جھوٹ بول دیا کہ میں نہیں کھا سکتا) اس لئے کہ بعض لوگوں کی طبیعت ایسی ہوتی ہے کہ وہ غلطی کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے، بلکہ اپنی بات پر اڑے رہتے ہیں ــــــ اسی طرح یہ شخص بھی بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹوکا، شاید اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹوکنا پسند نہیں آیا۔ اس لئے اس نے صاف کہہ دیا کہ میں دائیں ہاتھ سے نہیں کھا سکتا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جھوٹ بول دیا ــــــ اور نبی کے سامنے جھوٹ بولنا، یا غلط بات کہنا اور بلا وجہ اپنی غلطی کو چھپانا اللہ تعالیٰ کو انتہائی ناپسند ہے۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بددعا دیتے ہوئے فرمایا:

لا استطعت

یعنی تمہیں دائیں سے کھانے کی کبھی طاقت نہ ہو ــــــ چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ اس

کے بعد اس شخص کی یہ حالت ہو گئی کہ اگر کبھی اپنے دائیں ہاتھ کو منہ تک لیجانا بھی چاہتا تب بھی نہیں اٹھا سکتا تھا، اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ آمین۔

غلطی کا اعتراف کر کے معافی مانگ لینی چاہیے

اصول یہ ہے کہ اگر بشری تقاضے کے وجہ سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے، پھر وہ انسان ندامت اور شرمندگی کا اظہار کرے تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں، لیکن غلطی ہو، اور پھر اس غلطی پر اصرار ہو، اور سینہ زوری ہو اور اس کو صحیح ثابت کرنے کی کوششیں بھی کرے، اور پھر نبی کے سامنے جھوٹ بولے، یہ بڑا سنگین گناہ ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی کے حق میں بد دعا کرنا شاذ و نادر ہی ثابت ہے۔ حتی کہ آپ نے اپنے دشمنوں کے حق میں بد دعا نہیں فرمائی، جو لوگ آپ کے مقابلے میں لڑ رہے ہیں۔ آپ پر تلوار اٹھا رہے ہیں۔ اور آپ پر تیروں کی بارش کر رہے ہیں، ان کے لئے بھی آپ نے بد دعا نہیں فرمائی، بلکہ یہ دعا دی کہ:

اللھم اھد قومی فانھم لایعلمون

اے اللہ، میری قوم کو ہدایت دیدیجئے۔ یہ مجھے جانتے نہیں ــــ لیکن یہ موقع ایسا تھا کہ آپ کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا تھا کہ یہ شخص تکبر کی وجہ سے بطور عناد کے منافقت کی بنیاد پر دائیں ہاتھ سے کھانے سے انکار کر رہا ہے، حقیقت میں اس کو کوئی عذر نہیں ہے۔ اس لئے آپ نے اس کے حق میں بد دعا کا کلمہ ارشاد فرمایا، اور وہ بد دعا فوراً قبول ہو گئی ــــ

اپنی غلطی پر اڑنا درست نہیں

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر آدمی غلط کاری اور گناہوں میں مبتلا ہو۔ پھر بھی بزرگوں اور اللہ والوں کے پاس اسی حال میں چلا جائے۔ اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن وہاں جا کر اگر جھوٹ بولے گا یا اپنی غلطی پر اڑا رہے گا تو یہ بڑی خطرناک بات ہے ــــ انبیاء علیہم السلام کی شان تو بہت بڑی ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انبیاء کی وارثین پر بھی اللہ تعالیٰ بعض اوقات یہ فضل فرما

دیتے ہیں کہ ان کو تمہاری حقیقت حال سے باخبر فرمادیتے ہیں، ـــــ چنانچہ حضرت ڈاکٹر صاحب ہی نے حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ کا یہ واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ حضرت والا کی مجلس ہو رہی تھی۔ حضرت والا وعظ فرما رہے تھے، ایک صاحب اسی مجلس میں دیوار یا تکیہ کا ٹیک لگا کر متکبرانہ انداز میں بیٹھ گئے۔ اسی طرح ٹیک لگا کر پاؤں پھیلا کر بیٹھنا مجلس کے ادب کے خلاف ہے ـــــ اور جو شخص بھی مجلس میں آتا تھا، وہ اپنی اصطلاح ہی کی غرض سے آتا تھا، اس لئے کوئی غلط کام کرتا تو حضرت والا کا فرض تھا کہ اس کو ٹوکیں، چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کو ٹوک دیا، اور فرمایا کہ اس طرح بیٹھنا مجلس کے ادب کے خلاف ہے، آپ ٹھیک سے ادب کے ساتھ بیٹھ جائیں، ان صاحب نے بجائے سیدھے بیٹھنے کے عذر بیان کرتے ہوئے کہا: حضرت میری کمر میں تکلیف ہے۔ اس کی وجہ سے میں اس طرح بیٹھا ہوں ـــــ بظاہر وہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ آپ کا یہ ٹوکنا غلط ہے۔ اس لئے کہ آپ کو کیا معلوم کہ میں کس حالت میں ہوں۔ کس تکلیف میں مبتلا ہوں، آپکو مجھے ٹوکنا نہیں چاہئے تھا ـــــ حضرت ڈاکٹر صاحب خود بیان فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کو آپ نے ایک لمحے کے لئے گردن جھکائی، اور آنکھ بند کی۔ اور پھر گردن اٹھا کر اس سے فرمایا کہ آپ جھوٹ بول رہے ہیں، آپ کی کمر میں کوئی تکلیف نہیں ہے۔ آپ مجلس سے اٹھ جائیے ـــــ یہ کہہ کر ڈانٹ کر اٹھا دیا ـــــ اب بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت والا کو کیا پتہ کہ اس کی کمر میں تکلیف ہے یا نہیں؟ لیکن بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنے کسی نیک بندے کو کسی واقعے کی خبر عطا فرما دیتے ہیں ـــــ لہٰذا بزرگوں سے جھوٹ بولنا، یا ان کو دھوکہ دینا بڑی خطرناک بات ہے، اگر غلطی ہو جائے، اور کوتاہی ہو جائے، اس کے بعد آدمی اس پر نادم ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اس پر توبہ کی توفیق دیدے تو انشاء اللہ وہ گناہ اور غلطی معاف ہو جائے گی

بہر حال حضرت والا نے اس شخص کو مجلس سے اٹھا دیا، بعد میں لوگوں نے اس سے پوچھا تو اس نے صاف صاف بتا دیا کہ واقعۃً حضرت والا نے صحیح فرمایا تھا، میری کمر میں کوئی تکلیف نہیں تھی، میں نے محض اپنی بات رکھنے کے لئے یہ بات بنائی تھی

بزرگوں کی شان میں گستاخی سے بچو

دیکھئے گناہ، غلطی، کوتاہی، دنیا میں کس سے نہیں ہوتی؟ انسان سے غلطی اور کوتاہی ہو ہی جاتی ہے، اگر کوئی شخص بزرگوں کی بات پر نہیں چل رہا ہے تو بھی اللہ تعالیٰ کسی وقت توبہ کی توفیق دیدیں گے، اس کی خطا کو معاف فرمادیں گے ___ لیکن بزرگوں کی شان میں گستاخی کرنا، یا ان کے لئے برے کلمات زبان سے نکالنا، اور اپنے گناہ کو صحیح ثابت کرنا، یہ اتنی بری لعنت ہے کہ بسا اوقات اس کی وجہ سے ایمان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بچائے ___ اس لئے اگر کسی اللہ والے کی کوئی بات پسند نہ آئے۔ تو کوئی بات نہیں، ٹھیک ہے پسند نہیں آئی ___ لیکن اس کی وجہ سے ان کے حق میں کوئی ایسا کلمہ نہ کہو۔ جو بے عزتی اور گستاخی کی ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کلمہ اللہ تعالیٰ کو ناگوار ہو جائے، تو انسان کا ایمان اور اس کی زندگی خطرے میں پڑ جائے۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ آمین۔

آج کل لوگوں میں یہ بیماری پیدا ہو گئی ہے کہ غلطی کو غلطی تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ گناہ کو گناہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے ہیں ___ چوری اور پھر سینہ زوری ___ گناہ بھی کر رہے ہیں اور پھر گناہ کو صحیح ثابت کرنے کی فکر میں ہیں، مثلاً کسی بزرگ کے بارے میں یہ کہہ دینا کہ وہ تو دوکاندار آدمی تھے۔ ایسے ویسے تھے۔ ایسے کلمات زبان سے نکالنا بڑی خطرناک بات ہے۔ اس سے خود پرہیز کریں اور دوسروں کو بچانے کی فکر کریں۔

دو کھجوریں ایک ساتھ مت کھاؤ

"عن جبلة بن سحيم رضی اللہ عنه قال اصابنا عام سنة مع ابن الزبير، فرزقنا تمرًا، فكان عبد الله بن عمر رضی اللہ عنهما يمر بنا ونحن ناكل، فيقول، لا تقارنوا، فان النبی صلی اللہ عليه وسلم نهی عن القران، ثم يقول، الا ان يستاذن الرجل اخاه"

(صحیح بخاری، کتاب الاطعمة باب القران فی التمر، حدیث نمبر ۵۴۴۶)

حضرت جبلۃ بن سحیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی حکومت کے زمانے میں ہمارے اوپر قحط پڑا، قحط کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے کھانے کے لئے کچھ کھجوریں عطا فرمادیں، جب ہم وہ کھجوریں کھا رہے تھے۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہمارے پاس سے گزرے، انہوں نے ہم سے فرمایا کہ دو دو کھجوریں ایک ساتھ مت کھاؤ، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح دو دو کھجوریں ایک ساتھ ملا کر کھانے سے منع فرمایا ہے۔ دو دو کھجوریں ایک ساتھ ملا کر کھانے کو عربی میں "قران" کہتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے منع فرمایا کہ جو کھجوریں کھانے کے لئے رکھی ہیں اس میں سب کھانے والوں کا برابر مشترک حق ہے، اب اگر دوسرے لوگ تو ایک ایک کھجور اٹھا کر کھا رہے ہیں...... اور تم نے دو دو کھجوریں اٹھا کر کھانی شروع کر دیں تو اب تم دوسروں کا حق مار رہے ہو۔ اور دوسروں کا حق مارنا جائز نہیں۔ البتہ اگر دوسرے لوگ بھی دو دو کھجوریں کھا رہے ہیں تب تم بھی دو دو اٹھا کر کھالو، تو صحیح طریقہ یہ ہے کہ جس طرح دوسرے لوگ کھا رہے ہیں۔ تم بھی اسی طریقے سے کھاؤ، اس حدیث نے یہ بتلانا مقصود ہے کہ دوسروں کا حق مارنا جائز نہیں۔ "

مشترک چیز کے استعمال کا طریقہ

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اصول بیان فرما دیا کہ جو چیز مشترک ہو، اور سب لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوں، اس مشترک چیز سے کوئی شخص دوسرے لوگوں سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے تو یہ جائز نہیں۔ اس لئے کہ اس کی وجہ سے دوسروں کا حق فوت ہو جائے گا، اس اصول کا تعلق صرف کھجور سے نہیں۔ بلکہ حقیقت میں زندگی کے ان تمام شعبوں سے اس کا تعلق ہے، جہاں چیزوں میں اشتراک پایا جاتا ہے، مثلاً آج کل کی دعوتوں میں "سلف سروس" کا رواج ہے کہ آدمی خود اٹھ کر جائے، اور اپنا کھانا لائے، اور کھانا کھائے، اب اسی کھانے میں تمام کھانے والوں کا مشترک حق ہے، اب اگر ایک شخص جا کر بہت سارا کھانا اپنے برتن میں ڈال کر لے آیا، اور دوسرے لوگ اس کو دیکھتے رہ گئے۔ تو یہ بھی اس اصول کے تحت ناجائز

ہے، اور اس "قران" میں داخل ہے جس سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔

پلیٹ میں کھانا احتیاط سے نکالو

اس اصول کے ذریعہ امت کو یہ تعلیم دینی ہے کہ ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ ایثار سے کام لے، نہ یہ کہ وہ دوسروں کے حق پر ڈاکہ ڈالے۔ چاہے وہ حق چھوٹا سا کیوں نہ ہو، لہٰذا جب آدمی کوئی عمل کرے تو دوسروں کا حق مد نظر رکھتے ہوئے کام کرے، یہ نہ ہو کہ بس، مجھے مل جائے، چاہے دوسروں کو ملے، یا نہ ملے۔

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دسترخوان پر بیٹھ کر یہی مسئلہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جب کھانا دسترخوان پر آئے تو یہ دیکھو کہ دسترخوان پر کتنے آدمی کھانے والے ہیں اور جو چیز دسترخوان پر آئی ہے وہ سب کے درمیان برابر تقسیم کی جائے تو تمہارے حصے میں کتنی آئے گی؟ بس اس حساب سے وہ چیز تم کھالو، اگر اس سے زیادہ کھاؤ گے تو یہ "قران" میں داخل ہے جو ناجائز ہے۔

ریل میں زائد نشست پر قبضہ کرنا جائز نہیں......

اسی طرح ایک مرتبہ والد ماجد قدس اللہ سرہ نے یہ مسئلہ بیان فرمایا کہ تم ریل گاڑی میں سفر کرتے ہو۔ تم نے ریل گاڑی کے ڈبے میں یہ لکھا ہوا دیکھا ہوگا کہ اس ڈبے میں ۲۲ مسافروں کے بیٹھنے کی گنجائش ہے۔ اب آپ نے پہلے جاکر تین چار نشستوں پر قبضہ کرلیا، اور اپنے لئے خاص کرلیا، اور اس پر بستر لگاکر لیٹ گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ سوار ہوئے، ان کو بیٹھنے کے لئے سیٹ نہیں ملی، اب وہ کھڑے ہیں اور آپ لیٹے ہوئے ہیں ـــــ فرمایا کہ یہ بھی "قران" میں داخل ہے۔ جو ناجائز ہے ـــــ اس لئے کہ تمہارا حق تو صرف اتنا تھا کہ ایک آدمی کی نشست پر بیٹھ جاتے، لیکن جب آپ نے کئی نشستوں پر قبضہ کر کے دوسروں کے حق کو پامال کیا تو ـــــ اس عمل کے ذریعہ تم

نے دو گناہ کئے۔ ایک یہ کہ تم تے صرف ایک سیٹ کا ٹکٹ خریدا تھا۔ پھر جب تم نے اس سے زیادہ سیٹوں پر قبضہ کر لیا۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم پیسے دیئے بغیر تم نے اپنے حق سے زیادہ پر قبضہ کر لیا ــــ دوسرا گناہ یہ کیا کہ دوسرے مسلمان بھائیوں کی سیٹ پر قبضہ کر لیا ان کا حق پامال کیا، اس طرح اس عمل کے ذریعہ دو گناہوں کے مرتکب ہوئے، پہلے گناہ کے ذریعے حق اللہ پامال ہوا، اور دوسرے گناہ کے ذریعہ بندے کا حق پامال ہوا ــــ

ساتھ سفر کرنے والے کے حقوق

اور یہ بندے کا ایسا حق ہے کہ جس کو بندوں سے معاف کرانا بھی مشکل ہے اس لئے کہ بندوں کے حق اس وقت تک معاف نہیں ہوتے، جب تک صاحب حق معاف نہ کرے، محض توبہ کرنے سے معاف نہیں ہوتے ــــ اب اگر کسی وقت اللہ تعالیٰ نے توبہ کی توفیق دی، اور دل میں خیال آیا کہ مجھ سے یہ غلط ہو گئی تھی تو اب اس وقت اس شخص کو کہاں تلاش کرو گے جس نے تمہارے ساتھ ریل گاڑی میں سفر کیا تھا، اور تم نے اس کا حق ضائع کر دیا تھا، اس لئے اب معافی کا کوئی راستہ نہیں۔ اس لئے ان معاملات میں بہت اہتمام کرنے کی ضرورت ہے۔ قرآن کریم نے کئی مقامات پر اس بات کا حکم دیا کہ:

"وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ"

(النساء: ۳۶)

یعنی "صاحب بالجنب" کا حق ادا کرو، "صاحب بالجنب" اس کو کہتے ہیں جو کسی وقت عارضی طور پر ریل کے سفر میں یا بس میں، یا جہاز میں، تمہارے ساتھ آکر بیٹھ گیا ہو۔ وہ "صاحب بالجنب" ہے۔ اس کے بھی حقوق ہیں۔ ان حقوق کو ضائع نہ کرو۔ اور اس کے ساتھ ایثار سے کام لو ــــ ذرا سی دیر کا سفر ہے۔ ختم ہو جائے گا۔ لیکن اگر اس سفر کے دوران تم نے اپنے ذمے گناہ لازم کر لیا، تو وہ گناہ ساری عمر تمہارے نامہ اعمال میں لکھا رہے گا، اس کی معافی ہونی مشکل ہے۔ یہ سب "قران" میں داخل ہے اور ناجائز ہے۔

مشترک کاروبار میں حساب کتاب شرعاً ضروری ہے

آج کل یہ وبا بھی عام ہے کہ چند بھائیوں کا مشترک کاروبار ہے، لیکن حساب کتاب کوئی نہیں۔ کہتے ہیں کہ ہم سب بھائی ہیں۔ حساب کتاب کی کیا ضرورت ہے؟ حساب کتاب تو غیروں میں ہوتا ہے، اپنوں میں حساب کتاب کہاں ــــ اب اس کا کوئی حساب کتاب، کوئی لکھت پڑھت نہیں کہ کس بھائی کی کتنی ملکیت اور کتنا حصہ ہے؟ ماہانہ کس کو کتنا منافع دیا جائے گا؟ اس کا کوئی حساب نہیں، بلکہ الل ٹپ معاملہ چل رہا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کچھ دنوں تک تو محبت و پیار سے حساب چلتا رہتا ہے، لیکن بعد میں دلوں میں شکوے شکایتیں پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہیں۔ کہ فلاں کی اولاد تو اتنی ہے۔ وہ زیادہ رقم لیتا ہے، فلاں کی اولاد کم ہے۔ وہ کم لیتا ہے، فلاں کی شادی پر اتنا خرچ کیا گیا، ہمارے بیٹے کی شادی پر کم خرچ ہوا، فلاں نے کاروبار سے اتنا فائدہ اٹھالیا، ہم نے نہیں اٹھایا۔ وغیرہ بس، اس طرح کی شکایتیں شروع ہو جاتی ہیں
یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے سے دور چلے گئے، یاد رکھئے، ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اگر کوئی مشترک چیز ہے تو اس مشترک چیز کا حساب و کتاب رکھا جائے، اگر حساب و کتاب نہیں رکھا جارہا ہے تو تم خود بھی گناہ میں مبتلا ہو رہے ہو، اور دوسروں کو بھی گناہ میں مبتلا کر رہے ہو، یاد رکھئے، بھائیوں کے درمیان معاملات کے اندر جو محبت و پیار ہوتا ہے۔ وہ کچھ دن چلتا ہے، بعد میں وہ لڑائی جھگڑوں میں تبدیل ہو جاتا ہے، اور پھر وہ لڑائی جھگڑا ختم ہونے کو نہیں آتا، کتنی مثالیں اس وقت میرے سامنے ہیں ــــ

ملکیتوں میں امتیاز شرعاً ضروری ہے

ملکیتوں میں امتیاز ہونا ضروری ہے۔ یہاں تک کہ باپ بیٹے کی ملکیت میں اور شوہر بیوی کی ملکیت میں امتیاز ہونا ضروری ہے، حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی دو بیویاں تھیں۔ دونوں کے گھر الگ الگ تھے، حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میری ملکیت اور میری دونوں بیویوں کی ملکیت بالکل الگ الگ کر کے بالکل امتیاز کر

رکھا ہے۔ وہ اس طرح کہ جو کچھ سامان بڑی اہلیہ کے گھر میں ہے، وہ ان کی ملکیت ہے، اور جو سامان چھوٹی اہلیہ کے گھر میں ہے، وہ ان کی ملکیت ہے، اور جو سامان خانقاہ میں ہے، وہ میری ملکیت ہے، آج اگر دنیا سے چلا جاؤں تو کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں۔ الحمدللہ سب امتیاز موجود ہے۔

حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ اور ملکیت کی وضاحت

میں نے اپنے والد ماجد قدس اللہ سرہ کو بھی اسی طرح دیکھا کہ ہر چیز میں ملکیت واضح کر دینے کا معمول تھا۔ آخری عمر میں حضرت والد صاحب نے اپنے کمرے میں ایک چارپائی ڈال لی تھی۔ دن رات وہیں رہتے تھے، ہم لوگ ہر وقت حاضر خدمت رہا کرتے تھے، میں نے دیکھا کہ جب میں ضرورت کی کوئی چیز دوسرے کمرے سے ان کے کمرے میں لاتا تو ضرورت پوری ہونے کے بعد فوراً فرماتے کہ اس چیز کو واپس لے جاؤ۔ اگر کبھی واپس لے جانے میں دیر ہو جاتی تو ناراض ہوتے کہ میں نے تم سے کہا تھا کہ واپس پہنچا دو، ابھی تک واپس کیوں نہیں پہنچائی؟

کبھی کبھی ہمارے دل میں خیال آتا کہ ایسی جلدی واپس لے جانے کی کیا ضرورت ہے؟ ابھی واپس پہنچا دیں گے، ایک دن خود والد ماجد قدس اللہ سرہ نے ارشاد فرمایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ میں نے اپنے وصیت نامہ میں یہ لکھ دیا ہے کہ میرے کمرے میں جو چیزیں ہیں، وہ سب میری ملکیت ہیں۔ اور اہلیہ کے کمرے میں جو چیزیں ہیں، وہ ان کی ملکیت ہے، لہٰذا جب میرے کمرے میں کسی دوسرے کی چیز آ جاتی ہے تو مجھے خیال ہوتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا انتقال اس حالت میں ہو جائے کہ وہ چیز میرے کمرے کے اندر ہو، اس لئے کہ وصیت نامہ کے مطابق وہ چیز میری ملکیت تصور کی جائے گی، حالانکہ حقیقت میں وہ چیز میری ملکیت نہیں ہے۔ اس لئے میں اس بات کا اہتمام کرتا ہوں، اور تمہیں کہتا ہوں کہ یہ چیز جلدی واپس لے جاؤ۔

یہ سب باتیں دین کا حصہ ہیں۔ آج ہم نے ان کو دین سے خارج کر دیا ہے، اور یہی باتیں بڑوں سے سیکھنے کی ہیں، اور یہ سب باتیں اسی اصول سے نکل رہی ہیں، جو اصول حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان فرما دیا "وہ یہ کہ" "قران" سے بچو،

مشترک چیزوں کے استعمال کا طریقہ

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ گھر میں بعض اشیاء مشترک استعمال کی ہوتی ہیں، جس کو گھر کا ہر فرد استعمال کرتا ہے، اور ان کی ایک جگہ مقرر ہوتی ہے کہ فلاں چیز فلاں جگہ پر رکھی جائے گی، مثلاً گلاس فلاں جگہ رکھا جائے گا، پیالہ فلاں جگہ رکھا جائے گا، صابن فلاں جگہ رکھا جائے گا، ہمیں فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ ان چیزوں کو استعمال کر کے بے جگہ رکھ دیتے ہو، تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارا یہ عمل گناہ کبیرہ ہے، اس لئے کہ وہ چیز مشترک استعمال کی ہے، جب دوسرے شخص کو اس کے استعمال کی ضرورت ہوگی تو وہ اس کو اس کی جگہ پر تلاش کرے گا، اور جب جگہ پر اس کو وہ چیز نہیں ملے گی تو اس کو تکلیف اور ایذاء ہوگی، اور کسی بھی مسلمان کو تکلیف پہنچانا گناہ کبیرہ ہے ـــــ ہمارا ذہن کبھی اس طرف گیا بھی نہیں تھا کہ یہ بھی گناہ کی بات ہے، ہم تو سمجھتے تھے کہ یہ تو دنیاداری کا کام ہے۔ گھر کا انتظامی معاملہ ہے ـــــ یاد رکھو، زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے، جس کے بارے میں دین کی کوئی ہدایت موجود نہ ہو ـــــ ہم سب اپنے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ کیا ہم لوگ اس بات کا اہتمام کرتے ہیں کہ مشترک استعمال کی اشیاء استعمال کے بعد ان کی متعین جگہ پر رکھیں، تاکہ دوسروں کو تکلیف نہ ہو؟ اب یہ چھوٹی سی بات ہے، جس میں ہم صرف بے دھیانی اور بے توجہی کی وجہ سے گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ ہمیں دین کی فکر نہیں، دین کا خیال نہیں، اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کا احساس نہیں، دوسرے اس لئے کہ ان مسائل سے جہالت اور ناواقفیت بھی آجکل بہت ہے ـــ

بہرحال، یہ سب باتیں "قران" کے اندر داخل ہیں۔ ویسے تو یہ چھوٹی سی بات ہے کہ دو کھجوروں کو ایک ساتھ ملا کر نہ کھانا چاہئے۔ لیکن اس سے یہ اصول معلوم ہوا کہ ہر وہ کام کرنا، جس سے دوسرے مسلمان کو تکلیف ہو، یا دوسروں کا حق پامال ہو، سب "قران" میں داخل ہیں۔

مشترک بیت الخلاء کا استعمال

بعض اوقات ایسی بات ہوتی ہے، جس کو بتاتے ہوئے شرم آتی ہے، لیکن دین کی باتیں سمجھانے کے لئے شرم کرنا بھی ٹھیک نہیں۔ مثلاً آپ بیت الخلاء میں گئے، اور فارغ ہونے کے بعد غلاظت کو بہایا نہیں، ویسے ہی چھوڑ کر چلے آئے۔ حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ عمل گناہ کبیرہ ہے، اس لئے کہ جب دوسرا شخص بیت الخلا استعمال کرے گا تو اس کو کراہیت ہوگی، اور تکلیف ہوگی، اور اس تکلیف کا سبب تم بنے، تم نے اس کو تکلیف پہنچائی، اور ایک مسلمان کو تکلیف پہنچا کر تم نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا۔

غیر مسلموں نے اسلامی اصول اپنا لئے

ایک مرتبہ میں حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ ڈھاکہ کے سفر پر گیا۔ ہوائی جہاز کا سفر تھا، راستے میں مجھے غسل خانے میں جانے کی ضرورت پیش آئی، ــــــ آپ نے دیکھا ہو گا کہ ہوائی جہاز کے غسل خانے میں واش بیسن کے اوپر یہ عبارت لکھی ہوتی ہے کہ: "جب آپ واش بیسن کو استعمال کر لیں تو اس کے بعد کپڑے سے اس کو صاف اور خشک کر دیں۔ تاکہ بعد میں آنے والے کو کراہیت نہ ہو" ــــــ جب میں غسل خانے سے واپس آیا تو حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ غسل خانے میں واش بیسن پر جو عبارت لکھی ہے، یہ وہی بات ہے جو میں تم لوگوں سے بار بار کہتا رہتا ہوں کہ دوسروں کو تکلیف سے بچانا دین کا حصہ ہے۔ جو ان غیر مسلموں نے اختیار کر لیا ہے، اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں ترقی عطا فرما دی ہے، اور ہم لوگوں نے ان باتوں کو دین سے خارج کر دیا ہے، اور دین کو صرف نماز روزے کے اندر محدود کر دیا ہے۔ معاشرت کے ان آداب کو بالکل چھوڑ دیا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم لوگ پستی اور تنزل کی طرف جا رہے ہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو عالم اسباب بنایا ہے۔ اس میں جیسا عمل اختیار کرو گے، اللہ تعالیٰ اس کے ویسے ہی نتائج پیدا فرمائیں گے۔

ایک انگریز خاتون کا واقعہ

گذشتہ سال مجھے لندن جانے کا اتفاق ہوا، پھر وہاں لندن سے ٹرین کے ذریعہ ایڈمبرا جارہا تھا۔ راستے میں غسل خانے میں جانے کی ضرورت پیش آئی، جب غسل خانے کے پاس گیا تو دیکھا کہ ایک انگریز خاتون دروازے پر کھڑی ہے، میں یہ سمجھا کہ شاید غسل خانہ اس وقت فارغ نہیں ہے، اور یہ خاتون اس انتظار میں ہے کہ جب فارغ ہو جائے تو وہ اندر جائے۔ چنانچہ اپنی جگہ آکر بیٹھ گیا۔ جب کافی دیر اس طرح گزر گئی کہ نہ تو اندر سے کوئی نکل رہا تھا، اور نہ یہ اندر جارہی تھی۔ میں دوبارہ غسل خانے کے قریب گیا تو میں نے دیکھا کہ غسل خانے کے دروازے پر لکھا ہے کہ یہ خالی ہے، اندر کوئی نہیں۔ چنانچہ میں نے ان خاتون سے کہا کہ آپ اندر جانا چاہیں تو چلی جائیں، غسل خانہ تو خالی ہے، ان خاتون نے کہا کہ ایک اور وجہ سے کھڑی ہوں۔ وہ یہ کہ میں اندر ضرورت کے لئے گئی تھی۔ اور ضرورت سے فارغ ہونے کے بعد ابھی میں نے اس کو فلش نہیں کیا تھا کہ اتنے میں گاڑی اسٹیشن پر آکر کھڑی ہو گئی، اور قانون یہ ہے کہ جب گاڑی پلیٹ فارم پر کھڑی ہو، اس وقت غسل خانہ استعمال نہ کرنا چاہئے، اور نہ اس میں پانی بہانا چاہئے، اب میں اس انتظار میں ہوں کہ جب گاڑی چل پڑے تو میں اس کو فلش کر دوں۔ اور اس میں پانی بہادوں۔ اور پھر اپنی سیٹ پر واپس جاؤں،

اب آپ اندازہ لگائیں کہ وہ خاتون صرف اس انتظار میں تھی کہ فلش کرنا رہ گیا تھا۔ اور اب تک فلش بھی اس لئے نہیں کیا تھا کہ یہ قانون کی خلاف ورزی ہو جائے گی ـــــ اس وقت مجھے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات یاد آگئی، وہ فرمایا کرتے تھے کہ: اس بات کا خیال اور اہتمام کہ آدمی فلش کر کے جائے، اصل میں یہ دین کا حکم ہے، تاکہ بعد میں آنے والے کو تکلیف نہ ہو۔ لیکن دین کی اس بات پر ایک غیر مسلم نے کس اہتمام سے عمل کیا، آپ اندازہ لگائیں کہ کیا ہم میں سے کوئی شخص اگر مشترک چیز کو استعمال کرے تو کیا اس کو اس بات کا اہتمام اور خیال ہوتا ہے؟ بلکہ ہم لوگ ویسے ہی گندہ چھوڑ دیتے ہیں، اور یہ سوچتے ہیں کہ جو بعد میں آئے گا۔ وہ بھرے گا۔ وہ خود ہی نمٹ لے گا۔ وہ جانے، ان کا کام جانے ـــــ

غیر مسلم قومیں کیوں ترقی کر رہی ہیں

خوب سمجھ لیجئے، یہ دنیا، اسباب کی دنیا ہے، اگر یہ باتیں غیر مسلموں نے حاصل کر کے ان پر عمل کرنا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں ترقی دے دی۔ اگرچہ آخرت میں تو ان کا کوئی حصہ نہیں، لیکن معاشرت کے وہ آداب جو ہمیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائے تھے۔ ان آداب کو انہوں نے اختیار کر لیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ترقی دے دی ــــ لہٰذا یہ اعتراض تو کر دیا کہ ہم مسلمان ہیں۔ کلمہ پڑھتے ہیں۔ ایمان کا اقرار کرتے ہیں، اس کے باوجود دنیا میں ہم ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ دوسرے لوگ غیر مسلم ہونے کے باوجود ترقی کر رہے ہیں۔ لیکن یہ نہیں دیکھا کہ ان غیر مسلموں کا یہ حال ہے کہ وہ تجارت میں جھوٹ نہیں بولیں گے، امانت اور دیانت سے کام لیں گے، جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کی تجارت چمکا دی، لیکن مسلمانوں نے ان چیزوں کو چھوڑ دیا۔ اور دین کو مسجد اور مدرسے تک محدود کر کے بیٹھ گیا۔ زندگی کی باقی چیزوں کو دین سے خارج کر دیا، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اپنے دین سے بھی دور ہو گئے، اور دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہو گئے۔ حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب تعلیمات ہمیں عطا فرمائیں۔ تاکہ ہم ان کو اپنی زندگی کے اندر اپنائیں، اور ان کو دین کا حصہ سمجھیں ــــ بہر حال، بات یہاں سے چلی تھی کہ "دو کھجوروں کو ایک ساتھ ملا کر نہ کھاؤ" لیکن اس سے کتنے اہم اصول ہمارے لئے نکلتے ہیں، اور یہ کتنی ہمہ گیر بات ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں احساس اور ادراک پیدا فرما دے۔ آمین۔

ٹیک لگا کر کھانا خلاف سنت ہے

"عن ابی جحیفة رضی اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: انی لا آکل متکئا"۔ (صحیح بخاری، کتاب الاطعمة، باب الاکل متکئا، حدیث نمبر ۵۳۹۸)

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔ ایک دوسری حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"رأيت رسول الله صلی الله عليه وسلم جالسًا مقعيًا يأكل تمرًا"

(صحيح مسلم، کتاب الاشربة، باب استحباب تواضع الاکل، حدیث نمبر ۲۰۴۴)

میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اس طرح بیٹھے ہوئے کھجور کھا رہے تھے کہ آپ نے اپنے گھٹنے کھڑے کئے ہوئے تھے۔

اکڑوں بیٹھ کر کھانا مسنون نہیں

کھانے کی نشست کے بارے میں لوگوں کے ذہنوں میں چند غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ ان کو دور کرنا ضروری ہے ــــ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی روشنی میں کھانے کی مستحب اور بہتر نشست یہ ہے کہ آدمی اس طرح بیٹھ کر کھائے کہ اس نشست کے ذریعہ کھانے کی تعظیم بھی ہو، اور تواضع بھی ہو، متکبرانہ نشست نہ ہو، اور اس نشست میں کھانے کی بے توقیری اور بے عزتی نہ ہو ــــ یہ جو مشہور ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اکڑوں بیٹھ کر کھانا کھایا کرتے تھے، یہ بات اس طرح درست نہیں، مجھے ایسی کوئی حدیث نہیں ملی، جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اکڑوں بیٹھ کر کھانا ثابت ہو، البتہ اوپر جو حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس میں جس نشست کا ذکر کیا گیا ہے، وہ یہ کہ آپ نے زمین پر بیٹھ کر اپنے دونوں گھٹنے سامنے کی طرف کھڑے کر دئے تھے۔ اس حدیث میں "اکڑوں" بیٹھنا مراد نہیں، لہٰذا یہ جو مشہور ہے کہ "اکڑوں" بیٹھ کر کھانا سنت ہے، یہ درست نہیں۔ البتہ یہ بات ثابت ہے کہ کھانے کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست تواضع والی نشست ہوتی تھی، جس میں دیکھنے والے کو فرعونیت، یا تکبر یا رعونت کا احساس نہ ہو، بلکہ عبدیت کا احساس ہوتا ہو۔

کھانے کی بہترین نشست

ایک صحابی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ آپ اس طرح کھانا کھا رہے تھے، جس طرح غلام کھانا کھاتا ہے۔ بہرحال، احادیث کے مجموعے سے فقہاء اکرام نے جو بات اخذ کی ہے، وہ یہ

ہے کہ کھانے کی بہتر نشست یہ ہے کہ آدمی یا دو زانوں بیٹھ کر کھائے۔ اس لئے کہ اس میں تواضع بھی زیادہ ہے، اور کھانے کا احترام بھی ہے، اور اس نشست میں بسیا خوری کا سد باب بھی ہے، اس لئے جب آدمی خوب پھیل کر بیٹھے گا تو زیادہ کھایا جائے گا، اور ہمارے بزرگوں نے فرمایا کہ ایک ٹانگ اٹھا کر اور ایک ٹانگ بچھا کر کھانا بھی اسی میں داخل ہے، اور یہ بھی تواضع والی نشست ہے، اور اس طرح بیٹھ کر کھانے میں دنیا کا بھی فائدہ اور آخرت کا بھی فائدہ ہے۔

چار زانوں بیٹھ کر کھانا بھی جائز ہے

کھانے کے وقت چار زانوں ہو کر بیٹھنا بھی جائز ہے۔ ناجائز نہیں۔ اس میں کوئی گناہ نہیں، لیکن یہ نشست تواضع کے اتنے قریب نہیں ہے، جتنی پہلی دو نشستیں قریب ہیں، لہٰذا عادت تو اس بات کی ڈالنی چاہئے کہ آدمی دو زانوں بیٹھ کر کھائے، یا ایک ٹانگ کھڑی کر کے کھائے، چار زانوں نہ بیٹھے، لیکن اگر کسی سے اس طرح نہیں بیٹھا جاتا، یا کوئی شخص اپنے آرام کے لئے چار زانوں بیٹھ کر کھانا کھاتا ہے تو یہ کوئی گناہ نہیں۔ یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ چار زانوں بیٹھ کر کھانا ناجائز ہے۔ یہ خیال درست نہیں۔ غلط ہے، البتہ افضل یہ ہے کہ دو زانوں بیٹھ کر کھائے۔ اس لئے کہ اس نشست میں کھانے کی عظمت اور توقیر زیادہ ہے۔

میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا

میز کرسی پر کھانا بھی کوئی گناہ اور ناجائز نہیں۔ لیکن زمین پر بیٹھ کر کھانے میں سنت کا اتباع کا ثواب بھی ہے، اور سنت سے زیادہ قریب ہے۔ اس لئے حتی الامکان انسان کو اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ وہ زمین پر بیٹھ کر کھائے، اس لئے کہ جتنا سنت سے زیادہ قریب ہو گا، اتنی ہی برکت زیادہ ہوگی، اور اتنا ہی ثواب زیادہ ملے گا۔ اتنے ہی فوائد زیادہ حاصل ہوں گے ۔۔۔ بہرحال، میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا بھی جائز ہے، گناہ نہیں ہے۔

زمین پر بیٹھ کر کھانا سنت ہے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دو وجہ سے زمین پر بیٹھ کر کھاتے تھے، ایک تو یہ کہ اس زمانہ میں زندگی سادہ تھی، میز کرسی کا رواج ہی نہیں تھا۔ اس لئے نیچے بیٹھا کرتے تھے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نیچے بیٹھ کر کھانے میں تواضع زیادہ ہے، اور کھانے کی توقیر بھی زیادہ ہے۔ آپ اس کا تجربہ کر کے دیکھ لیجئے کہ کرسی پر بیٹھ کر کھانے میں دل کی کیفیت اور ہوگی، اور زمین پر بیٹھ کر کھانے میں دل کی کیفیت اور ہوگی، دونوں میں زمین آسمان کا فرق محسوس ہوگا۔ اس لئے کہ زمین پر بیٹھ کر کھانے کی صورت میں طبیعت کے اندر تواضع زیادہ ہوگی، عاجزی ہوگی، مسکنت ہوگی، عبدیت ہوگی، اور میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے کی صورت یہ باتیں پیدا نہیں ہوتیں، اس لئے حتی الامکان اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ آدمی زمین پر بیٹھ کر کھائے۔ لیکن اگر کہیں میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے کا موقع آجائے، تو اس طرح کھانے میں کوئی حرج اور گناہ بھی نہیں ہے، لہٰذا اس پر اتنا تشدد کرنا بھی ٹھیک نہیں، جیسا کہ بعض لوگ میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے کو حرام اور ناجائز ہی سمجھتے ہیں، اور اس پر بہت زیادہ نکیر کرتے ہیں۔ یہ عمل بھی درست نہیں ــــــ

بشرطیکہ اس سنت کا مذاق نہ اڑایا جائے

اور یہ جو میں نے کہا کہ زمین پر بیٹھ کر کھانا سنت سے زیادہ قریب ہے، اور زیادہ افضل ہے، اور زیادہ ثواب کا باعث ہے، یہ بھی اس وقت ہے، جب اس سنت کو "معاذ اللہ" مذاق نہ بنایا جائے، لہٰذا اگر کسی جگہ پر اس بات کا اندیشہ ہو کہ اگر نیچے زمین پر بیٹھ کر کھانا کھایا گیا تو لوگ اس سنت کا مذاق اڑائیں گے۔ تو ایسی جگہ پر زمین پر کھانے پر اصرار بھی درست نہیں۔

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن سبق میں ہمیں ایک واقعہ سنایا کہ ایک دن میں اور میرے کچھ رفقاء دیوبند سے دہلی گئے، جب دہلی پہنچے تو وہاں کھانا کھانے کی ضرورت پیش آئی، چونکہ کوئی اور جگہ کھانے کی نہیں تھی، اس لئے ایک ہوٹل میں کھانے کے لئے چلے گئے، اب ظاہر ہے کہ ہوٹل میں میز کرسی پر کھانے کا انتظام ہوتا ہے۔ اس لئے ہمارے دو ساتھیوں نے کہا کہ ہم تو کرسی پر بیٹھ کر نہیں کھائیں گے۔ اس

لئے کہ زمین پہ بیٹھ کر کھانا سنت ہے۔ چنانچہ انہوں نے یہ چاہا کہ ہوٹل کے اندر زمین پر اپنا رومال بچھا کر وہاں بیرے سے کھانا منگوائیں، حضرت والد صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو منع کیا کہ ایسا نہ کریں۔ بلکہ میز کرسی ہی پر بیٹھ کر کھانا کھالیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم میز کرسی پر کیوں کھائیں؟ جب زمین پر بیٹھ کر کھانا سنت کے زیادہ قریب ہے۔ تو پھر زمین پر بیٹھ کر کھانے سے کیوں ڈریں، اور کیوں شرمائیں، حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ شرمانے اور ڈرنے کی بات نہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ جب تم لوگ یہاں اس طرح زمین پر اپنا رومال بچھا کر بیٹھو گے، تو لوگوں کے سامنے اس سنت کا تم مذاق بناؤ گے، اور لوگ اس سنت کی توہین کے مرتکب ہوں گے۔ اور سنت کی توہین کا ارتکاب کرنا صرف گناہ ہی نہیں۔ بلکہ بعض اوقات انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے ــــ اللہ تعالیٰ بچائے ــــ

ایک سبق آموز واقعہ

پھر حضرت والد صاحب ؒ نے ان سے فرمایا کہ میں تم کو ایک قصہ سناتا ہوں، ایک بہت بڑے محدث اور بزرگ گزرے ہیں، جو "سلیمان اعمش" کے نام سے مشہور ہیں۔ اور امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے بھی استاذ ہیں۔ تمام احادیث کی کتابیں ان کی روایتوں سے بھری ہوئی ہیں، عربی زبان میں "اعمش" چوندھے کو کہا جاتا ہے۔ جس کی آنکھوں میں چندھیاہٹ ہو، جس میں پلکیں گر جاتی ہیں۔ اور روشنی کی وجہ سے اس کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں، چونکہ ان کی آنکھیں چندھائی ہوئی تھیں۔ اس وجہ سے "اعمش" کے لقب سے مشہور تھے ــــ ان کے پاس ایک شاگرد آگئے۔ وہ شاگرد اعرج یعنی لنگڑے تھے، پاؤں سے معذور تھے، شاگرد بھی ایسے تھے جو ہر وقت استاذ سے چمٹے رہنے والے تھے، جیسے بعض شاگردوں کی عادت ہوتی ہے کہ ہر وقت استاذ سے چمٹے رہتے ہیں۔ جہاں استاذ جا رہے ہیں، وہاں شاگرد بھی ساتھ ساتھ جا رہے ہیں۔ یہ بھی ایسے تھے، چنانچہ امام اعمش رحمتہ اللہ علیہ جب بازار جاتے تو یہ امام "اعرج" شاگرد بھی ساتھ ہو جاتے، بازار میں لوگ ان پر فقرے کستے کہ دیکھو استاذ "چوندھا" ہے، اور شاگرد "لنگڑا" ہے، چنانچہ امام اعمش رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے شاگرد سے فرمایا کہ جب ہم بازار جایا کریں تو تم ہمارے ساتھ مت جایا کرو، شاگرد نے کہا کیوں؟ میں آپ کا

ساتھ کیوں چھوڑوں؟ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب ہم بازار جاتے ہیں تو لوگ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں کہ استاذ چوندھا ہے، اور شاگرد لنگڑا ہے۔ شاگرد نے کہا:

مالنا نوجر و یاثمون

حضرت، جو لوگ مذاق اڑاتے ہیں۔ ان کو مذاق اڑانے دیں۔ اس لئے اس مذاق اڑانے کے نتیجے میں ہمیں ثواب ملتا ہے، اور ان کو گناہ ہوتا ہے۔ اس میں ہمارا تو کوئی نقصان نہیں۔ بلکہ ہمارا تو فائدہ ہے، حضرت امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ:

نسلم ویسلمون خیر من ان نوجر و یاثمون

ارے بھائی، وہ بھی گناہ سے بچ جائیں، اور ہم بھی گناہ سے بچ جائیں، یہ اس کے بنسبت بہتر ہے کہ ہمیں ثواب ملے، اور ان کو گناہ ہو ــــ میرا ساتھ جانا کوئی فرض وواجب تو ہے نہیں، اور نہ جانے میں کوئی نقصان تو ہے نہیں، البتہ فائدہ یہ ہے کہ لوگ اس گناہ سے بچ جائیں گے۔ لہٰذا ہمارے مسلمان بھائیوں کو گناہ ہو۔ اس سے بہتر یہ صورت ہے کہ نہ ان کو گناہ ہو۔ اور نہ ہمیں گناہ ہو۔ اس لئے آئندہ میرے ساتھ بازار مت جایا کرو۔

اس وقت مذاق کی پرواہ نہ کرے

لیکن یہ بات رکھو، اگر کوئی گناہ کا کام ہے۔ تو پھر چاہے کوئی مذاق اڑائے۔ یا ہنسی اڑائے، اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ لوگوں کے مذاق اڑانے کی وجہ سے گناہ کا کام کرنا جائز نہیں۔ لوگوں کے مذاق اڑانے کی وجہ سے کوئی فرض یا واجب کام چھوڑنا جائز نہیں، لیکن اگر ایک طرف جائز اور مباح کام ہے، اور دوسرے طرف اولیٰ اور افضل کام ہے۔ اب اگر لوگوں کو گناہ سے بچانے کے لئے افضل کام چھوڑ دو۔ اور اس کے مقابلے میں جو جائز کام ہے۔ اس کو اختیار کر لو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، ایسا کرنا درست ہے۔

بلا ضرورت میز کرسی پر نہ کھائے

چنانچہ ایک مرتبہ حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ کو ایک مرتبہ میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا کھانے کی ضرورت پیش آگئی۔ تو حضرت تھانوی نے اس وقت فرمایا کہ ویسے تو میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا ناجائز تو نہیں ہے، لیکن اس میں تھوڑا سا تشبہ کا شبہ ہے کہ چونکہ انگریزوں کا چلایا ہوا طریقہ ہے۔ اس طرح کھانے میں ان کے ساتھ مشابہت نہ ہو جائے، اس لئے جب آپ کرسی پر بیٹھے تو پاؤں اٹھا کر بیٹھ گئے، پاؤں لٹکائے نہیں۔ اور پھر فرمایا کہ انگریزوں کے ساتھ مشابہت پیدا ہو جانے کا جو شبہ تھا، وہ اس طرح بیٹھنے سے ختم ہو گیا۔ اس لئے کہ وہ لوگ پاؤں لٹکا کر کھاتے ہیں، میں نے پاؤں اوپر کر لئے ہیں۔

بہرحال، میز کرسی پر کھانا کھانا ناجائز اور گناہ نہیں، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ آدمی جتنا سنت سے قریب ہو گا، اتنی ہی برکت زیادہ ہو گی، اتنا ہی اجر زیادہ ملے گا۔ لہٰذا بلا وجہ اور بلا ضرورت کے میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے کو اپنی عادت بنا لینا اچھا نہیں، بہتر یہ ہے کہ زمین پر بیٹھ کر کھانے کا اہتمام کرے۔ لیکن جہاں کہیں ضرورت داعی ہو، وہاں میز کرسی پر بیٹھ کر کھا سکتا ہے۔ البتہ اس بات کا اہتمام کرے کہ پیچھے ٹیک لگا کر نہ کھائے۔ بلکہ آگے کی طرف جھک کر کھائے، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹیک لگا کر کھانے کو متکبرین کا طریقہ قرار دیا ہے، یہ طریقہ درست نہیں۔

چارپائی پر کھانا

اسی طرح چارپائی پر بیٹھ کر کھانا بھی جائز ہے۔ بلکہ کرسی پر کھانے کے مقابلے میں چارپائی پر کھانا زیادہ بہتر ہے، اس لئے کہ وہ طریقہ جس میں کھانے والا اور کھانے کی سطح برابر ہو۔ اس سے بہتر ہے جس میں کھانا اوپر ہو۔ اور کھانے والا نیچے ہو۔ البتہ سب سے بہتر یہ ہے کہ زمین پر بیٹھ کر کھایا جائے، اس میں ثواب بھی زیادہ ہے۔ تواضع بھی اس سے زیادہ ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے بھی زیادہ قریب ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں سنتوں سے زیادہ قریب رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

کھانے کے وقت باتیں کرنا

ایک غلط بات لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ کھانا کھاتے وقت باتیں کرنا جائز نہیں، یہ بھی بے اصل بات ہے، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں، کھانا کھانے کے دوران ضرورت کی بات کی جا سکتی ہے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت بھی ہے، البتہ حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس بات کا اہتمام کرنا چاہئے کہ کھانے کے وقت جو باتیں کی جائیں۔ وہ ہلکی پھلکی ہوں، زیادہ سوچ و بچار اور زیادہ انہماک کی باتیں کھانے کے وقت نہیں کرنی چاہئے، اس لئے کہ کھانے کا بھی حق ہے۔ وہ حق یہ ہے کہ کھانے کی طرف متوجہ ہو کر کھاؤ، لہٰذا ایسی باتیں کرنا جس میں انسان منہمک ہو جائے، اور کھانے کی طرف توجہ نہ رہے۔ ایسی باتیں کرنا درست نہیں۔ خوش طبعی اور ہنسی مذاق کی ہلکی پھلکی باتیں کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ جو مشہور ہے کہ آدمی کھانے کے وقت بالکل خاموش رہے۔ کوئی بات نہ کرے۔ یہ درست نہیں۔

کھانے کے بعد ہاتھ پونچھ لینا جائز ہے

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ علیہ و سلم: اذا اکل احدکم طعامًا فلا یمسح اصابعہ حتی یلعقھا او یلعقھا۔

(صحیح بخاری، کتاب الاطعمة، باب لعق الاصابع ومصھا، حدیث نمبر ۵۴۵۶)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص کوئی کھانا کھا چکے تو اپنی انگلیوں کو صاف نہ کرے۔ جب تک خود ان انگلیوں کو چاٹ نہ لے، یا دوسرے کو نہ چٹوا دے۔ علماء کرام نے فرمایا کہ اس حدیث سے دو مسئلے نکلتے ہیں۔ اور دو ادب اس حدیث میں بیان کئے گئے ہیں۔ پہلا مسئلہ اس سے یہ نکلتا ہے کہ کھانا کھانے کے بعد جس طرح ہاتھ دھونا جائز، بلکہ مستحب اور سنت ہے۔ اسی طرح ان ہاتھوں کو کسی چیز سے پونچھ لینا بھی جائز ہے۔ البتہ افضل تو یہ ہے کہ ہاتھوں کو پانی سے دھو لیا جائے۔ لیکن اگر پانی موجود نہیں ہے یا پانی استعمال کرنے میں کوئی تکلیف اور دشواری ہے، تو اس صورت میں کسی کاغذ یا کپڑے سے پونچھ لینا بھی جائز ہے، جیسا کہ آجکل ٹیشو پیپر اسی مقصد کے لئے ایجاد ہو گئے

ہیں، ان سے ہاتھ پونچھ لینا بھی جائز ہے۔

کھانے کے بعد انگلیاں چاٹ لینا سنت ہے

دوسرا مسئلہ جو اس حدیث کے بیان کا اصل مقصود ہے۔ وہ یہ کہ ہاتھوں کو دھونے اور پونچھنے سے پہلے انگلیوں کو چاٹ لینا چاہئے، اور خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا، اور آپ کی یہ سنت تھی کہ کھانے کے جو ذرات انگلیوں پر لگے رہ جاتے، آپ ان کو چاٹ لیتے تھے، اور اس کی حکمت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری حدیث میں یہ بیان فرمائی کہ تمہیں نہیں معلوم کہ کھانے کے کون سے حصے میں برکت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھانے کے اس مخصوص جز میں کوئی برکت کا پہلو ہو سکتا ہے، جو دوسرے اجزاء میں نہیں ہے۔ شاید برکت اسی حصے میں ہو۔ جو تمہاری انگلیوں پر لگا رہ گیا ہے، لہٰذا اس حصے کو بھی ضائع نہ کرو۔ بلکہ اس کو بھی کھالو، تاکہ اس برکت سے محروم نہ رہو۔

برکت کیا چیز ہے؟

یہ برکت کیا چیز ہے؟ آج کی دنیا جو مادہ پرستی میں گھری ہوئی ہے، صبح سے لے کر شام تک مادہ ہی چکر کاٹتا نظر آتا ہے اور مادے کے پیچھے، مال و دولت اور سامان و اسباب کے پیچھے جما نکنے کی صلاحیت ہی ختم ہو گئی ہے۔ اس لئے آجکل برکت کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ برکت کیا چیز ہے؟ برکت ایک ایسا وسیع مفہوم ہے۔ جس میں دنیا و آخرت کی تمام صلاح و فلاح سب شامل ہو جاتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک عطا ہوتی ہے۔ جس کا آپ نے اپنی زندگی میں بارہا مشاہدہ کیا ہو گا۔ وہ یہ کہ بعض اوقات انسان کسی چیز کے بے شمار اسباب جمع کر لیتا ہے۔ مگر ان سے فائدہ نہیں ہوتا، مثلاً اپنے گھر کے اندر آرام و راحت کے تمام اسباب جمع کر لئے، اعلیٰ سے اعلیٰ فرنیچر سے گھر کو سجا دیا۔ بہترین بیڈ لگا لئے۔ حشم خدم، نوکر چاکر سب جمع کر لئے۔ سجاوٹ کا سارا سامان جمع کر لیا۔ لیکن اس کے باوجود رات کو نیند نہیں آتی، ساری رات بستر پر کروٹیں بدلتے رہے، معلوم ہوا کہ ساز و سامان میں برکت نہیں۔ اور اس سامان سے جو فائدہ حاصل ہونا چاہئے

تھا۔ وہ حاصل نہیں ہوا ــ اب بتاؤ کہ کیا یہ ساز و سامان اپنی ذات میں خود مقصود ہے کہ ان کو دیکھتے رہو؟ اور خوش ہوتے رہو، ارے یہ سامان تو اس لئے ہے کہ اس کے ذریعہ راحت ملے۔ آرام ملے۔ سکون حاصل ہو۔ یاد رکھو۔ یہ ساز و سامان سکون لیکن راحت کا ذریعہ تو ہیں، اور جس چیز کا نام "راحت اور سکون" ہے۔ وہ خالص اللہ تعالی کی عطا ہے، لہٰذا جب اللہ تعالی عطا فرمائیں گے، تب "راحت و آرام" حاصل ہو گا۔ ورنہ دنیا کا کتنا بھی اسباب و سامان جمع کر لو۔ مگر راحت اور آرام نہیں ملے گا۔

اسباب میں راحت نہیں

آج ہر شخص اپنے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھ لے کہ آج سے تیس چالیس سال پہلے ہر شخص کے پاس کیسا ساز و سامان تھا، اور آج کتنا ہے، اور کیسا ہے؟ جائزہ لینے سے یہی نظر آئیگا کہ بیشتر افراد وہ ہیں، جن کی معاشی حالت میں ترقی ہوئی ہے۔ ان کے گھر کے ساز و سامان میں اضافہ ہوا ہے۔ فرنیچر پہلے سے اچھا ہے۔ گھر پہلے سے اچھا بن گیا ہے، آرام دہ چیزیں پہلے سے زیادہ حاصل ہو گئیں، لیکن یہ دیکھو کہ کیا سکون بھی حاصل ہوا؟ کیا راحت و آرام ملا؟ اگر سکون اور آرام نہیں ملا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سامان میں اللہ تعالی سے برکت حاصل نہیں ہوئی۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ فلاں چیز میں برکت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس چیز کے استعمال سے جو فائدہ حاصل ہونا چاہئے تھا۔ وہ حاصل ہو رہا ہے۔ اور بے برکتی یہ ہے کہ اس چیز کے استعمال کے باوجود راحت اور آرام حاصل نہیں ہو رہا ہے،

راحت اللہ تعالی کی عطا ہے

یاد رکھو۔ راحت، آرام، سکون، یہ چیزیں بازار سے پیسوں کے ذریعہ نہیں خریدی جا سکتیں، یہ خالص اللہ تعالی کی عطا ہے، وہی عطا فرماتے ہیں۔ اسی کا نام برکت ہے۔ جن لوگوں کے پیسوں میں برکت ہوتی ہے۔ گنتی کے اعتبار سے تمہارے مقابلے میں ان کے پاس شاید پیسے کم ہوں۔ لیکن پیسوں کا جو فائدہ ہے۔ یعنی راحت و آرام، وہ اللہ تعالی نے ان کو دے رکھا ہے ــ

مثلاً ایک دولت مند انسان ہے۔ اس کے پاس دنیا کا سارا سازو سامان جمع ہے۔ کارخانے کھڑی ہیں، کاریں ہیں، فرنیچر ہے، نوکر چاکر ہیں۔ جب کھانا چنا جاتا ہے تو دستر خوان پر اعلیٰ سے اعلیٰ کھانے موجود ہیں، لیکن معدہ خراب ہے۔ بھوک نہیں لگتی۔ ڈاکٹر نے منع کیا ہے کہ فلاں چیز نہیں کھا سکتے۔ فلاں چیز نہیں کھا سکتے، اب نعمتوں کے موجود ہونے کے باوجود ان سے فائدہ حاصل نہیں ہو رہا ہے۔ اسی کا نام بے برکتی ہے۔

دوسری طرف ایک مزدور نے آٹھ گھنٹے محنت کر کے سو روپے کمائے، اور پھر ہوٹل سے دال روٹی یا سبزی روٹی خریدی، اور بھرپور بھوک کے بعد خوب پیٹ بھر کر کھایا، کھانے کی پوری لذت حاصل کی، اور جب رات کو اپنی ٹوٹی پھوٹی چارپائی پر سویا تو آٹھ گھنٹے کی بھرپور نیند لے کر اٹھا، جس سے معلوم ہوا کہ کھانے کی لذت اس مزدور کو حاصل ہوئی۔ نیند کی لذت بھی اس کو حاصل ہوئی۔ البتہ اتنی بات ہے کہ دولت مند جیسا ٹیپ ٹاپ اس کے پاس نہیں ہے۔ یہ ہے کہ برکت کہ اللہ تعالیٰ نے تھوڑی سی چیز میں برکت ڈال دی، اور جن چیزوں سے جو فائدہ حاصل ہونا تھا۔ وہ اس سے حاصل کر لیا۔

کھانے میں برکت کا مطلب

دیکھئے، جو کھانا آپ کھا رہے ہیں، یہ کھانا بذات خود مقصود نہیں، بلکہ کھانے کا اصل مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعہ قوت حاصل ہو، جسم کو تقویت ملے، کھانے سے مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعہ بھوک مٹ جائے، اور وہ کھانا جزو بدن بن جائے، اس کے ذریعہ لذت اور راحت حاصل ہو۔ لیکن کھانے کے ذریعہ ان تمام چیزوں کا حاصل ہونا، یہ محض اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ اس بات کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث میں بیان فرما رہے ہیں تمہیں کہ کیا معلوم کہ کھانے کے کس جزء میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی ہے، ہو سکتا ہے جو کھانا تم کھا چکے ہو۔ اس میں برکت نہ ہو، اور انگلیوں پر کھانے کا جو حصہ لگا ہوا تھا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی تھی۔ تم نے اس کو چھوڑ دیا۔ جس کے نتیجے میں تم برکت سے محروم رہ گئے۔ چنانچہ وہ کھانا تو تم نے کھالیا۔ لیکن وہ کھانا نہ تو جزو بدن بنا، بلکہ اس کھانے نے بدہضمی پیدا کر دی، اور صحت کو نقصان پہنچا دیا۔ اور اس سے جو قوت حاصل ہونی تھی۔ وہ حاصل نہ ہوئی۔

کھانے کے باطن پر اثرات

یہ تو میں ظاہری سطح کی باتیں کر رہا ہوں، ورنہ اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو "دیدۂ بینا" یعنی بصیرت کی آنکھ عطا فرماتے ہیں، وہ اس سے بھی آگے پہنچتے ہیں، وہ یہ کہ کھانے کھانے میں فرق ہے۔ یہ کھانا انسان کی فکر پر، اس کی سوچ پر، اس کے جذبات اور خیالات پر اثرانداز ہوتا ہے، بعض کھانے وہ ہوتے ہیں جو انسان کے باطنی حالات میں ظلمت اور تاریکی پیدا کرتے ہیں۔ جن کی وجہ سے برے خیالات اور برے جذبات دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ گناہوں کا شوق اور خراب داعیے دل میں پیدا ہوتے ہیں ــــــ اور بعض کھانے ایسی برکت والے ہوتے ہیں کہ جس کی وجہ سے باطن کو سرور حاصل ہوتا ہے، روح کو غذا ملتی ہے۔ اچھے ارادے اور اچھے خیالات دل میں آتے ہیں۔ جس کی وجہ سے انسان کو نیکیوں کی ترغیب ہوتی ہے، نیکیوں کا داعیہ دل میں ابھرتا ہے۔ لیکن چونکہ ہماری آنکھیں اس مادہ پرستی کے دور میں اندھی ہو چکی ہیں۔ ہم لوگ بصیرت کھو چکے ہیں، جس کی وجہ سے کھانے کی ظلمت اور نورانیت کا فرق نہیں پتہ چلتا۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ بصیرت کی آنکھ عطا فرماتے ہیں۔ ان سے پوچھئے :۔

کھانے کے اثرات کا واقعہ

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ، جو دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس اور حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے استاذ تھے۔ غالباً انہی کا واقعہ ہے کہ ایک شخص نے ایک مرتبہ حضرت والا کی دعوت کی۔ آپ وہاں تشریف لے گئے، کھانا شروع کیا، ایک نوالہ کھانے کے بعد معلوم ہوا کہ جس شخص نے دعوت کی ہے۔ اس کی آمدنی حلال نہیں ہے، اس کی وجہ سے یہ کھانا حلال نہیں ہے، چنانچہ کھانا چھوڑ کر کھڑے ہو گئے، اور واپس چلے آئے، لیکن ایک نوالہ جو حلق میں چلا گیا تھا۔ اس کے بارے میں فرماتے تھے کہ یہ ایک لقمہ جو میں نے حلق سے نیچے اتار لیا تھا۔ اس کی ظلمت اور تاریکی دو ماہ تک مجھے محسوس ہوتی رہی۔ وہ اس طرح کے دو ماہ تک میرے دل میں گناہ کرنے کے داعیے بار بار دل میں پیدا ہوتے رہے۔ دل میں یہ تقاضہ ہوتا کہ فلاں گناہ کر لوں۔ فلاں گناہ کر لوں۔ اب بظاہر تو اس میں کوئی جوڑ نظر نہیں آتا کہ ایک لقمہ کھا لینے میں اور گناہ کا تقاضہ ہونے میں کیا جوڑ ہے؟ لیکن بات دراصل یہ ہے کہ ہمیں اس لئے محسوس نہیں ہوتا

کہ ہمارا سینہ ظلمت کے داغوں سے بھرا ہوا ہے۔ جیسے ایک سفید کپڑے کے اوپر بے شمار سیاہ داغ لگے ہوئے ہوں۔ اس کے بعد ایک داغ اور لگ جائے، پتہ بھی نہیں چلے گا کہ نیا داغ کونسا ہے؟ لیکن اگر کپڑا سفید، صاف، شفاف ہو، اس پر اگر ایک چھوٹا سا بھی داغ لگ جائے گا تو دور سے نظر آئے گا کہ داغ لگا ہو ہے ــــ بالکل اسی طرح ان اللہ والوں کے دل آئینے کی طرح صاف شفاف ہوتے ہیں۔ اس پر اگر ایک داغ بھی لگ جائے تو وہ داغ محسوس ہوتا ہے، اور اس کی ظلمت نظر آتی ہے۔ چنانچہ ان اللہ کے بندے نے یہ محسوس کر لیا کہ اس ایک لقمہ کے کھانے سے پہلے تو نیکی کے داعیے بھی دل میں پیدا ہو رہے ہیں، گناہوں سے نفرت ہے، لیکن ایک لقمہ کھانے کے بعد دل میں گناہوں کے تقاضے پیدا ہونے لگے، اس لئے بعد میں فرمایا کہ در حقیقت یہ اس ایک خراب لقمے کی ظلمت تھی۔ اس کا نام "برکت باطنی" ہے، جب اللہ تعالیٰ یہ برکت باطنی عطا فرما دیتے ہیں تو پھر اس کے ذریعہ انسان کے باطن میں ترقی ہوتی ہے۔ اخلاق اور خیالات درست ہو جاتے ہیں۔

ہم مادہ پرستی میں پھنسے ہوئے ہیں

آج ہم مادہ پرستی میں اور پیسوں کی گنتی کے چکر میں پھنس گئے، ساز و سامان اور ٹیپ ٹاپ میں پھنس گئے، جس کے نتیجے میں ہر کام کی باطنی روح ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئی، اور یہ باتیں اجنبی اور اچھنبی معلوم ہوتی ہیں۔ اس لئے برکت کا مطلب بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ کوئی اگر ہزار بار کہے کہ فلاں کام میں برکت ہے، تو اس کی کوئی اہمیت دل میں پیدا نہیں ہوتی ــــ لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ کھانا کھاؤ گے تو ایک ہزار روپے زیادہ ملیں گے، تو اب طبیعت میں اس کھانے کی طرف رغبت پیدا ہوگی کہ ہاں، یہ فائدہ کا کام ہے، اور اگر کوئی کہے کہ فلاں طریقے سے کھانا کھاؤ گے تو اس سے کھانے میں برکت ہوگی، تو اس طریقے کی طرف رغبت نہیں ہوگی، اس لئے کہ یہ پتہ ہی نہیں کہ برکت کیا ہوتی ہے، اس برکت کا ذہن میں تصور ہی نہیں ہے، حالانکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جگہ جگہ احادیث میں فرمایا کہ اس عمل سے برکت حاصل ہوگی، اور اس عمل سے برکت سلب ہو جائے گی، برکت حاصل کرنے کی کوشش کرو، بے برکتی

سے بچو۔ اس لئے یہ بات یاد رکھو کہ یہ برکت اس وقت تک حاصل نہیں ہوگی جب تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا اتباع نہیں ہوگا، چنانچہ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ کھانے کے بعد انگلیاں چاٹ لو۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ کھانے کے جو ذرات انگلیوں میں لگے ہوئے ہیں، ان میں برکت ہو

کیا انگلیاں چاٹ لینا شائستگی کے خلاف ہے؟

آج فیشن پرستی کا زمانہ ہے۔ لوگوں نے اپنے لئے نئے نئے ایٹیکیٹ بنا رکھے ہیں، چنانچہ اگر دستر خوان پر سب کے ساتھ کھانا کھا رہے ہیں، اس وقت اگر انگلیوں پر لگے ہوئے سالن کو چاٹ لیں، تو یہ شائستگی کے خلاف ہے، تہذیب کے خلاف ہے، یہ تو ناشائستگی اور بد تہذیبی ہے، اس لئے اس کام کو کرتے ہوئے شرم آتی ہے، اگر لوگوں کے سامنے کریں گے تو لوگ ہنسی مذاق اڑائیں گے، اور کہیں گے کہ یہ شخص غیر مہذب اور ناشائستہ ہے۔

تہذیب اور شائستگی سنتوں میں منحصر ہے

لیکن یاد رکھو! ساری تہذیب اور ساری شائستگی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں منحصر ہے، جس چیز کو آپ نے شائستگی قرار دے دیا۔ وہ ہے شائستگی، یہ نہیں ہے کہ جس چیز کو فیشن نے شائستگی قرار دے دیا، وہ شائستگی ہو، اس لئے کہ یہ فیشن تو روز بدلتے ہیں۔ کل تک جو چیز ناشائستہ تھی، آج وہ چیز شائستہ بن گئی۔

کھڑے ہو کر کھانا بد تہذیبی ہے

مثلاً کھڑے ہو کر کھانا آجکل فیشن بن گیا ہے، ایک ہاتھ میں پلیٹ پکڑی ہے، دوسرے ہاتھ سے کھانا کھا رہے ہیں، اسی پلیٹ میں سالن بھی ہے۔ اسی میں روٹی بھی ہے، اسی میں سلاد ہے، اور جس وقت دعوت میں کھانا شروع ہوتا ہے اس وقت چھینا چھپٹی

ہوتی ہے، اس میں کسی کو بھی ناشائستگی نظر نہیں آتی؟ اس لئے کہ فیشن نے آنکھیں اندھی کر دی ہیں، اس کے نتیجے میں اس کے اندر ناشائستگی نظر نہیں آتی ــــ چنانچہ جب تک کھڑے ہو کر کھانے کا فیشن اور رواج نہیں چلا تھا، اس وقت اگر کوئی شخص کھڑے ہو کر کھانا کھاتا تو ساری دنیا اس کو یہی کہتی کہ یہ غیر مہذب اور بڑا ناشائستہ طریقہ ہے، صحیح طریقہ تو یہ ہے کہ آدمی آرام سے بیٹھ کر کھائے۔

فیشن کو بنیاد مت بناؤ

لہٰذا فیشن کی بنیاد پر تو تہذیب اور شائستگی روز بدلتی ہے، اور بدلنے والی چیز کا کوئی بھروسہ اور کوئی اعتبار نہیں، اعتبار اس چیز کا ہے جس کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت قرار دے دی، اور جس کے بارے میں آپ نے بتا دیا کہ برکت اس میں ہے ــــ اب اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی نیت سے یہ کام کر لو گے تو آخرت میں بھی اجر و ثواب، اور دنیا میں بھی برکت حاصل ہوگی، اور اگر ــــ معاذ اللہ ــــ ناشائستہ سمجھ کر اس کو چھوڑ دو گے تو پھر تم اس کی برکتوں سے بھی محروم ہو جاؤ گے، اور پھر یہ بے چینیاں تمہاری مقدر ہونگی، محرومیاں تمہاری مقدر بن جائیں گی، گناہوں کی رغبت تمہارا مقدر ہوگی، اور دن رات تمہارے دل میں ظلمت اور تاریکیاں پیدا ہوتی رہیں گی ــــ بہر حال، بات لمبی ہو گئی، اس حدیث میں آپ نے اس بات کی تاکید فرمائی کہ کھانے کے بعد اپنی انگلیاں چاٹ لیا کرو، تاکہ کھانے کی برکت حاصل ہو جائے،

تین انگلیوں سے کھانا سنت ہے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عام عادت یہ تھی کہ آپ عموماً تین انگلیوں سے کھانا تناول فرمایا کرتے تھے، یعنی انگوٹھا، شہادت کی انگلی، اور بیچ کی انگلی، ان تینوں کو ملا کر نوالہ لیتے تھے، علماء کرام نے تین انگلیوں سے کھانے کی ایک حکمت تو یہ لکھی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ سادہ غذاؤں کا زمانہ تھا، آج کل کی طرح بہت لمبے چوڑے کھانے نہیں ہوتے تھے، اور دوسری حکمت یہ لکھی ہے کہ جب تین انگلیوں سے

کھائیں گے تو نوالہ چھوٹا بنے گا، اور چھوٹے نوالے میں ایک فائدہ طبّی طور پر یہ ہے کہ نوالہ جتنا چھوٹا ہوگا، اتنا ہی اس کے ہضم میں آسانی ہوگی، اس لئے کہ بڑا نوالہ پوری طرح چبے گا نہیں۔ اور پھر معدہ میں جاکر نقصان پہنچائے گا ــــ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اگر بڑا نوالہ لیا جائے گا تو اس سے انسان کی حرص کا اظہار ہوتا ہے، اور چھوٹے نوالے میں قناعت کا اظہار ہوتا ہے، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تین انگلیوں سے تناول فرماتے تھے، اگرچہ کبھی کبھار چار انگلیوں سے بھی کھایا کرتے تھے، بلکہ ایک روایت میں ایک واقعہ آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ انگلیوں سے کھانا تناول فرمایا۔ جس کے ذریعہ آپ نے یہ بتا دیا کہ تین کے بجائے چار اور پانچ انگلیوں سے کھانا بھی جائز ہے۔ لیکن عام طور پر آپ کا معمول اور آپ کی سنت تین انگلیوں سے کھانے کی تھی۔

(صحیح مسلم، کتاب الأشربة، باب استحباب لعق الاصابع حدیث نمبر ۲۰۳۱)

انگلیاں چاٹنے میں ترتیب

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا عشق دیکھئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ادا کو ہمارے لئے اس طرح محفوظ کر کے چھوڑ گئے ہیں کہ ہمارے لئے اس کی نقل اتارنا اور اس کی اتباع آسان ہو جائے، چنانچہ صحابہ کرام نے ہمیں یہ بتا دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس ترتیب سے یہ تین انگلیاں چاٹا کرتے تھے، فرماتے ہیں کہ ان تین انگلیوں کے چاٹنے کی ترتیب یہ ہوتی تھی کہ پہلے بیچ کی انگلی، پھر شہادت کی انگلی، اور پھر انگوٹھا ــــ جب صحابہ کرام آپس میں مل کر بیٹھتے تو آپ کی سنتوں کا تذکرہ کرتے، اور ایک دوسرے کو ترغیب دیتے کہ ہمیں بھی اسی طرح کرنا چاہئے۔ اب اگر کوئی انگلیاں نہ چاٹے تو کوئی گناہ نہیں ہوگا مگر سنت کی برکت سے محروم ہو جائے گا۔

کب تک ہنسے جانے سے ڈرو گے؟

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اگر ہم لوگوں کے سامنے انگلیاں چاٹیں گے تو لوگ اس پر ہنسی مذاق اڑائیں گے، اور ہمیں غیر مہذب اور غیر شائستہ کہیں گے ـــــ تو یاد رکھئے ـــــ جب تک ایک مرتبہ خم ٹھوک کر، کمر مضبوط کر کے اس بات کا تہیہ نہیں کر لو گے کہ دنیا کے لوگ جو کہیں، کہا کریں۔ ہمیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت محبوب ہے، ہمیں تو اس پر عمل کرنا ہے، جب تک یہ فیصلہ نہیں کرو گے، ـــ یاد رکھو۔ یہ دنیا تمہاری ہنسی مذاق اڑاتی رہے گی، مغربی قوموں کی نقالی کرتے کرتے ہمارا یہ حال ہو گیا ہے کہ سر سے لے کر پاؤں تک اپنا سراپا ان کے سانچے میں ڈھال لیا، لباس پوشاک ان جیسا، رہن سہن ان جیسا، وضع قطع ان جیسی، طریقے ان جیسے، تہذیب ان کی اختیار کر لی۔ ہر چیز میں ان کی نقالی کر کے دیکھ لی ـــ اب یہ بتاؤ کہ کیا ان کی نظر میں تمہاری عزت ہو گئی ـ؟ آج بھی وہ قوم تمہیں ذلت کی نگاہ سے دیکھتی ہے، تمہیں ذلیل سمجھتی ہے، روزانہ تمہاری پٹائی ہوتی ہے۔ تمہارے اوپر طمانچے لگتے ہیں، تمہیں حقیر سمجھا جاتا ہے، یہ سب کچھ اس لئے ہو رہا ہے کہ تم نے ان کو خوش کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے چھوڑ ان کے طریقے اختیار کر لئے ہیں، چنانچہ وہ جانتے ہیں کہ یہ لوگ ہمارے مقلد اور ہمارے نقال ہیں۔ اب تم ان کے سامنے کتنے ہی بن سنور کر کے چلے جاؤ۔ لیکن تم دقیانوس اور فنڈا مینٹلسٹ ہی رہو گے، اور تمہارے اوپر یہی طعنہ لگے گا کہ یہ بنیاد پرست اور غیر مہذب ہیں، رجعت پسند ہیں۔

یہ طعنے انبیاء کی وراثت ہے

جب تک تم ایک مرتبہ کمر مضبوط کر کے یہ تہیہ نہیں کر لو گے کہ یہ لوگ طعنے دیتے ہیں تو دیا کریں، کیونکہ یہ طعنے تو حق کے راستے کے راہی کا زیور ہیں، جب انسان حق کے راستے پر چلتا ہے تو اس کو یہی طعنے ملا کرتے ہیں۔ ارے ہم کیا ہیں۔ ہمارے پیغمبروں کو یہی طعنے ملے، چنانچہ قرآن کریم میں ہے کہ:

مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ

(سورۃ ھود: ۲۷)

یہ کفار پیغمبروں سے کہا کرتے تھے کہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ جو لوگ تمہاری اتباع کر رہے ہیں، یہ بڑے ذلیل قسم کے لوگ ہیں۔ حقیر اور ناشائستہ اور غیر مہذب ہیں ــــ بہرحال، اگر تم مسلمان ہو، پیغمبروں کے امتی اور ان کے متبع ہو تو پھر جہاں اور چیزیں ان کی وراثت میں تمہیں حاصل ہوئی ہیں، یہ طعنے بھی ان کی وراثت ہیں۔ آگے بڑھ کر ان طعنوں کو گلے لگاؤ، اور اپنے لئے ان کو باعث فخر سمجھو کہ الحمد للہ، وہی طعنے جو انبیاء علیہم السلام کو دیئے گئے تھے، ہمیں بھی دیئے جا رہے ہیں، یاد رکھو، جب تک یہ جذبہ پیدا نہیں ہو گا۔ اس وقت یہ ساری قومیں تمہارا مذاق اڑاتی رہیں گی ــــ اسد ملتانی مرحوم ایک شاعر گزرے ہیں، انہوں نے بڑا اچھا شعر کہا ہے کہ:

ہنسے جانے سے جب تک تم ڈرو گے
زمانہ تم پر ہنستا ہی رہے گا

دیکھ لو، زمانہ ہنس رہا ہے، خدا کے لئے یہ پرواہ دل سے نکال دو کہ دنیا کیا کہے گی، بلکہ یہ دیکھو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کیا ہے؟ اس پر عمل کر کے دیکھو، انشاء اللہ، دنیا سے عزت کراؤ گے، بالآخر مال کار عزت تمہاری ہو گی، کیونکہ عزت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع میں ہے، کسی اور کی اتباع میں نہیں۔

اتباع سنت پر عظیم بشارت

اتباع سنت پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اتنی عظیم بشارت دی ہے کہ اس کے برابر کوئی بشارت ہو ہی نہیں سکتی، چنانچہ فرمایا کہ:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

(آل عمران: ۳۱)

یعنی اے نبی۔ صلی اللہ علیہ وسلم ــ آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے، تو میری اتباع کرو، میرے پیچھے چلو، اور جب میرے پیچھے چلو گے اور میری اتباع کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں محبوب بنا لے گا، اس کا مطلب یہ ہے کہ ارے تم کیا اللہ تعالیٰ سے محبت کرو گے، تمہاری کیا حقیقت، تمہاری کیا مجال کہ تم اللہ تعالیٰ سے محبت کر سکو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے، بشرطیکہ تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی سنتوں کی اتباع کرنے لگو ـــــــ ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ یہ اس بات کی بشارت ہے کہ جس عمل کو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی غرض سے اختیار کیا جائے، تو پھر جس وقت انسان وہ عمل کر رہا ہے، اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے، دیکھو سنت یہ ہے کہ جب آدمی بیت الخلاء میں جائے، تو جانے سے پہلے یہ دعا پڑھے، "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ" اور داخل ہوتے وقت بایاں پاؤں داخل کرے، تو جس وقت تم نے اس نیت سے بایاں پاؤں داخل کر رہے ہو کہ یہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، اس وقت تم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہو، اس لئے کہ اس وقت تم اللہ کے محبوب کی سنت کی اتباع کر رہے ہو ـــــــ

اللہ تعالیٰ اپنا محبوب بنالیں گے

اسی طرح جس وقت تم اس نیت سے یہ انگلی چاٹ رہے ہو کہ یہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، اس وقت تم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کر رہے ہیں، ارے تم مخلوق کی طرف کیوں دیکھتے ہو کہ وہ محبت کر رہے ہیں یا نہیں؟ وہ اچھا سمجھ رہے ہیں یا نہیں؟ اس مخلوق کا خالق اور مالک جب تم سے محبت کر رہا ہے، اور وہ کہہ رہا ہے کہ یہ کام بڑا اچھا ہے۔ پھر تمہیں کیا پرواہ کہ دوسرے پسند کریں یا نہ کریں۔ اس لئے سنتوں کے ان طریقوں کو اپنی زندگی میں داخل کریں۔ ان کو اپنائیں ـــــــ اور ان طعنوں کی پرواہ نہ کریں ـــــــ اگر اس سنت پر پہلے سے عمل نہیں ہے تو اب عمل شروع کر دیں ـــــــ لوگ کہتے ہیں کہ آجکل ایسا زمانہ آگیا ہے کہ اس میں دین پر عمل کرنا بڑا مشکل ہے ـــــــ ارے بھائی، ہم نے اپنے ذہن سے مشکل بنا رکھا ہے، ورنہ بتائیے کہ اس انگلیاں چاٹنے کی سنت پر عمل کرنے میں کیا دشواری ہے؟ کون تمہارا ہاتھ روک رہا ہے؟ تمہارے مال و دولت میں یا راحت و آرام میں اس سنت پر عمل کرنے سے کونسا خلل آرہا ہے؟ جب اس ایک سنت کو اختیار کر لیا تو اللہ کی محبوبیت تمہیں حاصل ہو گئی، اور اس سنت کی برکات حاصل ہو گئیں۔ کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ ایک سنت کے صلے میں تمہیں نواز دیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تمام سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

انگلیاں دوسرے کو بھی چٹوانا جائز ہے

اس حدیث میں ایک اختیار اور دے دیا، فرمایا کہ "اویلعقها" یعنی اگر انگلیاں خود نہ چاٹے تو کسی اور کو چٹادے، علماء کرام نے لکھا ہے کہ اس کا منشاء یہ ہے کہ بعض اوقات ایسی صورت ہو جاتی ہے کہ آدمی انگلیاں چاٹنے پر قادر نہیں ہوتا، ایسی صورت میں کسی اور کو چٹادے، مثلاً بچے کو چٹادے، یا بلی کو چٹادے، کسی پرندے کو چٹادے، مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا رزق ضائع نہ ہو۔ اب اگر اس کو جاکر دھوڈالو گے تو وہ رزق ضائع ہو جائے گا۔ اور مخلوق کو چٹادو۔ تاکہ اس کو بھی برکت حاصل ہو جائے۔

کھانے کے بعد برتن چاٹنا

"عن جابر رضی اللہ عنه ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم امر بلعق الاصابع والصحفة، وقال: انکم لا تدرون فی ای طعامکم البرکة"

(صحیح مسلم۔ کتاب لاشربة، باب استحباب لعق الاصابع حدیث نمبر ۲۰۳۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلیاں چاٹنے اور پیالہ چاٹنے کا حکم دیا، اور فرمایا کہ تم نہیں جانتے کہ تمہارے کھانے کے کس حصے میں برکت ہے؟ اس حدیث میں ایک ادب اور بیان فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ کھانے کے بعد انگلیاں بھی چاٹے، اور جس برتن میں کھا رہا ہے۔ اس برتن کو بھی چاٹ کر صاف کر لے، تاکہ اللہ تعالیٰ کے رزق کی ناقدری نہ ہو ــــ ویسے تو برتن میں اتنا ہی سالن نکالنا چاہئے۔ جتنا کھا سکنے کی توقع ہو، زیادہ نہ نکالے، تاکہ بعد میں بچے نہیں، لیکن اگر بالفرض کھانا پلیٹ میں زیادہ نکل آیا، اور کھانا بچ گیا، اور اب کھانے کی گنجائش باقی نہ رہی، ایسے موقع پر بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پلیٹ میں جتنا سالن نکال لیا ہے، اس سب کو کھا کر ختم کرنا ضروری ہے، حتیٰ کہ بعض لوگ اس کو فرض و واجب سمجھنے لگے ہیں چاہے بعد میں ہیضہ ہی کیوں نہ ہو جائے۔ یاد رکھئے، شریعت میں یہ حکم نہیں کہ ضرور پورا کھانا کھاؤ، بلکہ شریعت کا اصل طریقہ یہ ہے کہ اول تو زیادہ کھانا نکالو ہی نہیں۔ لیکن اگر زیادہ کھانا نکل آئے تو اس کو چھوڑ دینے کی گنجائش ہے۔ لیکن اس کو اس طرح چھوڑو کہ وہ چھوڑا ہوا

کھانا پیالے کے ایک طرف ہو، پورے پیالے میں پھیلا ہوا نہ ہو، پورا پیالہ گندا اور سنا ہوا نہ ہو، لہٰذا اس کا طریقہ یہ ہے اپنے سامنے سے کھا کر اس حصے کو صاف کر لو۔ تاکہ آپ کا بچا ہوا کھانا کسی اور کو دیا جائے تو اس کو گھن نہ آئے۔ اس کو پریشانی نہ ہو، اسلام کی صحیح تعلیم یہ ہے۔

ورنہ چمچے کو چاٹ لے

بعض اوقات آدمی ہاتھ سے کھانا نہیں کھاتا، بلکہ چمچوں سے کھانا کھاتا ہے۔ اس وقت انگلیوں کے چاٹنے کی سنت پر کس طرح عمل کرے؟ اس لئے کہ انگلیوں پر کھانا لگا ہی نہیں۔ تو بعض علماء نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص چمچے سے کھا رہا ہے تو چمچے پر جو کھانا لگا ہوا ہے۔ اس کو اس نیت سے چاٹ لے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ معلوم نہیں کہ کھانے کے کس حصے میں برکت ہے؟ اب کھانا میری انگلیوں پر تو لگا نہیں ہے۔ مگر چمچوں پر لگا ہوا ہے۔ اس کو صاف کر لے، تو امید ہے کہ انشاء اللہ، اس سنت کی فضیلت اس میں بھی حاصل ہو جائے گی۔

گرا ہوا لقمہ اٹھا کر کھا لینا چاہئے

"وعن جابر رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال:
اذا وقعت لقمة احدکم فلیاخذھا فلیمط ما کان بھا من اذی ولیا
کلھا، ولا یدعھا للشیطان، ولا یمسح یدہ بالمندیل حتی یلعق
اصابعه، فانه لا یدری فی ای طعامه البرکة"

(صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، باب استحباب لعق الاصابع۔ حدیث نمبر ۲۰۳۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر کھانے کے دوران کسی شخص کا لقمہ گر جائے، تو اس کو چاہئے کہ وہ اس لقمے کو اٹھا لے۔ اگر اس لقمہ پر کوئی مٹی وغیرہ لگ گئی ہے تو اس کو صاف کر لے، اور پھر اس کو کھا لے، اور شیطان کے لئے اسکو نہ چھوڑے ــــ اس حدیث میں یہ ادب بتا دیا کہ

بعض اوقات کھانا کھاتے وقت کوئی لقمہ یا کوئی چیز گر جائے تو اس کو اٹھا کر صاف کر کے کھا لینی چاہئے، بعض اوقات انسان اس کو اٹھا کر کھاتے ہوئے شرماتا ہے، اور جھجکتا ہے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو، اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا رزق ہے، اس کی عطا ہے، اس کی ناقدری نہ کرو، اس کو اٹھا کر صاف کر کے کھالو ـــــ البتہ اگر وہ لقمہ اس طرح گر گیا کہ بالکل ملوث یا ناپاک ہو گیا، اور گندہ ہو گیا، اور اب اس کو صاف کر کے کھانا ممکن نہیں ہے تو بات دوسری ہے۔ مجبوری ہے ـــ لیکن اس کو اٹھا کر صاف کر کے کھایا جا سکتا ہو، اس وقت تک نہ چھوڑ۔ اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا رزق ہے، اس کی قدر اور تعظیم واجب ہے، جب تک اللہ تعالیٰ کے رزق کے چھوٹے حصوں کی قدر اور تعظیم نہیں کرو گے، اس وقت تک تمہیں رزق کی برکت حاصل نہیں ہوگی۔

اس میں بھی وہی بات ہے کہ گرے ہوئے لقمے کو اٹھا کر کھانا آجکل کی تہذیب اور ایٹیکٹ کے خلاف ہے، اس لئے آدمی اس سے شرماتا ہے، اور یہ سوچتا ہے کہ اگر میں اس کو اٹھاؤں گا تو لوگ کہیں گے کہ یہ بڑا ندیدہ ہے۔ لیکن اس پر ایک واقعہ سن لیجئے:

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما، جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے جانثار صحابی ہیں، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے راز دار، ان کا لقب "صاحب سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" مشہور تھا، ـــــ جس وقت مسلمانوں نے ایران میں کسریٰ کی سلطنت پر حملہ کیا، جو کسریٰ اس وقت کی بڑی عظیم طاقت اور سپر پاور تھا، اور ایران کی تہذیب ساری دنیا کے اندر مشہور تھی، اور اس کا غلغلہ تھا۔ اس لئے کہ اس وقت دو ہی تہذیبیں تھیں۔ ایک رومی اور ایک ایرانی، لیکن ایرانی تہذیب اپنی نزاکت، اپنی صفائی ستھرائی میں زیادہ مشہور تھی ـــ بہرحال، جب حملہ کیا تو کسریٰ نے مسلمانوں کو مذاکرات کی دعوت دی کہ آپ لوگ ہمارے ساتھ مذاکرات کریں۔

اپنا لباس نہیں چھوڑیں گے

حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہما جب مذاکرات کے لئے جانے لگے، اور کسریٰ کے محل میں داخل ہونے لگے، تو اس وقت وہ اپنا وہی سیدھا سادہ لباس پہنے ہوتے تھے، چونکہ لمبا سفر کر کے آئے تھے، اس لئے ہو سکتا ہے کہ وہ کپڑے کچھ میلے بھی ہوں، دربار کے دروازے پر جو دربان تھا، اس نے آپ کو اندر جانے سے روک دیا، اس نے کہا کہ تم اتنے بڑے بادشاہ کسریٰ کے دربار میں ایسے لباس میں جا رہے ہو؟ اور یہ کہہ کر اس نے ایک جبہ دیا کہ آپ یہ جبہ پہن کر جائیں حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے اس دربان سے کہا کہ اگر کسریٰ کے دربار میں جانے کے لئے اس کا دیا ہوا جبہ پہننا ضروری ہے، تو پھر ہمیں اس کے دربار میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں، اگر ہم جائیں گے تو اسی لباس میں جائیں گے، اور اگر اس کو اس لباس میں ملنا منظور نہیں، تو پھر ہمیں بھی اس سے ملنے کا کوئی شوق نہیں۔ لہٰذا ہم واپس جا رہے ہیں۔

تلوار دیکھ لی۔ بازو بھی دیکھ

اس دربان نے اندر پیغام بھیجا کہ یہ عجیب قسم کے لوگ آئے ہیں، جو جبہ لینے کو بھی تیار نہیں، اس دوران حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ اپنی تلوار کے اوپر لپٹی ہوئی کترنوں کو درست کرنے لگے، جو تلوار کے ٹوٹے ہوئے حصے پر لپٹی ہوئی تھیں۔ اس دربان نے تلوار دیکھ کر کہا: ذرا مجھے اپنی تلوار تو دکھاؤ، آپ نے وہ تلوار اس کو دے دی، اس نے وہ تلوار دیکھ کر کہا کہ: کیا تم اس تلوار سے ایران فتح کرو گے؟ حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابھی تک تم نے صرف تلوار دیکھی ہے، تلوار چلانے والا ہاتھ نہیں دیکھا، اس نے کہا کہ اچھا ہاتھ بھی دکھا دو، حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاتھ دیکھنا چاہتے ہو تو ایسا کرو کہ تمہارے پاس تلوار کا وار روکنے والی جو سب سے زیادہ مضبوط ڈھال ہو وہ منگوا لو، اور پھر میرا ہاتھ دیکھو، چنانچہ وہاں جو سب سے زیادہ مضبوط لوہے کی ڈھال تھی، جس کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ کوئی تلوار اس کو نہیں کاٹ سکتی، وہ منگوائی گئی، حضرت ربعی بن عامر نے فرمایا کہ کوئی شخص اس کو میرے

سامنے لے کر کھڑا ہو جائے، چنانچہ ایک آدمی اس ڈھال کو لے کر کھڑا ہو گیا، تو حضرت ربعی بن عامر نے وہ تلوار جس پر کترنیں لپٹی ہوئی تھیں، اس کا ایک وار جو کیا تو اس ڈھال کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ سب لوگ یہ نظارہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ خدا جانے یہ کیسی مخلوق آ گئی ہے۔ چنانچہ دربان نے اندر اطلاع بھیج دی کہ یہ ایسی مخلوق ہے کہ اپنی ٹوٹی ہوئی تلوار سے ڈھال کے دو ٹکڑے کر دیئے، پھر ان کو اندر بلا لیا گیا۔

ان احمقوں کی وجہ سے سنت چھوڑ دوں؟

جب اندر پہنچے تو تواضع کے طور پر پہلے ان کے سامنے کھانا لا کر رکھا گیا، چنانچہ آپ نے کھانا شروع کیا، کھانے کے دوران آپ کے ہاتھ سے ایک نوالہ نیچے گر گیا...... حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ اگر نوالہ نیچے گر جائے تو اس کو ضائع نہ کرو وہ اللہ کا رزق ہے، اور یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رزق کے کونسے حصے میں برکت رکھی ہے، اس لئے اس نوالے کی ناقدری نہ کرو، بلکہ اس کو اٹھالو، اگر اس کے اوپر کچھ مٹی لگ گئی ہے تو اس کو صاف کر لو، اور پھر کھالو...... چنانچہ جب نوالہ نیچے گرا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث یاد آ گئی، اور آپ نے اس نوالے کو اٹھانے کے لئے نیچے ہاتھ بڑھایا، آپ کے برابر ایک صاحب بیٹھے تھے انہوں نے آپ کو کہنی مار کر اشارہ کیا کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ یہ تو دنیا کی سپر طاقت کسریٰ کا دربار ہے، اگر تم اس دربار میں زمین پر گرا ہوا نوالہ اٹھا کر کھاؤ گے تو ان لوگوں کے ذہنوں میں تمہاری وقعت نہیں رہے گی، اور یہ سمجھیں گے کہ یہ بڑے ندیدہ قسم کے لوگ ہیں، اس لئے یہ نوالہ اٹھا کر کھانے کا موقع نہیں ہے، آج اس کو چھوڑ دو۔ جواب میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے کیا عجیب جملہ ارشاد فرمایا کہ۔

اأترك سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم لهؤلاء الحمقى؟

کیا میں ان احمقوں کی وجہ سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت چھوڑ دوں؟ چاہے یہ اچھا سمجھیں، یا برا سمجھیں، عزت کریں، یا ذلت کریں، یا مذاق اڑائیں، لیکن میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں چھوڑ سکتا۔ چنانچہ وہ لقمہ اٹھا کر صاف کر کے کھالیا۔

یہ ہیں فاتح ایران

کسریٰ کے دربار کا دستور یہ تھا کہ وہ خود تو کرسی پر بیٹھا رہتا تھا اور سارے درباری سامنے کھڑے رہتے تھے ...... حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے کسریٰ سے کہا کہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے پیرو کار ہیں، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس بات سے منع کیا ہے کہ ایک آدمی بیٹھا رہے اور باقی آدمی اس کے سامنے کھڑے رہیں، لہٰذا ہم اس طرح سے مذاکرات کرنے کے لئے تیار نہیں، یا تو ہمارے لئے بھی کرسیاں منگوائی جائیں، یا کسریٰ بھی ہمارے سامنے کھڑا ہو...... کسریٰ نے جب یہ دیکھا کہ یہ لوگ تو ہماری توہین کرنے کے لئے آگئے، چنانچہ اس نے حکم دیا کہ ایک مٹی کا ٹوکرا بھر کر ان کے سر پر رکھ کر ان کو واپس روانہ کر دو، میں ان سے بات نہیں کرتا، چنانچہ ایک مٹی کا ٹوکرا ان کو دے دیا گیا۔ حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے وہ ٹوکرا سر پر رکھ لیا، جب دربار سے نکلنے لگے تو جاتے ہوئے یہ کہا کہ: اے کسریٰ! یہ بات یاد رکھنا کہ تم نے ایران کی مٹی ہمیں دے دی۔ یہ کہہ کر روانہ ہو گئے

ایرانی لوگ بڑے توہم پرست قسم کے لوگ تھے، انہوں نے سوچا کہ یہ جو کہا کہ "ایران کی مٹی ہمیں دے دی" یہ تو بڑی بد فالی ہو گئی، اب کسریٰ نے فوراً ایک آدمی پیچھے دوڑایا کہ جاؤ جلدی سے وہ مٹی کا ٹوکرا واپس لے آؤ۔ اب حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ کہاں ہاتھ آنے والے تھے، چنانچہ وہ لے جانے میں کامیاب ہو گئے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا تھا کہ ایران کی مٹی انہی ٹوٹی ہوئی تلوار والوں کے ہاتھ میں ہے۔

کسریٰ کے غرور کو خاک میں ملا دیا

اب بتائیے کہ انہوں نے اپنی عزت کرائی یا آج ہم سنتیں چھوڑ کر کروا رہے ہیں؟ عزت انہوں نے ہی کرائی، اور ایسی عزت کرائی کہ ایک طرف تو سنت پر عمل کرتے ہوئے نوالہ اٹھا کر کھایا، تو دوسری طرف ایران کے وہ کج کلاہ جو غرور کے مجسمے بنے ہوئے تھے، ان کا غرور ایسا خاک میں ملایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیا کہ

اذا هلك كسرىٰ فلا كسرىٰ بعده

کہ جس دن کسریٰ ہلاک ہوا اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہے، دنیا سے اس کا نام و نشان مٹ گیا۔ بہرحال، یہ جو سنت کہ اگر نوالہ نیچے گر جائے تو اس کو اٹھا کر کھالو، اس کو شرما کر مت چھوڑنا چاہئے، بلکہ اس سنت پر عمل کرنا چاہئے۔

مذاق اڑانے کے ڈر سے سنت چھوڑنا کب جائز ہے؟

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ اگر کوئی سنت ایسی ہے۔ جس کا ترک بھی جائز ہے، اور اس بات کا بھی اندیشہ ہے کہ اگر اس سنت پر عمل کیا گیا تو کچھ مسلمان جو بے فکر اور آزاد خیال ہیں۔ وہ اس سنت کا مذاق اڑا کر کفر و ارتداد میں مبتلا ہونگے، تو ایسے موقع اس سنت پر عمل چھوڑ دے تو یہ جائز ہے، مثلاً زمین پر بیٹھ کر کھانا سنت سے قریب تر ہے۔ لیکن اگر آپ کسی وقت ہوٹل یا ریسٹورنٹ میں کھانے کے لئے چلے گئے۔ وہاں کرسیاں بچھی ہوئی ہیں۔ اب آپ نے وہاں جا کر یہ سوچا کہ زمین پر بیٹھ کر کھانا سنت سے زیادہ قریب ہے، چنانچہ وہیں پر آپ زمین پر رومال بچھا کر بیٹھ گئے۔ تو اس صورت میں اگر اس سنت کی توہین اور تضحیک کا اندیشہ ہو، اور اس سے لوگوں کے کفر اور ارتداد میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں بہتر یہ ہے کہ اس وقت آدمی اس سنت کو چھوڑ دے، اور کرسی پر بیٹھ کر کھالے۔

لیکن یہ اس وقت ہے جب اس سنت کو چھوڑنا جائز ہو، لیکن جہاں اس سنت کو چھوڑنا جائز اور مباح نہ ہو، وہاں کسی کے مذاق اڑانے کی وجہ سے اس سنت کو چھوڑنا جائز نہیں — دوسرے یہ کہ مسلمان کی بات اور ہے۔ کافر کی بات اور ہے، اس لئے کہ مسلمان کے اندر تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ سنت کا مذاق اڑانے کے نتیجے میں کافر ہو جائے گا، لیکن اگر کافروں کا مجمع ہے۔ تو وہ پہلے سے ہی کافر ہیں، ان کے مذاق اڑانے سے کچھ فرق نہیں پڑیگا۔ لہٰذا وہاں پر سنت پر عمل کو چھوڑنا درست نہیں ہوگا۔

کھانے کے وقت اگر کوئی مہمان آجائے تو؟

"وعن جابر رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم یقول : طعام الواحد یکفی الاثنین، وطعام الاثنین
یکفی الاربعة، وطعام الاربعة یکفی الثمانیة"
(صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، باب فضیلۃ المواساۃ فی الطعام۔ حدیث نمبر ۲۰۵۹)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایک آدمی کا کھانا دو آدمی کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ اور دو آدمی کا کھانا چار کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ اور چار کا کھانا آٹھ کے لئے کافی ہو جاتا ہے ____

اس حدیث میں آپ نے یہ اصول بیان فرمایا کہ اگر تم کھانا کھانے بیٹھے، اور اس وقت کوئی مہمان یا ضرورت مند آگیا، تو اس مہمان کو یا اس ضرورت مند کو صرف اس وجہ سے واپس مت لوٹاؤ کہ کھانا تو ہم نے ایک ہی آدمی کا بنایا تھا، اگر اس مہمان کو یا ضرورت مند کو کھانے میں شریک کر لیا تو کھانے میں کمی واقع ہو جائے گی، بلکہ ایک آدمی کا کھانا دو کے لئے بھی کافی ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس ضرورت مند کو واپس مت لوٹاؤ، بلکہ اس کو بھی کھانے میں شریک کر لو، اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کھانے میں برکت عطا فرمائیں گے ___ اور جب ایک کا کھانا دو کے لئے کافی ہو جاتا ہے تو دو کا کھانا چار کے لئے، اور چار کا کھانا آٹھ کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔

سائل کو ڈانٹ کر مت بھگاؤ

ہمارے یہاں یہ عجیب رواج پڑ گیا ہے کہ مہمان اسی کو سمجھا جاتا ہے جو ہمارے ہم پلہ ہو، یا جس سے شناسائی ہو، دوستی ہو، یا عزیز یا قریبی رشتہ دار ہو، اور وہ بھی اپنے ہم پلہ اور اپنے اسٹیٹس کا ہو، وہ تو حقیقت میں مہمان ہے، اور جو بیچارہ غریب اور مسکین آجائے تو کوئی شخص اس کو مہمان نہیں مانتا، بلکہ اس کو بھکاری سمجھا جاتا ہے، کہتے ہیں کہ یہ مانگنے والا آگیا، حالانکہ حقیقت میں وہ بھی اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا مہمان ہے۔ اس کا اکرام کرنا بھی ہر مسلمان کا حق ہے، لہٰذا اگر کھانے کے وقت ایسا مہمان آجائے تو اس کو بھی کھانے میں شریک کر لو، اس کو واپس مت کرو ___ اس میں اس بات کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہئے کہ اگر کھانے کے وقت سائل آجائے تو اس کو واپس لوٹانا اچھی بات نہیں، اس کو کچھ دے کر رخصت کرنا چاہئے ___ اور اس سے تو ہر حال میں پرہیز کرنا

چاہئے کہ اس کو ڈانٹ کر بھگا دیا جائے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ

(سورۃ الضحیٰ)

سائل کو جھڑکو نہیں، اس لئے حتی الامکان اس بات کی کوشش کرو کہ جھڑکنے کی نوبت نہ آئے، اس لئے بعض اوقات آدمی اس کے اندر حدود سے تجاوز کر جاتا ہے، جس کے نتیجے میں بڑے خراب حالات پیدا ہو جاتے ہیں۔

ایک عبرت آموز واقعہ

حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ نے اپنے مواعظ میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک صاحب بڑے دولت مند تھے، ایک مرتبہ وہ اپنی اہلیہ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے، کھانا بھی اچھا بنا ہوا تھا۔ اس لئے بہت شوق و ذوق سے کھانا کھانے کے لئے بیٹھے، اتنے میں ایک سائل دروازے پر آ گیا، اب کھانے کے دوران سائل کا آنا ان کو ناگوار ہوا، چنانچہ انہوں نے اس سائل کو ڈانٹ ڈپٹ کر ذلیل کر کے باہر نکال دیا ــــ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے ــــ بعض اوقات انسان کا ایک عمل اللہ کے غضب کو دعوت دیتا ہے ــــ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد میاں بیوی میں ان بن شروع ہو گئی، لڑائی جھگڑے رہنے لگے، یہاں تک کہ طلاق کی نوبت آ گئی، اور اس نے طلاق دے دی۔ بیوی نے اپنے میکے میں آ کر عدت گزاری، اور عدت کے بعد کسی اور شخص سے اس کا نکاح ہو گیا، وہ بھی ایک دولت مند آدمی تھا ــــ پھر وہ ایک دن وہ اپنے اس دوسرے شوہر کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا رہی تھی کہ اتنے میں دروازے پر ایک سائل آ گیا، چنانچہ بیوی نے اپنے شوہر سے کہا کہ میرے ساتھ ایک واقعہ پیش آ چکا ہے۔ مجھے اس بات کا خطرہ ہے کہ کہیں اللہ کا غضب نازل نہ ہو جائے۔ اس لئے میں پہلے اس سائل کو کچھ دے دوں۔ شوہر نے کہا کہ دے آؤ۔ جب وہ دینے گئی تو اس نے دیکھا کہ وہ سائل جو دروازے پر کھڑا تھا۔ وہ اس کا پہلا شوہر تھا۔ چنانچہ وہ حیران رہ گئی، اور واپس آ کر اپنے شوہر کو بتایا کہ آج میں نے عجیب منظر دیکھا کہ یہ سائل وہ میرا پہلا شوہر ہے، جو بہت دولت مند تھا۔ میں ایک دن اس کے ساتھ اس طرح بیٹھی کھانا کھا رہی تھی کہ اتنے میں دروازے پر ایک سائل آ گیا، اور اس نے اس کو

جھڑک کر بھگا دیا تھا۔ جس کے نتیجے میں اب اس کا یہ حال ہو گیا، اس شوہر نے کہا کہ میں تمہیں اس سے زیادہ عجیب بات بتاؤں کہ وہ سائل جو تمہارے شوہر کے پاس آیا تھا۔ وہ در حقیقت میں ہی تھا ــــ اللہ تعالیٰ نے اس کی دولت اس دوسرے شوہر کو عطا فرما دی، اور اس کا فقر اس کو دے دیا، اللہ تعالیٰ برے وقت سے محفوظ رکھے، آمین۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے پناہ مانگی ہے۔ فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْحُوْرِ بَعْدَ الْکُوْرِ

بہر حال، کسی بھی سائل کو ڈانٹنے ڈپٹنے سے حتی الامکان پرہیز کرو، البتہ بعض اوقات ایسا موقع آ جاتا ہے کہ ڈانٹنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ تو فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے۔ لیکن حتی الامکان اس بات کی کوشش کرو کہ ڈانٹنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ بلکہ کچھ دے کر رخصت کر دو۔

اس حدیث کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اپنے کھانے کی مقدار کو ایسی پتھر کی لکیر مت بناؤ کہ جتنا کھانے کا معمول ہے۔ روزانہ اتنا ہی کھانا ضروری ہے، بلکہ اگر کبھی کسی وقت کچھ کمی کا موقع آ جائے تو اس کی بھی گنجائش رکھو، اس لئے آپ نے فرمایا کہ ایک آدمی کا کھانا دو کے لئے، اور دو کا کھانا چار کے لئے، اور چار کا کھانا آٹھ کے لئے کافی ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کی حقیقت سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے ــ آمین ــ

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا ارشاد

بہر حال، کھانے کی تقریباً اکثر سنتوں کا بیان ہو چکا، اگر ان سنتوں پر عمل نہیں ہے، تو آج ہی سے اللہ کے نام پر ان پر عمل کرنے کا ارادہ کر لیں۔ یقین رکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نورانیت، روحانیت، اور دوسرے عجیب وغریب فوائد اتباع سنت میں رکھے ہیں، وہ انشاء اللہ ان چھوٹی چھوٹی سنتوں پر عمل کرنے سے بھی حاصل ہو جائیں گے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد بار بار سننے کا ہے، فرماتے ہیں کہ:

اللہ تعالیٰ نے مجھے علوم ظاہرہ سے سرفراز فرمایا، حدیث پڑھی، تفسیر پڑھی، فقہ پڑھی، گویا تمام علوم ظاہرہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے، اس میں اللہ تعالیٰ نے مجھے کمال بخشا، اس کے بعد مجھے خیال ہوا کہ یہ دیکھنا چاہئے کہ صوفیاء کرام کیا کہتے ہیں؟ ان کے پاس کیا

علوم ہیں؟ چنانچہ ان کی طرف متوجہ ہو کر ان کے علوم حاصل کئے، صوفیاء کرام کے جو چار سلسلے ہیں۔ سہروردیہ، قادریہ، چشتیہ، نقش بندیہ، ان سب کے بارے میں دل میں یہ جستجو پیدا ہوئی کہ کونسا سلسلہ کیا طریقہ تعلیم کرتا ہے؟ سب کی سیر کی، اور چاروں سلسلوں میں جتنے اعمال، جتنے اشغال، جتنے اذکار، جتنے مراقبات، جتنے چلے ہیں۔ وہ سب انجام دیئے، سب کچھ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا مقام بخشا کہ خود سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے مجھے خلعت پہنایا، پھر اللہ تعالیٰ نے اتنا اونچا مقام بخشا کہ اصل کو پہنچا، پھر اصل سے ظل کو پہنچا، حتی کہ میں ایسے مقام پر پہنچا کہ اگر اس کو زبان سے ظاہر کروں تو علماء ظاہر مجھ پر کفر کا فتویٰ لگا دیں، اور علماء باطن مجھ پر زندیق ہونے کا فتویٰ لگا دیں۔ لیکن میں کیا کروں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے واقعتہً اپنے فضل سے یہ سب مقامات عطا فرمائے، اب یہ سارے مقامات حاصل کرنے کے بعد میں ایک دعا کرتا ہوں، اور جو شخص اس دعا پر آمین کہہ دے گا، انشاء اللہ اس کی بھی مغفرت ہو جائے گی :وہ دعا یہ کہ :

> اے اللہ، مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کی توفیق عطا فرما، آمین، اے اللہ، مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر زندہ رکھ، آمین، اے اللہ، مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی پر موت عطا فرما، آمین۔

سنتوں پر عمل کریں

بہر حال، تمام مقامات کی سیر کرنے کے بعد آخر میں نتیجہ یہی ہے کہ جو کچھ ملے گا، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع میں ملے گا۔ تو حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں تو سارے مقامات کی سیر کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا، تم پہلے دن پہنچ جاؤ، پہلے ہی دن اس بات کا ارادہ کر لو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی سنتیں ہیں۔ ان پر عمل کروں گا، پھر اس کی برکت اور نورانیت دیکھو گے، پھر زندگی کا لطف دیکھو، یاد رکھو، زندگی کا لطف فسق وفجور میں نہیں ہے، گناہوں میں نہیں ہے، اس زندگی کا لطف ان لوگوں سے پوچھو، جنہوں نے اپنی زندگی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کی سنتوں میں ڈھال لیا ہے ۔۔۔ حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زندگی کا جو لطف اور اس کا جو کیف اور لذت ہمیں عطا فرمائی ہے۔ اگر ان دنیا کے بادشاہوں کو پتہ لگ جائے تو تلواریں سونت کر ہمارے مقابلے کے لئے آجائیں۔ تاکہ ان کو یہ لذت حاصل ہو جائے۔ ایسی لذت اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہیں۔۔۔ لیکن کوئی اس پر عمل کر کے دیکھے۔ اس راہ پر چل کر دیکھے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور اپنی رحمت سے ہم سب کو اتباع سنت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

پینے کے آداب

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
١٨٨/١- لیاقت آباد، کراچی ١٩

موضوع خطاب :

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۵

صفحات :

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پینے کے آداب

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان سيدنا وسندنا ونبينا ومولانا محمداً عبده ورسوله، صلى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ اٰله واصحابه وبارك وسلم تسليماً كثيراً كثيراً امابعد:

عن انس رضي الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يتنفس في الشراب ثلاثا، يعني يتنفس خارج الاناء۔

(مسلم، کتاب الاشربۃ، باب کراھۃ التنفس فی نفس الاناء)

وعن ابن عباس رضي الله عنهما قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تشربوا واحداً كشرب البعير، ولكن اشربوا مثنى وثلاث، وسموا اذا انتم شربتم، وحمدوا اذا انتم رفعتم۔

(ترمذی، کتاب الاشربۃ، باب ماجاء فی التنفس فی الاناء)

پانی پینے کا پہلا ادب

اب تک جن احادیث کا بیان ہوا، ان میں کھانے کے آداب بیان کئے گئے تھے۔ آج جو احادیث آرہی ہیں۔ ان میں زیادہ تر پینے کے آداب کا بیان ہے۔ اس میں پہلی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم پینے کی چیز کو، خواہ وہ پانی ہو۔ یا شربت ہو۔ اس کو تین سانس میں پیا کرتے تھے، پھر سانس لینے کی وضاحت آگے کر دی کہ پینے کے دوران برتن منہ سے ہٹا کر سانس لیا کرتے تھے،

دوسری حدیث حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، پینے کی کسی بھی چیز کو اونٹ کی طرح ایک ہی مرتبہ نہ پیا کرو۔ یعنی ایک ہی سانس میں ایک ہی مرتبہ آدمی غٹ غٹ کر کے پورا گلاس حلق میں انڈیل دے، یہ صحیح نہیں۔ اور اس عمل کو آپ نے اونٹ کے پینے سے تشبیہ دی، اس لئے کہ اونٹ کی عادت یہ ہے کہ وہ ایک ہی مرتبہ میں سارا پانی پی جاتا ہے۔ تم اس کی طرح مت پیو، بلکہ تم جب پانی پیو تو یا دو سانس میں پیو، یا تین سانس میں پیو، اور جب پانی پینا شروع کرو تو اللہ کا نام لے کر اور بسم اللہ پڑھ کر شروع کرو، یہ نہیں کہ محض غٹ غٹ کر کے پانی حلق سے اتار لیا۔

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ کا ایک چھوٹا رسالہ ہے، جس کا نام ہے "بسم اللہ کے فضائل و مسائل" اس چھوٹے سے رسالے میں حقائق و معارف کا دریا بند ہے۔ اگر اس کو پڑھے تو انسان کی آنکھیں کھل جائیں۔ اس میں حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے یہی بیان فرمایا ہے کہ یہ پانی جس کو تم نے ایک لمحے کے اندر حلق سے نیچے اتار لیا، اس کے بارے میں ذرا یہ سوچو کہ یہ پانی کہاں تھا؟ اور تم تک کیسے پہنچا؟

پانی کا خدائی نظام کا کرشمہ

اللہ تعالیٰ نے پانی کا سارا ذخیرہ سمندر میں جمع کر رکھا ہے، اور اس سمندر کے پانی کو کھارا بنایا، اس کے لئے کہ اگر اس پانی کو میٹھا بناتے تو کچھ عرصے کے بعد یہ پانی سڑ کر خراب ہو جاتا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس پانی کے اندر ایسے نمکیات رکھے کہ روزانہ لاکھوں جانور اس میں مرجاتے ہیں۔ اس کے باوجود اس میں کوئی خرابی اور کوئی تغیر پیدا نہیں ہوتا۔ اس کا ذائقہ نہیں بدلتا۔ نہ اس کے اندر کوئی سڑان پیدا ہوتی ہے۔ پھر اگر تم سے یہ کہا جاتا کہ جب پانی کی ضرورت ہو تو سمندر سے حاصل کر لو۔ اور اس کو پی لو۔ تو

انسان کے لئے کتنا دشوار ہو جاتا، اس لئے کہ اول تو ہر شخص کا سمندر تک پہنچنا مشکل ہے، اور دوسری طرف وہ پانی اتنا کھارا ہے کہ ایک گھونٹ بھی حلق سے اتارنا مشکل ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام فرمایا کہ اس سمندر سے مون سون کے بادل اٹھائے، اور پھر عجیب قدرت کا کرشمہ ہے کہ اس بادل کے اندر ایسی آٹومیٹک مشین لگی ہوئی ہے کہ جب وہ بادل سمندر سے اٹھتا ہے تو اس پانی کی ساری نمکیات نیچے رہ جاتی ہیں، اور صرف میٹھا پانی اوپر اٹھ کر چلا جاتا ہے، اور پھر اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا سال میں ایک مرتبہ بادلوں کے ذریعہ سارا پانی برسا دیتے، اور یہ فرماتے کہ تم یہ پانی اپنے پاس جمع کر لو۔ اور ذخیرہ کر لو، ہم صرف ایک مرتبہ بارش برسا دیں گے، تو اس صورت وہ برتن اور ٹنکیاں کہاں سے لاتے جن کے اندر تم اتنا پانی جمع کر لیتے جو تمہارے سال بھر کے لئے کافی ہو جاتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ

(سورۃ المومنون :۱۸)

یعنی ہم نے پہلے آسمان سے پانی برسایا، اور پھر اس کو زمین کے اندر بٹھا دیا۔ اور جمع کر دیا۔ اس کو اس طرح بٹھا دیا کہ پہلے پہاڑوں پر برسایا، اور پھر اس کو برف کی شکل میں وہاں جما دیا، اور تمہارے لئے وہاں ایک قدرتی فریزر بنا دیا۔ اب پہاڑ کی چوٹیوں پر تمہارے لئے پانی محفوظ ہے۔ اور ضرورت کے وقت وہ پانی پگھل پگھل کر دریاؤں کے ذریعہ زمین کے مختلف خطوں میں پہنچ رہا ہے، اور پھر دریاؤں سے نہریں اور ندیاں نکالیں۔۔۔ اور دوسری طرف زمین کی رگوں کے ذریعہ کنوؤں تک پانی پہنچا دیا۔۔۔ لہٰذا اب پہاڑوں کی چوٹیوں پر ذخیرہ بھی موجود ہے، اور سپلائی لائن بھی موجود ہے، اور اس سپلائی لائن کے ذریعہ ایک ایک آدمی تک پانی پہنچ رہا ہے۔۔۔ اب اگر ساری دنیا کے سائنس دان اور انجینئر مل کر بھی اس طرح پانی کی سپلائی کا انتظام کرنا چاہتے تو انتظام نہیں کر سکتے تھے، لہٰذا جب پانی پیو تو ذرا غور کر لیا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے ذریعہ یہ پانی کا گلاس تم تک پہنچایا۔ اور اسی بات کی طرف یاد دھانی کے لئے کہا جا رہا ہے کہ جب پانی پیو تو بسم اللہ کر کے پانی پیو۔

پوری سلطنت کی قیمت ایک گلاس پانی

بادشاہ ہارون رشید ایک مرتبہ شکار کی تلاش میں جنگل میں گھوم رہے تھے۔ گھومتے گھومتے راستہ بھٹک گئے، اور زاد راہ ختم ہو گیا اور پیاس سے بیتاب ہو گے، چلتے چلتے ایک جھونپڑی نظر آئی وہاں پہنچے، وہاں جاکر جھونپڑی والے سے کہا کہ ذرا پانی پلا دو، وہ کہیں سے پانی لایا، اور ہارون رشید نے پینا چاہا تو اس شخص نے کہا: امیرالمومنین، ذرا ایک لمحے کے ٹھہر جائیے۔ پہلے یہ بتائیں کہ یہ پانی جو اس وقت میں آپکو دے رہا ہوں، بالفرض یہ پانی نہ ملتا، اور پیاس اتنی ہی شدید ہوتی جتنی اس وقت ہے۔ تو بتائیے اس ایک گلاس پانی کی کیا قیمت لگاتے، اور اس کے حاصل کرنے پر کتنی رقم خرچ کر دیتے؟ ہارون رشید نے کہا کہ یہ پیاس تو ایسی چیز ہے کہ اگر انسان کو پانی نہ ملے تو اس کی وجہ سے بیتاب ہو جاتا ہے، اور مرنے کے قریب ہو جاتا ہے، اس لئے میں ایک گلاس پانی حاصل کرنے کی خاطر اپنی آدھی سلطنت دے دیتا۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ اب آپ اس پانی کو پی لیں، ہارون رشید نے پانی پی لیا، اس کے بعد اس شخص نے ہارون رشید سے کہا: امیرالمومنین! ایک سوال کا اور جواب دے دیں، انہوں نے پوچھا کیا سوال ہے؟ اس شخص نے کہا کہ ابھی آپ نے جو ایک گلاس پانی پیا ہے۔ اگر یہ پانی آپ کے جسم کے اندر رہ جائے۔ اور خارج نہ ہو۔ پیشاب نہ آئے۔ تو پھر اس کو خارج کرنے کے لئے کیا کچھ خرچ کر دیں گے؟ ہارون رشید نے جواب دیا کہ یہ تو پہلی مصیبت سے بھی زیادہ بڑی مصیبت ہے کہ پانی اندر جاکر خارج نہ ہو۔ اور پیشاب بند ہو جائے، اس کو خارج کرنے کے لئے بھی میں آدھی سلطنت دے دیتا، اس کے بعد اس شخص نے کہا کہ آپ کی پوری سلطنت کی قیمت صرف ایک گلاس پانی کا اندر لے جانا اور اس کو باہر لانا ہے۔ اور یہ پانی پینے اور اس کو باہر نکالنے کی نعمت صبح سے شام تک کئی مرتبہ آپ کو حاصل ہوتی ہے۔ کبھی آپ نے اس پر غور کیا کہ اللہ تعالیٰ نے کتنی بڑی نعمت دے رکھی ہے۔

اس لئے یہ جو کہا جا رہا ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر پانی پیو، اس سے اسی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے کہ یہ پانی کا گلاس جو تم پی رہے ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے۔ اور اس توجہ کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اس پانی پینے کو تمہارے لئے عبادت بنا دیں گے۔

ٹھنڈا پانی، ایک عظیم نعمت

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ نے ایک مرتبہ حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ سے فرمایا کہ: میاں اشرف علی! جب بھی پانی پیو، تو ٹھنڈا پیو، تاکہ روئیں روئیں سے اللہ تعالیٰ کا شکر نکلے ــــ اس لئے کہ جب مومن آدمی ٹھنڈا پانی پیے گا تو اس کے روئیں روئیں سے اللہ تعالیٰ کا شکر نکلے گا، شاید یہی وجہ ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسل کے ایک ارشاد میں آپ کی چند پسندیدہ چیزوں کا ذکر ہے ان میں سے ایک چیز ٹھنڈا پانی ہے۔

چنانچہ روایات میں کہیں یہ نہیں ملتا کہ آپ کے لئے کسی خاص کھانے کا اہتمام کیا جارہا ہو۔ لیکن ٹھنڈے پانی کا اتنا اہتمام تھا کہ مدینہ سے دو میل کے فاصلے پر ایک کنواں تھا، جس کا نام تھا "بیر غرس" اس کا پانی بہت ٹھنڈا ہوتا تھا۔ اس کنویں کا پانی خاص طور پر آپ کے لئے لایا جاتا تھا اور آپ نے وصیت بھی فرمائی تھی کہ میرے انتقال کے بعد مجھے غسل بھی اسی کنویں کے پانی سے دیا جائے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی "بیر غرس" کے پانی سے غسل دیا گیا ــــ اس کنویں کے آثار اب بھی باقی ہیں، مگر پانی خشک ہو چکا ہے، الحمد للہ میں نے اس کنویں کی زیارت کی ہے ــــ آپ ٹھنڈے پانی کا اہتمام اس لئے فرماتے تھے کہ جب آدمی ٹھنڈا پانی پیے گا تو روئیں روئیں سے اللہ کا شکر نکلے گا۔

تین سانس میں پانی پینا

ان احادیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں پانی پینے کا ادب بتادیا، جس میں سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ تین سانس میں پانی پیا جائے۔ اس معنی میں جتنی احادیث حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں ان کی روشنی میں علماء کرام نے فرمایا کہ تین سانس میں پانی وغیرہ پینا افضل ہے، اور سنت کے زیادہ قریب ہے۔ لیکن دو سانس میں پانی پینا بھی جائز ہے، چار سانس میں پینا بھی جائز ہے، البتہ ایک سانس میں سارا پانی پی جانا خلاف اولیٰ ہے، اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ ایک سانس میں پینا طبی طور پر بھی

نقصان دہ ہے، واللہ اعلم۔ بہرحال، طبی طور پر نقصان دہ ہو یا نہ ہو، مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔۔ اور تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ نے ایک سانس میں پانی پینے کی جو ممانعت فرمائی ہے وہ حرمت والی ممانعت نہیں ہے، یعنی ایک سانس میں پانی پینا حرام نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص ایک سانس میں پانی پی لے گا تو گناہ گار نہ ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف شانیں

بات دراصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت امت کے لئے مختلف شانیں رکھتی ہے، ایک حیثیت آپ کی رسول کی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے احکام لوگوں تک پہنچانے والے ہیں اب اگر اس حیثیت سے آپ کسی کام سے ممانعت فرما دیں گے تو وہ کام حرام ہو جائے گا، اور اس کام کو کرنا گناہ ہوگا، اور ایک حیثیت آپ کی ایک شفیق رہنما کی ہے، لہٰذا اگر شفقت کی وجہ سے امت کو کسی کام سے منع فرماتے ہیں کہ یہ کام مت کرو، تو اس ممانعت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایسا کرنے میں تمہارے لئے نقصان ہے، یہ اچھا اور پسندیدہ کام نہیں ہے، لیکن وہ کام حرام نہیں ہو جاتا۔ لہٰذا اگر کوئی اس کی خلاف ورزی کرے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے گناہ کا کام کیا، یا حرام کام کیا، لیکن یہ کہا جائے گا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا کے خلاف کام کیا، اور آپ کے پسندیدہ طریقے کے خلاف کیا، اور وہ شخص جس کے دل میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہو، وہ صرف حرام کاموں ہی کو نہیں چھوڑتا، بلکہ جو کام محبوب حقیقی کو ناپسند ہو، اس کو بھی چھوڑ دیتا ہے۔

پانی پیو، ثواب کماؤ

لہٰذا فقہی طور پر تو میں نے بتا دیا کہ ایک سانس میں پانی پینا حرام اور گناہ نہیں ہے۔ لیکن ایک محب صادق، جس کے دل میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہو، وہ تو ایسے کاموں کے قریب بھی نہیں جائے گا جو آپ کو پسند نہیں ہیں۔۔ لہٰذا جس

کام کے بارے میں آپ نے یہ کہہ دیا کہ یہ کام پسندیدہ نہیں ہے، ایک مسلمان کو حتی الامکان اس کے قریب نہیں جانا چاہئے، اور اس کو اختیار نہ کرنا چاہئے، اگرچہ کر لینا کوئی گناہ نہیں۔ لیکن اچھی بات نہیں ـــ اسی لئے علماء نے فرمایا کہ ایک سانس میں پینا خلاف اولیٰ ہے، اور بعض علماء نے فرمایا کہ مکروہ تنزیہی ہے، لہٰذا کیوں خواہ مخواہ ایک سانس میں پی کر خلاف اولیٰ کا ارتکاب کیا جائے، پانی تو پینا ہی ہے۔ اس پانی کو اگر تین سانس میں اس نقطہ نظر سے پی لو کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت شریفہ ہے تو یہ پانی پینا تمہارے لئے عبادت بن گیا، اور سنت کے انوار و برکات تمہیں حاصل ہو گئے، اور چونکہ ہر سنت پر عمل کرنے سے انسان اللہ کا محبوب بن جاتا ہے۔ اس لئے اس وقت آپ کو اللہ کی محبت حاصل ہو گئی۔ اللہ کے محبوب بن گئے، ذرا سی توجہ سے اس پر اتنا بڑا اجر و ثواب حاصل ہو گیا۔ اب کیوں بے پرواہی میں اس کو چھوڑ دیا جائے؟ لہٰذا اس کو چھوڑنا نہیں چاہئے۔

مسلمان ہونے کی علامت

دیکھئے، ہر ملت و مذہب کے کچھ طریقے اور آداب ہوتے ہیں، جس کے ذریعہ وہ ملت پہچانی جاتی ہے۔ یہ تین سانس میں پانی پینا بھی مسلمان کے شعار اور علامات میں سے ہے، چنانچہ بچپن سے بچے کو سکھایا جاتا ہے کہ بیٹا! تین سانس میں پانی پیو، آجکل تو اس کا رواج ہی ختم ہو گیا کہ اگر بچہ کوئی عمل اسلامی آداب کے خلاف کر رہا ہے تو اس کو ٹوکا جائے کہ بیٹا! اس طرح کرو، اس طرح نہ کرو ـــ بعض عشاق کا تو یہ حال ہوتا ہے کہ اگر پانی ایک ہی گھونٹ ہوتا ہے تو سنت کی اتباع کے لئے اس ایک گھونٹ کو بھی تین سانس میں پیتے ہیں، تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اجر حاصل ہو جائے ـــ

منہ سے برتن ہٹا کر سانس لو

عن ابی قتادۃ رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نهی ان يتنفس فی الاناء۔ (ترمذی، کتاب الاشربۃ، باب ماجاء فی کراہیۃ التنفس فی الاناء)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن کے

اندر سانس لینے سے منع فرمایا۔ یعنی ایک آدمی پانی پیتے ہوئے برتن کے اندر ہی سانس لے، اور سانس لیتے وقت برتن نہ ہٹائے، اس سے آپ نے منع فرمایا، ایک اور حدیث میں اس کی تفصیل آئی ہے کہ ایک صاحب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ، مجھے پانی پیتے وقت بار بار سانس لینے کی ضرورت پیش آتی ہے، میں کس طرح سانس لیا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ جس وقت سانس لینے کی ضرورت ہو، اس وقت جس گلاس یا پیالے کے ذریعہ تم پانی پی رہے ہو۔ اس کو اپنے منہ سے الگ کر کے سانس لے لو، اور پھر پانی پی لو، لیکن پانی پینے کے دوران برتن اور گلاس کے اندر سانس لینا، اور پھنکارے مارنا ادب کے خلاف ہے۔۔۔اور سنت کے خلاف ہے۔

ایک عمل میں کئی سنتوں کا ثواب

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ۔ فرمایا کرتے تھے کہ سنتوں پر عمل کرنے کی نیت کرنا لوٹ کا مال ہے، مطلب یہ ہے کہ ایک عمل کے اندر جتنی سنتوں کی نیت کر لو گے، اتنی سنتوں کا ثواب حاصل ہو جائے گا۔ مثلاً پانی پیتے وقت یہ نیت کر لو کہ میں تین سانس میں پانی اس لئے پی رہا ہوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تین سانس میں پینے کی تھی، اس سنت کا ثواب حاصل ہو گیا۔ اسی طرح یہ نیت کر لی کہ میں سانس لیتے وقت برتن کو اس لئے منہ سے ہٹا رہا ہوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن میں سانس لینے سے منع فرمایا ہے۔ اب دوسری سنت پر عمل کا بھی ثواب حاصل ہو گیا۔۔۔۔۔ اس لئے سنتوں کا علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ تاکہ آدمی جب کوئی عمل کرے تو ایک ہی عمل کے اندر جتنی سنتیں ہیں۔ ان سب کا دھیان اور خیال رکھے۔ اور ان کی نیت کرے تو پھر ہر ہر نیت کے ساتھ انشاء اللہ مستقل سنت کا ثواب حاصل ہو جائے گا۔

دائیں طرف سے تقسیم شروع کرو

"عن انس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتی بلبن قد شیب بماء، وعن یمینہ اعرابی، وعن یسارہ ابوبکر رضی اللہ عنہ فشرب، ثم اعطی الاعرابی - وقال: الایمن فالایمن"

فالا یمن " (ترمذی، کتاب الاشربۃ، باب ماجاء ان الایمن احق بالشراب)

اس حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور عظیم ادب بیان فرمایا ہے، اور یہ ادب بھی امت مسلمہ کی علامات میں سے ہے، اور اس ادب سے بھی ہمارے معاشرے میں بڑی غفلت پائی جارہی ہے۔ وہ ادب اس حدیث میں ایک واقعہ کے اندر بیان فرمادیا۔ وہ یہ کہ ایک شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دودھ لے کر آئے، اور اس دودھ میں پانی ملا ہوا تھا ___ یہ پانی ملانا کوئی ملاوٹ کی غرض سے اور دودھ بڑھانے کی غرض سے نہیں تھا۔ بلکہ اہل عرب میں یہ بات مشہور تھی کہ خالص دودھ اتنا مفید نہیں ہوتا جتنا پانی ملا ہوا دودھ مفید ہوتا ہے، اس لئے وہ صاحب دودھ میں پانی ملاکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے تھے ___ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دودھ میں سے کچھ پیا، جو دودھ باقی بچا، آپ نے چاہا کہ حاضرین کو پلا دیں، اس وقت آپ کے داہنی جانب ایک اعرابی یعنی دیہات کا رہنے والا بیٹھا تھا۔ جس کو بدو بھی کہتے ہیں، اور آپ کے بائیں جانب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بچا ہوا دودھ دائیں طرف بیٹھے ہوئے اعرابی کو پہلے عطا فرمادیا، اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نہیں دیا، اور آپ نے ساتھ میں فرمایا "الایمن فالایمن" یعنی جو آدمی داہنی طرف بیٹھا ہو، پہلے اس کا حق ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقام

آپ اندازہ لگائیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ترتیب کا اتنا خیال فرمایا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے یہ مقام عطا فرمایا کہ انبیا علیہم السلام کے بعد اس روئے زمین پر ان سے زیادہ افضل انسان پیدا نہیں ہوا، جن کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "صدیق" وہ انسان ہوتا ہے کہ اگر نبی کسی آئینے کے سامنے کھڑے ہوں، تو یہ جو کھڑے ہوئے انسان ہیں، یہ تو

نبی ہیں، اور آئینے میں ان کا جو عکس نظر آ رہا ہے، وہ "صدیق" ہیں، گویا کہ "صدیق" وہ ہے جو نبوت کا پورا عکس اور پوری چھاپ لئے ہوئے ہو۔ اور جو صحیح معنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہو ـــــ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وہ انسان ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میری پوری زندگی کے تمام اعمال خیر مجھ سے لے لیں، اور اس کے بدلے میں وہ ایک رات جو انہوں نے ہجرت کے موقع پر غار کے اندر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گزاری تھی، وہ مجھے دے دیں، تو بھی سودا سستا رہے گا ـــــ اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنا اونچا مقام عطا فرمایا تھا۔ لیکن اس بلند مقام کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم کے وقت دودھ کا پیالہ اعرابی کو دے دیا، ان کو نہیں دیا، اور فرمایا: فرمارہے ہیں "الایمن فالایمن" یعنی تقسیم کے وقت داہنی جانب والا مقدم ہے، بائیں جانب والا موخر ہے۔

داہنی جانب باعث برکت ہے

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اصول سکھا دیا کہ اگر مجلس میں لوگ بیٹھے ہوئے ہوں، اور کوئی چیز تقسیم کرنی مقصود ہو۔ مثلاً پانی پلانا ہو۔ یا کھانے کی کوئی چیز تقسیم کرنی ہو۔ یا چھوارے تقسیم کرنے ہو، اس میں ادب یہ ہے کہ دائیں جانب والوں کو دے، اور پھر بائیں جانب تقسیم کرے۔ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں جانب کو بہت اہمیت دی ہے، دائیں جانب کو عربی زبان میں "یمین" کہتے ہیں۔ اور "یمین" کے معنی عربی زبان میں مبارک کے بھی ہوتے ہیں، اس لئے دائیں جانب سے کام کرنے میں برکت ہے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ، دائیں ہاتھ سے پانی پیو، دایاں جوتا پہلے پہنو، چلنے میں راستے کے دائیں جانب چلو، یہاں تک کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بالوں میں کنگھی کرتے تو پہلے دائیں جانب کے بالوں میں کنگھی کرتے، پھر بائیں جانب کرتے، دائیں کا اتنا اہتمام فرماتے۔ لہٰذا دائیں جانب سے ہر کام شروع کرنے میں برکت بھی اور سنت بھی ہے۔

داہنی جانب کا اہتمام

ایک اور حدیث میں یہی مضمون آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پینے کی کوئی چیز لائی گئی، آپ نے اس میں سے کچھ پی لی، کچھ بچ گئی، اس وقت مجلس میں دائیں جانب ایک نو عمر لڑکا بیٹھا تھا، اور بائیں جانب بڑے بڑے لوگ بیٹھے تھے، جو عمر میں بھی بڑے تھے، علم اور تجربہ میں بھی زیادہ تھے، اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوچا کہ ادب اور اصول کا تقاضہ تو یہ ہے کہ یہ پینے کی چیز اس چھوٹے لڑکے کو دے دی جائے، لیکن بائیں جانب بڑے بڑے مشائخ بیٹھے ہیں۔ ان کے درجے اور مرتبے کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کو ترجیح دی جائے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نوجوان لڑکے سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ تمہارے بائیں جانب بڑے بڑے لوگ بیٹھے ہیں، اب حق تو تمہارا بنتا ہے کہ تمہیں دیا جائے۔ اس لئے کہ تم دائیں جانب ہو۔ لیکن بائیں جانب تمہارے بڑے بیٹھے ہیں۔ اگر تم اجازت دو تو میں ان کو دے دوں؟ وہ لڑکا بھی بڑا سمجھدار تھا۔ اس نے کہا کہ یارسول اللہ! اگر کوئی اور چیز ہوتی تو میں ضرور ان بڑوں کو اپنے آپ پر ترجیح دے دیتا، لیکن یہ آپ کا بچا ہوا ہے۔ اور آپ کے بچا ہوا پر میں کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا، لہٰذا اگر میرا حق بنتا ہے تو آپ مجھے ہی عطا فرمائیں۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہ چیز اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے فرمایا کہ لو، تم ہی پی لو۔ یہ نوجوان حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تھے۔

(مسلم۔ کتاب الاشربۃ، باب استحباب ادارۃ الماء واللبن)

دیکھئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں جانب کا اتنا اہتمام فرمایا، حالانکہ بائیں جانب بڑے بڑے لوگ بیٹھے ہیں، اور خود آپ کی بھی یہ خواہش کہ یہ چیز ان بڑوں کو مل جائے۔ لیکن آپ نے اس قاعدے اور اس اصول کے خلاف نہیں کیا کہ دائیں جانب سے شروع کیا جائے ـــــ اب دن رات ہمارے ساتھ اس قسم کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ مثلاً گھر میں لوگ بیٹھے ہیں ان کے درمیان کوئی چیز تقسیم کرنی ہے، یا مثلاً دسترخوان پر برتن لگاتے ہیں۔ یا کھانا تقسیم کرنا ہے۔ اس میں اگر ہم اس بات کا اہتمام کریں کہ دائیں جانب سے شروع کریں، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنے کی نیت کرلیں۔ پھر دیکھیں اس میں کتنی برکت اور کتنا نور معلوم ہوگا۔

بہت بڑے برتن سے منہ لگا کر پانی پینا

"عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ، قال: نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اختناث الاسقیۃ، یعنی ان تکسر افواھھا ویشرب منھا:"

(مسلم، کتاب الاشربۃ، باب آداب الطعام والشراب)

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور ادب بیان فرمادیا۔ چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ مشکیزوں کا منہ کاٹ کر پھر اس سے منہ لگا کر پانی پیا جائے ـــــ اس زمانے میں پانی بڑے بڑے مشکیزوں میں بھر کر رکھا جاتا تھا، جیسے آجکل بڑے بڑے گیلن اور کین ہوتے ہیں، ان سے منہ سے لگا کر پانی پینے سے آپ نے منع فرمایا۔

ممانعت کی دو وجہ

علماء نے فرمایا کہ اس ممانعت کی دو وجہ ہیں، ایک وجہ یہ ہے کہ اس مشکیزے یا گیلن کے اندر بڑی مقدار میں پانی بھرا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پانی کے اندر کوئی نقصان دہ چیز پڑی ہوئی ہو، جس کی وجہ سے وہ پانی خراب ہو گیا ہو۔ یا نقصان دہ ہو گیا ہو۔ جیسے بعض اوقات کوئی جانور یا کیڑا وغیرہ اندر گر کر پانی میں مر جاتا ہے، اب نظر تو نہیں آرہا ہے کہ اندر کیا ہے تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ منہ لگا کر پانی پینے کے نتیجے میں کوئی خطرناک چیز حلق میں نہ چلی جائے۔ یا پانی ناپاک اور نجس نہ ہو گیا ہو۔ اس لئے آپ نے اس طرح منہ لگا کر پینے سے منع فرمایا۔

اور دوسری وجہ علماء نے یہ بیان فرمائی کہ جب آدمی اتنے بڑے برتن سے منہ لگا کر پانی پیے گا تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ ایک دم سے بہت سا پانی منہ میں آجائے، اور اس کے نتیجے میں اچھو لگ جائے، پھندا لگ جائے، یا کوئی اور تکلیف ہو جائے۔ اس لئے آپ نے اس سے منع فرمایا۔

حضور کی اپنی امت پر شفقت

لیکن جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جن باتوں سے منع فرماتے ہیں، ان میں سے بعض باتیں تو وہ ہوتی ہیں جو حرام اور گناہ ہوتی ہیں، اور بعض باتیں وہ ہوتی ہیں جو حرام اور گناہ تو نہیں ہوتی۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر شفقت کرتے ہوئے اور ادب سکھاتے ہوئے اس سے منع فرماتے ہیں۔ اور جس کام کو آپ شفقت کی وجہ سے منع فرماتے ہیں۔ جبکہ وہ کام حرام اور گناہ نہیں ہوتا، اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ کبھی کبھار زندگی میں آپ اس کام کو کر کے بھی دکھا دیتے ہیں، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ کام حرام اور ناجائز نہیں ہے۔ لیکن ادب کے خلاف ہے۔ چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دو مرتبہ مشکیزے سے منہ لگا کر بھی پانی پیا ـــــ علماء نے فرمایا کہ ان تمام برتنوں کا بھی یہی حکم ہے۔ جو بڑے ہوں، اور ان میں زیادہ مقدار میں پانی آتا ہو۔ جیسے بڑا کنستر ہے۔ یا مٹکا ہے۔ ان سے بھی منہ لگا کر پانی نہیں پینا چاہئے، البتہ ضرورت داعی ہو جائے تو الگ ہے، چنانچہ اگلی حدیث میں اس کی وضاحت آرہی ہے۔

مشکیزے سے منہ لگا کر پانی پینا

"وعن ام ثابت کبشة بنت ثابت، اخت حسان بن ثابت رضی اللہ عنه وعنها قالت دخلت علی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فشرب من فی قربة معلقة قائما، فقمت الی فیها، فقطعته"

(ترمذی، کتاب الاشربة، باب ماجاء فی عن اختناث الاسقیة)

حضرت کبشة بنت ثابت رضی اللہ عنہا، جو حضرت حسان بنت ثابت رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے۔ ہمارے گھر میں ایک مشکیزہ لٹکا ہوا تھا۔ آپ نے کھڑے ہو کر اس مشکیزے سے منہ لگا کر پانی پیا ـــــ اس عمل کے ذریعہ آپ نے بتا دیا کہ اس طرح مشکیزہ سے منہ لگا کر پینا کوئی حرام نہیں ہے۔ صرف تم پر شفقت کرتے ہوئے ایک مشورے کے

ور پر یہ حکم دیا گیا ہے۔ حضرت کبشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ چلے گئے تو میں کھڑی ہوئی، اور مشکیزے کے جس حصے سے منہ لگا کر آپ نے پانی پیا تھا، اس حصے کو کاٹ کر وہ چمڑا اپنے پاس رکھ لیا۔

حضور کے ہونٹ جس کو چھو لیں

صحابہ کرام میں ایک ایک صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار، عاشق زار، فدا کار تھا۔ ایسے فدا کار اور جانثار کسی اور ہستی کے نہیں مل سکتے، جیسے کہ آپ نے اوپر دیکھا کہ حضرت کبشہ رضی اللہ عنہ نے اس مشکیزہ کا حصہ کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیا۔ اور فرمایا کہ یہ وہ چمڑا ہے جس کو نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہونٹ چھوئے ہیں، اور آئندہ کسی اور کے ہونٹ اس کو نہیں چھونے چاہئیں، اور اب یہ چمڑا اس لئے نہیں ہے کہ اس کو مشکیزے کے طور پر استعمال کیا جائے، یہ تو تبرک کے طور پر رکھنے کے قابل ہے۔ اس لئے اس کو کاٹ کر تبرک کے طور پر اپنے گھر میں رکھ لیا۔

یہ بال متبرک ہو گئے

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، جن کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کا موذن مقرر فرمایا تھا۔ جس وقت یہ مسلمان ہوئے تھے۔ اس وقت یہ چھوٹے بچے تھے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شفقت سے ان کے سر پر ہاتھ رکھا، جس طرح چھوٹے بچوں کے سر پر ہاتھ رکھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس مقام پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر ہاتھ رکھا تھا، ساری عمر اس جگہ کے بال نہیں کٹوائے، اور فرماتے تھے کہ یہ وہ بال ہیں جس کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک چھوئے ہیں

تبرکات کی حیثیت

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی چیز تبرک کے طور پر رکھنا، یا آپ کے صحابہ کرام، تابعین، بزرگان دین، اور اولیاء کرام کی کوئی چیز تبرک کے طور پر رکھ لینے میں کوئی حرج نہیں ـــــ آجکل اس بارے میں لوگوں کے درمیان افراط و تفریط پایا جاتا ہے، بعض لوگ ان تبرکات سے بہت چڑتے ہیں، اگر ذرا سی تبرک کے طور پر کوئی چیز رکھ لی، توان کے نزدیک وہ شرک ہو گیا۔ اور بعض لوگ وہ ہیں جو تبرکات ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ حق ان دونوں کے درمیان میں ہے۔ نہ تو انسان یہ کرے کہ تبرک کو شرک کا ذریعہ بنالے۔ اور نہ ہی تبرک کا ایسا انکار کرے کہ بے ادبی تک پہنچ جائے، جس چیز کو اللہ والوں کے ساتھ نسبت ہو جائے، اللہ تعالیٰ اس میں برکتیں نازل فرماتے ہیں، ایک واقعہ تو آپ نے ابھی سن لیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکیزے کی جس جگہ سے منہ لگا کر پانی پیا تھا، ان صحابیہ نے اس کو کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیا۔

متبرک دراہم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کے درہم عطا فرمائے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ان دراہم کو ساری عمر خرچ نہ کیا، اور فرماتے کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا فرمودہ ہیں۔ وہ اٹھا کر رکھ دیے، حتیٰ کہ اولاد کو وصیت کر گئے کہ یہ دراہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کردہ ہیں، ان کو خرچ مت کرنا، بلکہ تبرک کے طور پر ان کو گھر میں رکھنا۔ چنانچہ ایک عرصہ دراز تک وہ دراہم ان کے خاندان میں چلتے رہے، ایک دوسرے کی طرف منتقل ہوتے رہے۔ حتی کہ کسی ہنگامے کے موقع پر وہ ضائع ہو گئے۔

حضور کا مبارک پسینہ

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ ہیں، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ سو روے ہیں، گرمی کا موسم تھا، اور عرب میں گرمی بہت سخت پڑتی تھی۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے پسینہ بہہ کر زمین پر گر رہا تھا۔ چنانچہ میں نے ایک شیشی لاکر آپ کا مبارک پسینہ اس میں محفوظ کر لیا۔ فرماتی ہیں کہ وہ پسینہ اتنا خوشبو دار تھا کہ مشک و زعفران اس کے آگے ہیچ تھے، اور پھر میں نے اس کو اپنے گھر میں رکھ لیا، اور جب گھر میں خوشبو استعمال کرتی تو اس میں سے تھوڑا پسینہ شامل کر لیتی ــ اور ایک عرصہ دراز تک میں نے اس کو اپنے پاس محفوظ رکھا۔

حضور کے مبارک بال

ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا کو کہیں سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مل گئے، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے ان بالوں کو ایک شیشی کے اندر ڈال کر اس میں پانی بھر دیا، اور پھر جب قبیلے میں کوئی بیمار ہوتا، تو اس پانی کا ایک قطرہ دوسرے پانی میں ملا کر اس بیمار کو پلا دیتے، تو اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ شفا عطا فرما دیتے۔

بہرحال، صحابہ کرام نے اس طریقے سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات کا احترام کیا۔

صحابہ کرام اور تبرکات

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جاتے ہوئے راستے میں جس جس جگہ پر ایسی منزل آتی، جہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے گزرتے ہوئے کبھی قیام فرمایا تھا۔ تو وہاں میں اترتا، اور دو رکعت نفل ادا کر لیتا، اور پھر آگے روانہ ہوتا

بہرحال، اس طرح صحابہ کرام نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات کو باقی رکھنے اور محفوظ رکھنے کا بہت اہتمام فرمایا ــــ لیکن حضرات صحابہ کرام تبرکات کی حقیقت سے بھی واقف تھے، ان تبرکات میں غلو، مبالغہ، یا افراط یا تفریط کا ان سے کوئی

امکان نہیں تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ انہی تبرکات کو وہ سب کچھ سمجھ بیٹھتے، انہی کو مشکل کشا یا حاجت روا سمجھ بیٹھتے، یا ان تبرکات کو شرک کا ذریعہ بنا لیتے یا ان تبرکات کی پرستش شروع کر دیتے۔

بت پرستی کی ابتدا

عرب میں بت پرستی کا رواج بھی در حقیقت ان تبرکات میں غلو کے نتیجے میں شروع ہوا تھا، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت ہاجرہ **علیہا** السلام نے مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کے پاس قیام کیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام وہیں پر پلے بڑھے، جوان ہوئے، اور پھر بنی جرہم کے لوگ وہاں آکر آباد ہو گئے۔ جس کے نتیجے میں مکہ مکرمہ کی بستی آباد ہو گئی، بعد میں بنی جرہم کی ایک دوسرے قبیلے والوں سے لڑائی ہو گئی۔ لڑائی کے نتیجے میں دوسرے قبیلے والوں نے بنی جرہم کو مکہ مکرمہ سے باہر نکال دیا۔ چنانچہ بنی جرہم کے لوگ وہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ جب ہجرت کر کے جانے لگے تو یادگار کے طور پر کسی نے مکہ مکرمہ کی مٹی اٹھالی۔ کسی نے پتھر اٹھا لئے۔ کسی نے بیت اللہ کے آس پاس کی کوئی اور چیز اٹھالی، تاکہ یہ چیزیں ہم اپنے پاس تبرک اور یادگار کے طور پر رکھیں گے، اور ان کو دیکھ کر ہم بیت اللہ شریف اور مکہ مکرمہ کو یاد کریں گے، جب دوسرے علاقے میں جا کر قیام کیا تو وہاں پر بڑے اہتمام سے ان تبرکات کی حفاظت کرتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ جب پرانے لوگ رخصت ہو گئے، اور کوئی صحیح راستہ بتانے والا باقی نہ رہا تو بعد کے لوگوں نے رفتہ رفتہ اس مٹی اور پتھروں سے کچھ صورتیں بنالیں۔ اور وہ صورتیں بتوں کی شکل میں تیار ہو گئیں، اور پھر انہی کی پرستش شروع کر دی، اہل عرب کے اندر یہیں سے بت پرستی کا آغاز ہوا۔

تبرکات میں اعتدال ضروری ہے

بہرحال، اللہ تعالیٰ بچائے، آمین۔ اگر ان تبرکات کا احترام حد کے اندر نہ ہو تو پھر شرک اور بت پرستی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اس لئے تبرکات کے معاملے میں بڑے اعتدال کے ساتھ چلنے کی ضرورت ہے۔ نہ تو ان کی بے ادبی ہو، اور نہ ہی ایسی تعظیم ہو،

جس کے نتیجے میں انسان شرک میں مبتلا ہو جائے۔ یا شرک کی سرحدوں کو چھونے لگے، تبرکات کی حقیقت یہ ہے کہ برکت کے لئے اس کو اپنے پاس رکھ لے، اس لئے کہ جب ایک چیز کو کسی بزرگ کے ساتھ نسبت ہوگی تو اس نسبت کی بھی قدر کرنی چاہئے۔ اس نسبت کی بھی تعظیم اور ادب کرنا چاہئے ــ مولانا جامی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :

میں مدینہ منورہ کے ساتھ نسبت رکھنے والے کتے کا بھی احترام کرتا ہوں۔ اس لئے کہ اس کتے کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر کے ساتھ نسبت حاصل ہے، یہ سب عشق کی باتیں ہوتی ہیں کہ محبوب کے ساتھ کسی چیز کو ذراسی بھی نسبت ہو گئی تو اس کا ادب اور احترام کیا۔ اور جب نسبت کی وجہ سے کوئی شخص تعظیم کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر بھی اجر و ثواب عطا فرماتے ہیں کہ اس نے میرے محبوب کی نسبت کی بھی قدر کی، بشرطیکہ حدود میں رہے، حد سے آگے نہ بڑھے، یہ بات بھی ہمیشہ سمجھنے اور یاد رکھنے کی ہے، اس لئے کہ لوگ بکثرت افراط و تفریط کی باتیں کرتے ہیں، اور اس کی وجہ سے پریشانی کا شکار ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اعتدال میں رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بیٹھ کر پانی پینا سنت ہے

"عن انس رضی اللّٰہ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم انہ نھی ان یشرب الرجل قائما (مسلم، کتاب الاشربۃ، باب کراہیۃ الشرب قائما)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا ــ اس حدیث کی بنیاد پر علماء نے فرمایا ہے کہ حتی الامکان کھڑے ہو کر پانی نہیں پینا چاہئے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت شریفہ یعنی عام عادت یہ تھی کہ آپ بیٹھ کر پانی پیتے تھے۔ اس لئے کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ تنزیہی ہے، مکروہ تنزیہی کا مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پینے کو ناپسند فرمایا۔ اگرچہ کوئی شخص کھڑے ہو کر پانی پی لے تو کوئی گناہ نہیں۔ حرام نہیں۔ لیکن خلاف ادب اور خلاف اولیٰ ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ناپسندیدہ ہے۔

کھڑے ہو کر پینا بھی جائز ہے

یہ بات بھی سمجھ لیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز سے منع فرمایا، جبکہ وہ چیز حرام اور گناہ بھی نہیں ہے، تو ایسے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو بتانے کے لئے کبھی کبھار خود بھی وہ عمل کر کے دکھا دیا، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ عمل گناہ اور حرام نہیں، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی مرتبہ کھڑے ہو کر پانی پینا بھی ثابت ہے۔ ابھی میں نے آپ کو حضرت کبشہ رضی اللہ عنہا کے مشکیزے سے پانی پینے کا واقعہ سنایا۔ وہ مشکیزہ دیوار کے ساتھ لٹکا ہوا تھا۔ اور آپ نے کھڑے ہو کر منہ لگا کر اس سے پانی پیا، اسی وجہ سے علماء نے فرمایا کہ اگر کوئی جگہ ایسی ہے جہاں بیٹھنے کی گنجائش نہیں ہے، ایسے موقع پر اگر کوئی شخص کھڑے ہو کر پانی پی لے تو کوئی مضائقہ نہیں، بلا کراہت جائز ہے۔ اور بعض اوقات آپ نے صرف یہ بتانے کے لئے کھڑے ہو کر پانی پیا کہ کھڑے ہو کر پانی پینا بھی جائز ہے، چنانچہ حضرت نزال بن سبرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ "باب الرحبۃ" میں تشریف لائے، "باب الرحبۃ" کوفہ کے اندر ایک جگہ کا نام ہے۔ وہاں پر کھڑے ہو کر آپ نے پانی پیا، اور فرمایا کہ:

"انی رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فعل کما رأیتمونی فعلت" (صحیح بخاری، کتاب الاشربۃ، باب الشرب قائما) (بخاری شریف)

یعنی میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا جس طرح تم نے مجھے دیکھا کہ میں کھڑے ہو کر پانی پی رہا ہوں۔ بہرحال، کبھی کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پی کر یہ بتا دیا کہ یہ عمل گناہ نہیں۔

بیٹھ کر پینے کی فضیلت

لیکن اپنی امت کو جس کی تعلیم دی، اور جس کی تاکید فرمائی، اور جس پر ساری عمر عمل فرمایا، وہ یہ تھا کہ حتی الامکان بیٹھ کر ہی پانی پیتے تھے۔ اس لئے یہ بیٹھ کر پانی پینا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اہم سنتوں میں سے ہے۔ اور جو شخص اس کا جتنا اہتمام کرے گا۔ انشاء اللہ اس پر اس کو اجر و ثواب اور اس کی فضیلت اور برکات حاصل ہوں

گی، اس لئے خود بھی اس کا اہتمام کرنا چاہئے، اور دوسروں سے بھی اس کا اہتمام کرانا چاہئے، اپنے گھر والوں کو بتانا چاہئے، اپنے بچوں کو اس کی تعلیم دینی چاہئے، اور بچوں کے دل میں یہ بات بٹھانی چاہئے کہ جب بھی پانی پیو تو بیٹھ کر پیو۔۔۔ اگر انسان اس کی عادت ڈال لے تو مفت کا ثواب حاصل ہو جائے گا۔ اس لئے کہ اس عمل میں کوئی خاص محنت اور مشقت ہے نہیں۔ اگر آپ پانی کھڑے ہو کر پینے کے بجائے بیٹھ کر پی لیں تو اس میں کیا حرج اور کیا مشقت لازم آجائے گی؟ لیکن جب سنت کی اتباع کی نیت کر کے پانی بیٹھ کر پی لیا تو اتباع سنت کا عظیم اجر و ثواب حاصل ہو جائے گا۔

سنت کی عادت ڈال لو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میں ایک مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے گیا، وہاں پانی پینے کی ضرورت پیش آئی، مسجد میں مٹکے رکھے تھے، میں نے مٹکے سے پانی نکالا۔ اور اپنی عادت کے مطابق ایک جگہ بیٹھ کر پانی پینے لگا، ایک صاحب یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے، وہ قریب آئے، اور کہا، یہ آپ نے بیٹھنے کا اتنا اہتمام کیا، اس کی کیا ضرورت تھی؟ کھڑے ہو کر ہی پی لیتے" میں نے سوچا کہ اب میں ان سے کیا بحث کروں، میں نے کہا کہ اصل میں ہمیشہ سے بیٹھ کر پانی پینے کی عادت پڑی ہوئی ہے، اس شخص نے کہا کہ یہ آپ نے عجیب بات فرمائی کہ عادت پڑ گئی، ارے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت پڑ جانا کوئی معمولی بات ہے؟ بہرحال، عادتیں تو انسان بہت سی ڈال لیتا ہے، لیکن جب عادت ڈالے تو سنت کی عادت ڈالے۔ تاکہ اس پر اجر و ثواب بھی حاصل ہو جائے۔

نیکی کا خیال اللہ کا مہمان ہے

ہمارے حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ جب دل میں کسی نیک کام کرنے یا کسی سنت پر عمل کرنے کا خیال آئے، تو اس "خیال" کو صوفیاء کرام "وارد" کہتے ہیں۔ یہ "وارد" اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا مہمان ہے، اس مہمان کا اکرام کرو، اور اس کی قدر پہچانو، مثلاً جب آپ نے کھڑے

ہو کر پانی پینا شروع کیا تو اس وقت دل میں خیال آیا کہ کھڑے ہو کر پانی پینا اچھا نہیں ہے۔ سنت کے خلاف ہے، بیٹھ کر پانی پینا چاہئے، اگر آپ نے اس خیال اور "وارد" کا اکرام کرتے ہوئے بیٹھ کر پانی پی لیا تو یہ مہمان بار بار آئے گا، آج اس نے تمہیں بٹھا کر پانی پلا دیا تو کل کو کسی اور سنت پر عمل کرائے گا، پرسوں کسی اور نیکی پر عمل کرائے گا۔ اس طرح یہ تمہاری نیکیوں میں اضافہ کراتا چلا جائے گا ____ لیکن اگر تم نے اللہ تعالیٰ کے اس مہمان کی ناقدری کی۔ مثلاً پانی پیتے وقت بیٹھ کر پانی پینے کا خیال آیا تو تم نے فوراً اس خیال کو یہ کہہ کر جھٹک دیا کہ بیٹھ کر پانی پینا کونسا فرض و واجب ہے، کھڑے ہو کر پینا گناہ تو ہے نہیں۔ چلو کھڑے کھڑے پانی پی لو ___ اب تم نے اس مہمان کی ناقدری کی، اور اس کو واپس بھیج دیا، اور اگر چند مرتبہ تم نے اس کی اس طرح ناقدری کی تو پھر یہ آنا بند کر دے گا ___ اور جب یہ مہمان آنا بند کر دے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دل سیاہ ہو گیا ہے، اور دل پر مہر لگ گئی ہے، جس کے نتیجے میں اب نیکی کا خیال بھی نہیں آتا، بلکہ بدی اور گناہ کے خیالات آتے ہیں ___ اس لئے جب کبھی اتباع سنت کا خیال آئے تو فوراً اس پر عمل کر لو۔ شروع شروع میں تھوڑی تکلیف ہوگی۔ لیکن آہستہ آہستہ جب عادت پڑ جائے گی، تو پھر آسان ہو جائے گا۔

زمزم کا پانی کس طرح پیا جائے؟

"عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: سقیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم من زمزم، فشرب وھو قائم۔ (صحیح بخاری کتاب الاشربۃ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو زمزم کا پانی پلایا، تو آپ نے کھڑے ہو کر وہ زمزم پیا۔ اس حدیث کی وجہ سے بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ زمزم کا پانی بیٹھ کر پینے کے بجائے کھڑے ہو کر پینا افضل اور بہتر ہے، چنانچہ یہ بات مشہور ہے کہ دو پانی ایسے ہیں جو کھڑے ہو کر پینے چاہئیں۔ ایک زمزم کا پانی، اور ایک وضو کا بچا ہوا پانی، اس لئے کہ وضو سے بچا ہوا پانی پینا بھی مستحب ہے ___ لیکن دوسرے علماء یہ فرماتے ہیں کہ افضل یہ ہے کہ یہ دونوں پانی بھی بیٹھ کر پینے چاہئیں، جہاں تک حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کا تعلق ہے کہ

اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک طرف تو زمزم کا کنواں۔ اور دوسرے اس پر لوگوں کا ہجوم، اور پھر کنویں کے چاروں طرف کیچڑ، قریب میں کہیں بیٹھنے کی جگہ بھی نہیں تھی۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پی لیا، لہٰذا اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پینا افضل ہے۔

زمزم اور وضو کا بچا ہوا پانی بیٹھ کر پینا افضل ہے

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہی تھی کہ زمزم کا پانی بیٹھ کر پینا ہی افضل ہے۔ اسی طرح وضو کا بچا ہوا پانی بھی بیٹھ کر پینا افضل ہے، البتہ عذر کے مواقع پر جس طرح عام پانی کھڑے ہو کر پینا جائز ہے۔ اسی طرح زمزم اور وضو سے بچا ہوا پانی بھی کھڑے ہو کر پینا جائز ہے ـــــ عام طور پر لوگ یہ کرتے ہیں کہ اچھے خاصے بیٹھے ہوئے تھے۔ لیکن جب زمزم کا پانی دیا گیا تو ایک دم سے کھڑے ہو گئے، اور کھڑے ہو کر اس کو پیا، اتنا اہتمام کر کے کھڑے ہو کر پینے کی ضرورت نہیں، بلکہ بیٹھ کر پینا چاہئے، وہی افضل ہے۔

کھڑے ہو کر کھانا

"عن انس رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ نھی ان یشرب الرجل قائمًا: قال قتادۃ: فقلنا لانس: فالاکل؟ قال: ذلک اشر او اخبث"

(صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، باب کراھیۃ الشرب قائما)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کھڑے ہو کر کھانے کا کیا حکم ہے؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کھڑے ہو کر کھانا تو اس سے بھی زیادہ برا اور اس سے بھی زیادہ خبیث ہے یعنی کھڑے ہو کر پانی پینے کے مقابلے میں کھڑے ہو کر کھانا اس سے زیادہ برا

ہے۔ چنانچہ اسی حدیث کی بنیاد پر بعض علماء نے فرمایا کہ کھڑے ہو کر پینا تو مکروہ تنزیہی ہے۔
اور کھڑے ہو کر کھانا مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے۔ اس لئے کہ کھڑے ہو کر کھانے کو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے زیادہ خبیث اور برا طریقہ فرمایا۔

کھڑے ہو کر کھانے سے بچئے

بعض لوگ کھڑے ہو کر کھانے کے جواز پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں انہوں نے فرمایا کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چلتے ہوئے بھی کھالیتے تھے، اور کھڑے ہو کر پانی پی لیتے تھے —— یہ حدیث لوگوں کو بہت یاد رہتی ہے، اور اس کی بنیاد پر یہ کہتے ہیں کہ جب صحابہ کرام کھڑے ہو کر کھالیتے تھے تو ہمیں کھڑے ہو کر کھانے سے کیوں منع کیا جارہا ہے؟

خوب سمجھ لیں ابھی آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سن لی کہ کھڑے ہو کر کھانا زیادہ خبیث اور زیادہ برا طریقہ ہے، یعنی ایسا کرنا ناجائز ہے، اس حدیث سے مراد وہ کھانا ہے جو باقاعدہ کھایا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کا تعلق ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز جس کو باقاعدہ بیٹھ کر دسترخوان بچھا کر نہیں کھایا جاتا، بلکہ کوئی چھوٹی سی معمولی سی چیز ہے۔ مثلاً چاکلیٹ ہے۔ یا چھوارا ہے۔ یا بادام ہے وغیرہ یا کوئی پھل چکھنے کے طور پر کھالیا، اس میں چلتے پھرتے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن جہاں تک دوپہر کے کھانے اور رات کے کھانے، لنچ اور ڈنر کا تعلق ہے کہ ان کو کھڑے ہو کر کھانا، اور کھڑے ہو کر کھانے کا باقاعدہ اہتمام کرنا کسی طرح جائز نہیں، آجکل کی دعوتوں میں کھڑے ہو کر کھانے کا طریقہ عام ہوتا جارہا ہے۔ اس سے بچنا چاہئے۔ اس لئے کہ یہ انسانوں کا طریقہ نہیں ہے۔ بلکہ جانوروں کا طریقہ ہے۔ حضرت والد ماجد قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ تو چرنے کا طریقہ ہے۔ کھانے کا یہ طریقہ نہیں ہے۔ کبھی ادھر سے چرلیا۔ کبھی ادھر سے چرلیا۔ اور پھر اس طریقے میں بے تہذیبی ہے، ناشائستگی بھی ہے، اور مہمانوں کی بھی بے عزتی ہے، خدا کے لئے

اس طریقے کو چھوڑنے کی فکر کریں۔ ذرا سے اہتمام کی ضرورت ہے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس طریقے میں کفایت شعاری ہے۔ اس لئے کہ کرسیوں کا کرایہ بچ جاتا ہے، اور کم جگہ پر زیادہ کام ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ باقی سب جگہوں پر کفایت کر رکھی ہے۔ حالانکہ بلاوجہ چراغاں ہو رہا ہے۔ فضول لائٹنگ ہو رہی ہے۔ وہاں کفایت کا خیال نہیں آتا۔ اس کے علاوہ فضول رسموں میں بے پناہ رقم صرف کر دی جاتی ہے۔ وہاں کفایت شعاری کا خیال نہیں آتا، ساری کفایت شعاری کا خیال کھڑے ہو کر کھانے میں آ جاتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ سوائے فیشن پرستی کے اور کوئی مقصد اس میں نہیں ہوتا۔ اس لئے اہتمام کر کے اس سے بچیں، اور آج ہی اس بات کا عزم کر لیں کہ خواہ بٹھا کر کھلانے میں کتنا پیسہ زیادہ خرچ ہو جائے۔ مگر کھڑے ہو کر نہیں کھلائیں گے۔ اپنے یہاں سے اس طریقے کے رواج کو ختم کریں۔ تاکہ یہ خبیث طریقہ ہمارے یہاں سے نکل جائے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

دعوت کے آداب

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب :

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۵

صفحات :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دعوت کے آداب

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیمًا کثیرًا ـ امابعد!

"عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اذا دعی احدکم فلیجب، فان کان صائما فلیصل، وان کان مفطرًا فلیطعم"
(ترمذی، کتاب الصوم، باب ماجاء فی اجابۃ الصائم الدعوۃ)

دعوت قبول کرنا مسلمان کا حق ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کی دعوت کی جائے، تو اسے چاہئے کہ وہ اس کی دعوت کو قبول کرلے، اب اگر وہ شخص روزے سے ہے تو اس کے حق میں دعا کر دے۔ یعنی اس کے گھر جاکر اس کے حق میں دعا کر دے۔ اور اگر روزے سے نہیں ہے تو اس کے ساتھ کھانا کھالے۔

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کی دعوت قبول کرنے کی تاکید فرمائی۔ اور دعوت کے قبول کرنے کو مسلمانوں کے حقوق میں شمار فرمایا۔ ایک دوسری حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"حق المسلم علی المسلم خمس، رد السلام، تشمیت العاطس
اجابت الدعوة، اتباع الجنائز، وعیادة المریض"
(صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب الامر باتباع الجنائز)

یعنی ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں، نمبر ایک، اس کے سلام کا جواب دینا، دوسرے، اگر کسی کو چھینک آئے تو اس کے جواب میں "یرحمک الله" کہنا، تیسرے، اگر کسی مسلمان کا انتقال ہو جائے تو اس کے جنازے کے پیچھے جانا، چوتھے، اگر کسی مسلمان کا انتقال ہو جائے تو اس کے جنازے کے پیچھے جانا، پانچویں، اگر کوئی مسلمان بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرنا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر یہ پانچ حقوق بیان فرمائے۔ ان میں سے ایک حق دعوت قبول کرنے کا بھی ہے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کسی شخص کو دعوت دی جائے تو اس کو قبول کرنا چاہئے۔

دعوت قبول کرنے کا مقصد

اور اس نیت سے دعوت قبول کرنا چاہئے کہ یہ میرا بھائی ہے، اور یہ مجھے محبت سے بلا رہا ہے۔ اس کی محبت کی قدر دانی ہو جائے، اور اس کا دل خوش ہو جائے۔ دعوت قبول کرنا سنت ہے، اور باعث اجر و ثواب ہے۔ یہ نہ ہو کہ کھانا اچھا ہو تو قبول کر لے، اور کھانا اچھا نہ ہو تو قبول نہ کرے، بلکہ دعوت قبول کرنے کا مقصد اور منشا یہ ہو کہ میرے بھائی کا دل خوش ہو جائے، چنانچہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

ولو دعیت الی کراع لقبلت

(صحیح بخاری، کتاب الھبة، باب القلیل من الھبة)

یعنی اگر کوئی شخص بکری کے پائے کی بھی دعوت کرے گا تو میں قبول کر لوں گا آجکل اگرچہ پائے کی دعوت کو عمدہ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اس زمانے میں پائے کو بہت معمولی چیز سمجھا جاتا تھا۔ لہٰذا دعوت دینے والا مسلمان غریب ہی کیوں نہ ہو، تم اس کی دعوت اس نیت سے قبل کر لو کہ یہ میرا بھائی ہے، اس کا دل خوش ہو جائے، غریب اور امیر کا فرق

نہ ہونا چاہئے کہ اگر امیر آدمی دعوت دے رہا ہو تب تو قبول کر لی جائے، اور اگر کوئی معمولی حیثیت کا غریب آدمی دعوت دے رہا ہے تو اس کو ٹال دیا۔ بلکہ غریب آدمی اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کی دعوت قبول کی جائے۔

دال اور خشکے میں نورانیت

میں نے اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کئی بار یہ واقعہ سنا کہ دیو بند میں ایک صاحب گھسیارے تھے، یعنی گھاس کاٹ کر بازار میں فروخت کرتے، اور اس کے ذریعہ اپنا گزر بسر کرتے تھے، اور ایک ہفتہ میں ان کی آمدنی چھ پیسے ہوتی تھی۔ اکیلے آدمی تھے، اور اس آمدنی کو وہ اس طرح تقسیم کرتے تھے کہ اس میں سے دو پیسے اپنے کھانے وغیرہ پر خرچ کرتے تھے، اور دو پیسے اللہ کی راہ میں صدقہ کیا کرتے تھے، اور دو پیسے جمع کرتے تھے، اور ایک دو ماہ کے بعد جب کچھ پیسے جمع ہو جاتے تو اس وقت دار العلوم دیو بند کے جو بڑے بڑے بزرگ اساتذہ تھے۔ ان کی دعوت کیا کرتے تھے، اور دعوت میں خشک چاول ابال لیتے، اور اس کے ساتھ دال پکا لیتے، اور اساتذہ کو کھلا دیتے تھے۔ میرے والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اس وقت دار العلوم دیو بند کے صدر مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں پورے مہینے ان صاحب کی دعوت کا انتظار رہتا ہے، اس لئے کہ ان صاحب کے خشکے اور دال کی دعوت میں جو نورانیت محسوس ہوتی ہے، وہ نورانیت پلاؤ اور بریانی کی بڑی بڑی دعوتوں میں محسوس نہیں ہوتی۔

دعوت کی حقیقت "محبت کا اظہار"

لہٰذا دعوت کی حقیقت "محبت کا اظہار" ہے، اور اس کے قبول کرنے کی بھی حقیقت "محبت کا اظہار" ہے، اگر محبت سے کسی نے تمہاری دعوت کی ہے۔ محبت سے تم قبول کر لو، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ کبھی کسی کی دعوت کو رد نہیں فرماتے، دعوت دینے والا چاہے یہ معمولی آدمی کیوں نہ ہوتا۔ حتیٰ کہ بعض اوقات معمولی شخص کی دعوت پر آپ نے میلوں کا سفر کیا، تو دعوت کی حقیقت یہ

ہے کہ محبت سے کی جائے، اور محبت سے قبول کی جائے، اخلاص سے دعوت کی جائے، اخلاص سے قبول کی جائے، تب یہ دعوت نورانیت رکھتی ہے، سنت ہے، اور باعث اجر و ثواب ہے ___

دعوت یا عداوت

لیکن آجکل ہماری دعوتیں رسموں کے تابع ہو کر رہ گئی ہیں۔ رسم کے موقع پر دعوت ہوگی، اس کے علاوہ نہیں ہوگی، اب اگر دعوت قبول کرے تو مصیبت، قبول نہ کرے تو مصیبت، اسی لئے حضرت تھانوی رحمتہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ دعوت ہو، عداوت نہ ہو، یعنی ایسا طریقہ اختیار نہ کرو کہ وہ دعوت اس کے لئے عذاب اور مصیبت بن جائے، جیسا بعض لوگ کرتے ہیں، ان کے دماغ میں یہ بات آگئی کہ فلاں کی دعوت کرنی چاہئے، نہ اس بات کا خیال کیا کہ ان کے پاس وقت ہے یا نہیں؟۔ مگر بار بار دعوت قبول کرنے پر اصرار کر رہے ہیں، چاہے اس دعوت کی خاطر کتنی ہی مصیبت اٹھانی پڑے۔ یہ دعوت نہیں، بلکہ یہ تو اس کے ساتھ عداوت اور دشمنی ہے۔ اگر دعوت کے ذریعہ تم اس کے ساتھ محبت کا اظہار کرنا چاہتے ہو تو اس محبت کا پہلا تقاضہ یہ ہے کہ جس کی دعوت کر رہے ہو، اس کو راحت پہنچانے کی فکر کرو، اس کو آرام پہنچانے کی فکر کرو، نہ یہ کہ اس پر مصیبت ڈال دو۔

اعلیٰ درجے کی دعوت

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دعوت کی تین قسمیں ہوتی ہیں، ایک سب سے اعلیٰ۔ دوسرے متوسط، تیسرے ادنی ___ آجکل کے ماحول میں سب سے اعلیٰ دعوت یہ ہے کہ جس کی دعوت کرنی ہو، اس کو جا کر نقد ہدیہ پیش کر دو، اور نقد ہدیہ پیش کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کو کوئی تکلیف تو اٹھانی نہیں پڑے گی، اور پھر نقد ہدیہ میں اس کو اختیار ہوتا ہے کہ چاہے اس کو کھانے پر صرف کرے۔ اور یا کسی اور ضرورت میں صرف کرے، اس سے اس شخص کو زیادہ راحت اور زیادہ فائدہ ہوگا، اور تکلیف اس کو ذرہ برابر بھی نہیں ہوگی، اس لئے یہ دعوت سب سے

اعلیٰ ہے۔

متوسط درجے کی دعوت

دوسرے نمبر کی دعوت یہ ہے کہ جس شخص کی دعوت کرنا چاہتے ہو، کھانا پکا کر اس کے گھر بھیج دو۔ یہ دوسرے نمبر پر اس لئے ہے کہ کھانے کا قصہ ہوا اور اس کو کھانے کے علاوہ کوئی اور اختیار نہیں رہا، البتہ اس کھانے پر اس کو کوئی زحمت اور تکلیف نہیں اٹھانی پڑی۔ آپ نے گھر بلانے کی زحمت اس کو نہیں دی بلکہ گھر پر ہی کھانا پہنچا دیا۔

ادنیٰ درجے کی دعوت

تیسرے نمبر کی دعوت یہ ہے کہ اس کو اپنے گھر بلا کر کھانا کھلاؤ۔ آجکل کے شہری ماحول میں، جہاں زندگیاں مصروف ہیں، فاصلے زیادہ ہیں، اس میں اگر آپ کسی شخص کو دعوت دیں۔ اور وہ تیس میل کے فاصلے پر رہتا ہے۔ تو آپ کی دعوت قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دو گھنٹے پہلے گھر سے نکلے، پچاس روپے خرچ کرے۔ اور پھر تمہارے یہاں آکر کھانا کھائے۔ تو یہ آپ نے اس کو راحت پہنچائی یا تکلیف میں ڈال دیا؟ لیکن اگر اس کے بجائے کھانا پکا کر اس کے گھر بھیج دیتے۔ یا اس کو نقد رقم دے دیتے، اس میں اس کے ساتھ زیادہ خیر خواہی ہوتی۔

دعوت کا انوکھا واقعہ

ہمارے ایک بزرگ گزرے ہیں، حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی قدس اللہ سرہ ــــ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین ــــ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے بہت گہرے دوستوں میں سے تھے، لاہور میں قیام تھا، ایک مرتبہ کراچی تشریف لائے تو دارالعلوم کورنگی میں حضرت والد صاحبؒ سے ملنے کے لئے بھی تشریف لائے، چونکہ اللہ والے بزرگ تھے، اور والد صاحب کے بہت مخلص دوست تھے۔ اس

لئے ان کی ملاقات سے والد صاحب بہت خوش ہوئے، صبح دس بجے کے قریب دار العلوم پہنچے تھے۔ والد صاحب نے ان سے پوچھا کہ کہاں قیام ہے؟ فرمایا کہ آگرہ کالونی میں ایک صاحب کے یہاں قیام ہے۔ کب واپس تشریف لے جائیں گے؟ فرمایا کل انشاء اللہ واپس لاہور روانہ ہو جاؤں گا، بہر حال، کچھ دیر بات چیت اور ملاقات کے بعد جب واپس جانے لگے تو والد صاحب نے ان سے فرمایا کہ: بھائی مولوی ادریس، تم اتنے دنوں کے بعد یہاں آئے ہو، میرا دل چاہتا ہے کہ تمہاری دعوت کروں۔ لیکن میں یہ سوچ رہا ہوں کہ تمہارا قیام آگرہ تاج کالونی میں ہے۔ اور میں یہاں کورنگی میں رہتا ہوں، اب اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ فلاں وقت میرے یہاں آکر کھانا کھائیں۔ تب تو آپ کو میں مصیبت میں ڈال دوں گا، اس لئے کل آپ کو واپس جانا ہے۔ کام بہت سے ہوں گے، اس لئے دل اس بات کو گوارہ نہیں کرتا کہ آپ کو دوبارہ یہاں آنے کی تکلیف دوں ــــ لیکن یہ بھی مجھے گوارہ نہیں ہے کہ آپ تشریف لائیں۔ اور بغیر دعوت کے آپ کو روانہ کر دوں ــــ اس لئے میری طرف سے دعوت کے بدلے یہ سو روپے ہدیہ رکھ لیں۔ مولانا محمد ادریس صاحبؒ نے وہ سو روپے کا نوٹ اپنے سر پر رکھ لیا، اور فرمایا کہ یہ تو آپ نے مجھے بہت بڑی نعمت عطا فرما دی، آپ کی دعوت کا شرف بھی حاصل ہو گیا، اور کوئی تکلیف بھی اٹھانی نہیں پڑی۔ اور پھر اجازت لے کر روانہ ہو گئے۔

محبت کا تقاضہ "راحت رسانی"

یہ ہے بے تکلفی، اور راحت رسانی ــــ حضرت مفتی صاحب کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ یہ کہتا کہ "یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ لاہور سے کراچی تشریف لائیں، اور میرے گھر دعوت کھائے بغیر چلے جائیں، اس وقت آپ واپس جائیں اور دوسرے وقت تشریف لائیں۔ اور کھانا کھا کر جائیں۔ چاہے اس کے لئے سو مصیبتیں اٹھانی پڑیں۔" اور مولانا ادریس صاحب کی جگہ کوئی اور ہوتا وہ یہ کہتا کہ "میں تمہاری دعوت کا بھوکا ہوں، میں فقیر ہوں، جو تم مجھے پیسے دے رہے ہو کہ اس کا کھانا کھا لینا" یاد رکھو۔ محبت کا پہلا تقاضہ یہ ہے کہ جس سے محبت کی جا رہی ہے، اس کو راحت اور آرام پہنچانے کی کوشش کی جائے، نہ یہ کہ اس کو تکلیف میں ڈالا جائے۔ میرے بڑے بھائی ذکی کیفی مرحوم

اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین ___ شعر بہت اچھے کہا کرتے تھے، ان کا ایک بہت خوبصورت شعر ہے کہ:

میرے محبوب میری ایسی وفا سے توبہ
جو تیرے دل کی کدورت کا سبب بن جائے

ایسی وفاداری، اور ایسا اظہار محبت جس سے تکلیف ہو، جس سے دل میں کدورت پیدا ہو جائے، میں ایسی وفاداری اور محبت سے توبہ کرتا ہوں۔ جب بھائی صاحب نے یہ شعر کہا تو میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ کے اس شعر نے بدعت کی جڑ کاٹ دی، اس لئے ساری بدعات اسی سے پیدا ہوتی ہیں کہ آدمی اپنی طرف سے وفاداری کے طریقے گھڑ کر اس پر عمل شروع کر دیتا ہے، اور اس کو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ وفاداری کا یہ طریقہ میرے محبوب کے دل کی کدورت کا سبب بن رہا ہے ___

دعوت کرنا ایک فن ہے

بہر حال، دعوت کرنا بھی ایک فن ہے، ایسی دعوت کرو جس سے واقعی راحت پہنچے، جس سے آرام ملے، نہ یہ کہ دوسرے کے لئے تکلیف کا سبب بن جائے ___ دوسرے یہ کہ دعوت کا منشا تو محبت کا اظہار ہے، محبت کے تقاضے پر عمل کرنا ہے۔ اس دعوت کا رسموں سے کوئی تعلق نہیں، مثلاً یہ رسم ہے کہ عقیقے کے موقع پر دعوت کی جاتی ہے، یا تیجے دسویں اور چالیسویں کے موقع پر دعوت کی جاتی ہے، اس رسم کے موقع پر دعوت کریں گے، فلاں کو بلائیں گے ___ یاد رکھئے، ان رسمی دعوتوں کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے کوئی تعلق نہیں، دعوت تو وہ ہے جو کھلے دل سے کسی قید اور شرط کے بغیر، کسی رسم کے بغیر آدمی دوسرے کی دعوت کرے ___

یہ باتیں تو دعوت کرنے کے بارے میں تھیں، جہاں تک دعوت قبول کرنے کا تعلق ہے۔ اس کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے کہ اس کی دعوت کو قبول کرے، لیکن دعوت قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دعوت قبول کرنے والے کے پیش نظر اس کی محبت اور قدر دانی ہو، اور اس کے پیش نظر یہ نہ ہو کہ اگر میں اس دعوت میں شریک نہیں ہوا تو خاندان میں میری

ناک کٹ جائے گی، اگر اس خیال کے ساتھ شریک ہوا تو پھر وہ دعوت قبول کرنا مسنون نہیں رہے گا، یہ دعوت مسنون اس وقت ہوگی جب شرکت سے پیش نظر یہ ہو کہ میرے جانے سے اس کا دل خوش ہو جائے گا۔

دعوت قبول کرنے کی شرط

پھر دعوت قبول کرنے کی ایک شرط ہے، وہ یہ کہ دعوت قبول کرنا اس وقت سنت ہے جب اس دعوت قبول کرنے کے نتیجے میں آدمی کسی معصیت اور گناہ میں مبتلا نہ ہو، مثلاً ایک ایسی جگہ کی دعوت قبول کر لی جہاں گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہو رہا ہے، اب ایک سنت پر عمل کرنے کے لئے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا جارہا ہے، ایسی دعوت قبول کرنا سنت نہیں۔ آجکل کی اکثر دعوتیں ایسی ہیں جن میں یہ مصیبت پائی جاتی ہے، ان میں معصیتیں ہو رہی ہیں، منکرات ہو رہے ہیں، گناہوں کا ارتکاب ہو رہا ہے ــــ شادی کے کارڈ پر لکھا ہوتا ہے "ولیمہ مسنونہ" یہ تو معلوم ہے کہ ولیمہ کرنا سنت ہے۔ لیکن کس طرح یہ ولیمہ مسنونہ کیا جائے۔ ؟ اس کا کیا طریقہ ہے؟ یہ معلوم نہیں ــــ چنانچہ ولیمہ مسنونہ کے اندر بے پردگی ہو رہی ہے، مردوں اور عورتوں کا مخلوط اجتماع ہے، گناہوں کا ارتکاب ہو رہا ہے۔

کب تک ہتھیار ڈالو گے؟

یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ اس لئے کہ ہم لوگ ان رسموں اور گناہوں کے سامنے ہتھیار ڈالتے جارہے ہیں، اور ہتھیار ڈالتے ڈالتے اب اس مقام تک پہنچ گئے کہ مفاسد، گناہ، منکرات معاشرے میں پھیل کر رائج ہو گئے ہیں۔ اگر کسی وقت کوئی اللہ کا بندہ اسٹینڈ لے کر خاندان والوں سے یہ کہتا ہے کہ اگر اس گناہ کا ارتکاب ہوگا تو میں اس دعوت میں شریک نہیں ہونگا، تو اس بات کی امید تھی کہ اتنی تیزی سے منکرات نہ پھیلتے، آج جب لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ جس دعوت میں مردوں اور عورتوں کا مخلوط اجتماع ہو، اس میں شرکت مت کرو، تو لوگ یہ جواب دیتے ہیں کہ اگر ہم نے شرکت نہ کی تو خاندان سے اور معاشرے سے کٹ جائیں گے، میں کہتا ہوں کہ اگر گناہوں سے بچنے کے لئے اللہ کی خاطر خاندان سے کٹنا پڑے تو کٹ جاؤ، یہ کٹنا تمہارے لئے مبارک ہے، اور

اگر کوئی تمہاری دعوت کرنا چاہتا ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ تمہارے اصول کا بھی کچھ خیال کرے، جو شخص تمہارے اصول کا خیال نہیں رکھتا اس کی دعوت قبول کرنا تمہارے ذمے کوئی ضروری نہیں،

اگر ایک مرتبہ کچھ لوگ اسٹینڈ لیلیں۔ اور اپنے خاندان والوں سے صاف صاف کہہ دیں کہ ہم مردوں اور عورتوں کی مخلوط دعوتوں میں شریک نہیں ہوں گے، اگر ہمیں بلانا چاہتے ہو تو مردوں اور عورتوں کا انتظام الگ کرو، پھر دیکھو گے کہ کچھ عرصہ کے اندر اس کی بہت اصلاح ہو سکتی ہے، ابھی یہ سیلاب اتنا آگے نہیں بڑھا۔۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ جو آدمی دین پر عمل کرنا چاہتا ہے، وہ یہ بات کہتے ہوئے شرماتا ہے، وہ اس سے ڈرتا ہے کہ اگر میں نے یہ بات کہی تو لوگ مجھے بیک ورڈ (Bake World) سمجھیں گے، پسماندہ اور رجعت پسند سمجھیں گے ۔۔ اور اس کے برخلاف جو شخص بے دینی اور آزادی کے راستے پر چلتا ہے، وہ سینہ تان کر فخر کے ساتھ اپنی آزادی اور بے دینی کی طرف دعوت دیتا ہے ــــــ اب تو شادی اور دیگر تقریبات کی دعوتوں میں یہاں تک نوبت آگئی ہے، کہ نوجوان لڑکیاں مردوں کے سامنے رقص کرنے لگی ہیں، مگر پھر بھی ایسی دعوتوں میں لوگ شریک ہو رہے ہیں، کہاں تک اس سیلاب میں بہتے جاؤ گے؟ کہاں تک خاندان والوں کا ساتھ دو گے؟ اگر یہی سلسلہ چلتا رہا تو کوئی بعید نہیں کہ مغربی تہذیب کی لعنتیں ہمارے معاشرے پر بھی پوری طرح مسلط ہو جائیں ــ کوئی حد تو ہوگی جہاں جا کر تمہیں رکنا پڑے گا۔ اس لئے اپنے لئے کچھ ایسے اصول بنا لو، مثلاً جس دعوت میں کھلے منکرات کا ارتکاب ہو گا وہاں ہم شریک نہیں ہوں گے۔ یا جس دعوت میں مخلوط اجتماع ہو گا، ہم شریک نہیں ہونگے، اگر اب بھی اللہ کے کچھ بندے اسٹینڈ لیلیں تو اس سیلاب پر بند لگ سکتا ہے۔

پردہ دار خاتون اچھوت بن جائے؟

بعض اوقات لوگ یہ سوچتے ہیں کہ تقریبات میں پردہ کرنے والی عورتیں اکا دکا ہی ہوتی ہیں، تو ان کے لئے ہم علیحدہ انتظام کر دیں گے ــــــ ذرا سوچو، کیا تم اس پردہ دار خاتون کو اچھوت بنانا چاہتے ہو؟ وہ سب سے الگ اچھوت بن کر بیٹھی رہے، اگر ایک

بے پردہ عورت ہے، وہ اگر مردوں سے الگ پردہ میں ہو جائے تو اس کا کیا نقصان ہوا؟ لیکن ایک پردہ دار بے پردہ ہو کر مردوں کے سامنے چلی جائے گی تو اس کا تو دین غارت ہو جائے گا، اس لئے مردوں اور عورتوں کے الگ انتظام کرنے میں کوئی پریشانی نہیں ہے، بس صرف توجہ دینے کی بات ہے، صرف اہتمام کرنے اور اس پر ڈٹ جانے کی بات ہے۔

دعوت قبول کرنے کا شرعی حکم

اور شرعی مسئلہ یہ ہے کہ جس دعوت کے بارے میں پہلے سے یہ معلوم ہو کہ اس دعوت میں فلاں گناہ کبیرہ ارتکاب ہوگا اور اندیشہ یہ ہو کہ میں بھی اس گناہ میں مبتلا ہو جاؤں گا، اس دعوت میں شرکت کرنا جائز نہیں، اور جس دعوت کے بارے میں یہ خیال ہو کہ اس دعوت میں فلاں گناہ تو ہوگا۔ لیکن میں اپنے آپ کو اس گناہ سے بچالوں گا، ایسی دعوت میں عام آدمی کو شرکت کی گنجائش ہے۔ لیکن جس آدمی کی طرف لوگوں کی نگاہیں ہوتی ہیں، اور جن کی لوگ اقتداء کرتے ہیں، ایسے آدمی کے لئے کسی حال میں بھی ایسی دعوت میں شرکت کرنا جائز نہیں ــــ اور یہ دعوت قبول کرنے کا اہم اصول ہے، دعوت قبول کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی اس کی وجہ سے گناہوں کا ارتکاب کرے۔

دعوت کے لئے نفلی روزہ توڑنا

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمادیا کہ جس شخص کی دعوت کی گئی ہے، اگر وہ روزہ دار ہے، اور روزے کی وجہ سے کھانا نہیں کھا سکتا تو وہ میزبان کے حق میں دعا کر دے ــ فقہاء کرام نے تو بعض احادیث کی روشنی میں یہاں تک لکھا ہے کہ اگر نفلی روزہ کسی نے رکھا ہے، اور اس کی کسی مسلمان نے دعوت کر دی، تو اب مسلمان کی دعوت قبول کرنے کے لئے اور اس کا دل خوش کرنے کے لئے نفلی روزہ توڑ دیے تو اس کی بھی اجازت ہے، بعد میں اس روزے کی قضا کر لے ــ لیکن اگر روزہ توڑنا نہیں چاہتا تو کم از کم اس کے حق میں دعا کر دے۔

بن بلائے مہمان کا حکم

"عن ابی مسعود البدری رضی اللہ عنہ، قال: دعا رجل النبی صلی اللہ علیہ وسلم لطعام صنعه له خامس خمسة، فتبعهم رجل، فلما بلغ الباب قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان هذا اتبعنا فان شئت ان تاذن وان شئت رجع، قال: بل اذن له یارسول اللہ"

(صحیح بخاری، کتاب الاطعمة، باب الرجل یدعی الی طعام فیقول: وھذا معی)

حضرت ابو مسعود البدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی، اور آپ کے ساتھ چار افراد کی بھی دعوت کی، سادگی کا زمانہ تھا، اس لئے بسا اوقات جب کوئی شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کرتا تو عام طور پر وہ حضور سے یہ بھی کہہ دیتا کہ آپ اپنے ساتھ مزید تین افراد کو بھی لے آئیں۔ یا چار افراد کو لے آئیں ــ چنانچہ ان صاحب نے پانچ افراد کی دعوت کی تھی۔ ایک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم، اور چار صحابہ کرام، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دعوت میں جانے لگے تو ایک صاحب اور ساتھ ہو لئے، جیسے بزرگوں کے بعض معتقدین ہوتے ہیں کہ جو بزرگوں کے ساتھ لگ جاتے ہیں، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میزبان کے گھر کے دروازے پر پہنچے تو آپ نے میزبان سے فرمایا کہ یہ صاحب ہمارے ساتھ آگئے ہیں، ان کو آپ نے دعوت نہیں دی تھی، اب اگر آپ کی اجازت ہو تو یہ اندر آجائیں، اگر اجازت نہ ہو تو یہ واپس چلے جائیں، میزبان نے کہا: یا رسول اللہ، میں اجازت دیتا ہوں، آپ ان کو بھی اندر لے آئیں ــ

وہ شخص چور اور لٹیرا ہے

اس حدیث کے ذریعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی کہ جب کسی کے گھر دعوت میں شرکت کے لئے جاؤ، اور اتفاق سے کوئی ایسا شخص تمہارے ساتھ اس دعوت میں آگیا جس کو دعوت نہیں دی گئی تو میزبان کو اس کے آنے کی اطلاع کر دو، اور پھر اس کی اجازت کے بعد اس کو دعوت میں شریک کرو، کیونکہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی دعوت میں بن بلائے شرکت کر

لے تو وہ شخص چور بن کر داخل ہوا، اور لٹیرا بن کر نکلا۔

میزبان کے بھی حقوق ہیں

درحقیقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیم ایک بہت بڑے اصول کی نشان دہی کرتی ہے، جس کو ہم نے بھلا دیا ہے، وہ یہ کہ ہمارے ذہنوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کا مہمان بن جائے تو میزبان پر بے شمار حقوق عائد ہو جاتے ہیں کہ وہ اس کا اکرام کرے، اس کی خاطر مدارات کرے وغیرہ، لیکن اس حدیث کے ذریعہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتا دیا کہ جس طرح مہمان کے حقوق میزبان پر ہیں، اسی طرح میزبان کے بھی کچھ حقوق مہمان پر ہے، ان میں سے ایک حق یہ ہے کہ وہ مہمان میزبان کو بلاوجہ تکلیف نہ دے، مثلاً یہ کہ مہمان ایسے لوگوں کو اپنے ساتھ نہ لے جائے جن کی دعوت نہیں ہے، جیسے آجکل کے بعض پیروں، فقیروں کے یہاں ہوتا ہے جب کسی نے پیر صاحب کی دعوت کی تو اب پیر صاحب اکیلے نہیں جائیں گے، بلکہ ان کے ساتھ ایک لشکر بھی میزبان کے گھر پر حملہ آور ہو جائے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس میزبان کو پتہ بھی نہیں ہوتا کہ اتنے مہمان آئیں گے، جب اچانک وقت پر اتنا بڑا لشکر پہنچ جاتا ہے تو اب میزبان کے لئے ایک مصیبت کھڑی ہو جاتی ہے ــــ اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا شخص چور بن کر داخل ہوا، اور لٹیرا بن کر نکلا ــــ البتہ جہاں بے تکلفی کا معاملہ ہو، اور یقین سے یہ بات معلوم ہو کہ اگر میں اس کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا تو میزبان اور زیادہ خوش ہو جائے گا۔ ایسے مواقع پر ساتھ لے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں، البتہ جہاں ذرا بھی تکلیف پہنچنے کا احتمال ہو، وہاں پہلے سے بتانا واجب ہے۔

پہلے سے اطلاع کرنی چاہئے

اسی طرح میزبان کا ایک حق یہ ہے کہ جب تم کسی کے یہاں مہمان بن کر جانا چاہتے ہو تو پہلے سے اس کو اطلاع کر دو، یا کم از کم ایسے وقت میں جاؤ، کہ وہ کھانے کا انتظام آسانی کے ساتھ کر سکے، کیونکہ اگر تم عین کھانے کے وقت کسی کے گھر پہنچ گئے تو اس کو فوری طور پر کھانے کا انتظام کرنے میں تکلیف اور مشقت ہوگی۔ لہٰذا ایسے وقت

میں جانا ٹھیک نہیں، یہ میزبان کا حق ہے۔

مہمان بلا اجازت روزہ نہ رکھے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر قربان جائیے کہ ایک حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ کسی مہمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ میزبان کو بتائے بغیر روزہ رکھے، اس لئے کہ جب تم نے اس کو بتایا نہیں کہ آج میں روزہ رکھوں گا، اس کو تو یہ معلوم ہے کہ تم اس کے مہمان ہو، اس لئے وہ تمہارے لئے ناشتے کا بھی انتظام کرے گا۔ دوپہر کے کھانے کا بھی انتظام کرے گا، پھر جب اس نے سب انتظام کر لیا تو عین وقت پر تم نے اس سے کہا کہ میرا تو روزہ ہے، اس کی محنت بیکار گئی، اس کے مصارف بیکار گئے، اور اس کو تم نے تکلیف بھی پہنچائی، اس لئے حکم یہ ہے کہ میزبان کی اجازت کے بغیر روزہ رکھنا جائز نہیں ــــ لہٰذا جس طرح مہمان کے حقوق ہیں، اسی طرح میزبان کے بھی حقوق ہیں۔

مہمان کو کھانے کے وقت پر حاضر رہنا چاہئے

یا مثلاً میزبان کے یہاں کھانے کا وقت مقرر ہے، اور تم اس وقت غائب ہو گئے۔ اور وہ تم کو تلاش کرتا پھر رہا ہے، اور اب وہ بیچارہ مہمان کے بغیر کھانا نہیں کھا سکتا، اس لئے اصول یہ ہے کہ مہمان کو چاہئے کہ اگر کسی وقت کھانا نہ کھانا ہو، یا دیر ہو جانے کا امکان ہو تو پہلے سے میزبان کو بتا دو کہ آج میں کھانے پر دیر سے آؤں گا۔ تاکہ اس کو تلاش اور انتظام کی تکلیف نہ ہو۔

میزبان کو تکلیف دینا گناہ کبیرہ ہے

دین صرف نماز روزے کا اور ذکر و تسبیح کا نام نہیں، یہ سب باتیں دین کا حصہ ہیں۔ ہم نے اس کو دین سے خارج کر دیا ہے، بڑے بڑے دیندار، بڑے بڑے تہجد گزار، اشراق اور چاشت پڑھنے والے بھی معاشرت کے ان آداب کا لحاظ نہیں کرتے،

جس کی وجہ سے گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں، یاد رکھو، اگر ان آداب کا لحاظ نہ کرنے کے نتیجے میں میزبان کو تکلیف ہوگی تو ایک مسلمان کو تکلیف پہنچانے کا گناہ کبیرہ اس مہمان کو ہوگا۔

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ کسی مسلمان کو اپنے قول یا فعل سے تکلیف پہنچانا گناہ کبیرہ ہے، جیسے شراب پینا، چوری کرنا، زنا کرنا گناہ کبیرہ ہے، لہٰذا اگر تم نے اپنے کسی عمل سے میزبان کو تکلیف میں مبتلا کر دیا تو یہ ایذاء مسلم ہوئی، یہ سب گناہ کبیرہ ہے، یہ ساری باتیں اس اصول میں داخل ہیں، جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بتا دیا، دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

لباس کے شرعی اصول

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

موضوع خطاب :

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۵

صفحات :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لباس کے شرعی اصول

الحمد للہ نحمدہ ونستغفرہ ونؤمن به و نتوکل علیه ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل له ومن یضلله فلاھادی له، واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک له، واشھد ان سیدنا وسندنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسوله، صلی اللہ تعالٰی علیه وآله واصحابه وبارك وسلم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا

امابعد:

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یٰبَنِیٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا، وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِكَ خَیْرٌ

(الاعراف: ۲۶)

اٰمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، وصدق رسوله

النبی الکریم، ونحن علیٰ ذالك من الشاهدین
والشاکرین، والحمد للہ رب العالمین۔

تمہید

جیسا کہ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ اسلام کی تعلیمات زندگی کے ہر شعبے پر محیط ہیں، لہٰذا ان کا تعلق ہماری معاشرت اور رہن سہن کے ہر حصے سے ہے، زندگی کا کوئی گوشہ اسلام کی تعلیمات سے خالی نہیں۔ ''لباس'' بھی زندگی کے گوشوں میں سے اہم گوشہ ہے، اس لئے قرآن وسنّت نے اس کے بارے میں بھی تفصیلی ہدایات دی ہیں۔

موجودہ دور کا پروپیگنڈہ

آج کل ہمارے دور میں یہ پروپیگنڈہ بڑی کثرت سے کیا گیا ہے کہ لباس تو ایسی چیز ہے جس کا ہر قوم اور ہر وطن کے حالات سے تعلق ہوتا ہے، اس

لئے آدمی اگر اپنی مرضی اور ماحول کے مطابق کوئی لباس اختیار کرلے تو اس کے بارے میں شریعت کو بیچ میں لانا اور شریعت کے احکام سنانا تنگ نظری کی بات ہے۔ اور یہ جملہ تو لوگوں سے بکثرت سننے میں آتا ہے کہ ان مولویوں نے اپنی طرف سے قیدیں شرطیں لگادی ہیں، ورنہ دین میں تو بڑی آسانی ہے، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تو دین میں اتنی پابندیاں نہیں لگائی ہیں، مگر ان ملاؤں نے اپنی طرف سے گھڑ کر یہ پابندیاں عائد کر رکھی ہیں، اور یہ ان ملاؤں کی تنگ نظری کی دلیل ہے، اور اس تنگ نظری کے نتیجے میں انہوں نے خود بھی بہت سی باتوں کو چھوڑ رکھا ہے اور دوسروں سے بھی چھڑا رکھا ہے۔

ہر لباس اپنا اثر رکھتا ہے

خوب سمجھ لیجئے! لباس کا معاملہ اتنا سادہ اور اتنا آسان نہیں ہے کہ آدمی جو چاہے لباس پہنتا رہے اور اس لباس کی وجہ سے اس کے دین پر، اس کے اخلاق پر، اس کی زندگی پر اور اس کے طرز عمل پر کوئی اثر واقع نہ ہو۔ یہ ایک مسلّم حقیقت ہے جس کو شریعت نے تو ہمیشہ بیان فرمایا، اور اب نفسیات اور سائنس کے ماہرین بھی اس حقیقت کو تسلیم کرنے لگے ہیں کہ انسان کے لباس کا اس کی زندگی پر، اس کے اخلاق پر، اس کے کردار پر بڑا اثر واقع ہوتا ہے۔ لباس محض ایک کپڑا نہیں ہے جو انسان نے اٹھا کر پہن لیا، بلکہ یہ لباس انسان کے طرز فکر پر، اس کی سوچ پر، اس کی ذہنیت پر اثر انداز ہوتا ہے، اس لئے اس لباس کو معمولی نہیں سمجھنا چاہئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر جبہ کا اثر

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں خطبہ دینے کے لئے تشریف لائے، اس وقت وہ ایک بہت شاندار جبہ پہنے ہوئے تھے، جب خطبہ سے فارغ ہوکر گھر تشریف لے گئے تو جاکر اس جبہ کو اتار دیا اور فرمایا کہ میں آئندہ اس جبہ کو نہیں پہنوں گا، اس لئے کہ اس جبہ کو پہننے سے میرے دل میں بڑائی اور تکبر کا احساس پیدا ہوگیا، اس لئے میں آئندہ اس کو نہیں پہنوں گا۔ حالانکہ وہ جبہ بذات خود ایسی چیز نہیں تھی جو حرام ہوتی، لیکن اللہ تعالیٰ جن حضرات کی طبیعتوں کو آئینے کی طرح شفاف بناتے ہیں، ان کو ذرا ذرا سی باتیں بھی بری لگتی ہیں، اس کی مثال یوں سمجھئے جیسے ایک کپڑا داغ دار ہے اور اس کپڑے پر ہر جگہ دھبے ہی دھبے لگے ہوئے ہیں، اس کے بعد اس کپڑے پر ایک داغ اور لگ جائے تو اس کپڑے پر کوئی اثر ظاہر نہ ہوگا۔ ہمارا بھی یہی حال ہے کہ ہمارا سینہ داغوں اور دھبوں سے بھرا ہوا ہے، اس لئے اگر خلاف شریعت کوئی بات ہو جاتی ہے تو اس کی ظلمت اور اس کی تاریکی اور اس کے وبال کا احساس نہیں ہوتا، لیکن جن حضرات کے سینوں کو اللہ تعالیٰ آئینے کی طرح شفاف بناتے ہیں، ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک سفید صاف شفاف کپڑا ہو، اس پر اگر ذرا سا بھی داغ لگ جائے گا تو وہ داغ بہت نمایاں نظر آئے گا، اسی طرح اللہ والوں کے دل صاف شفاف ہوتے ہیں، ان پر ذرا سی بھی چھینٹ پڑ جائے تو ان کو ناگوار ہوتی ہے۔

تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ سے معلوم ہوا کہ لباس کا اثر انسان کے اخلاق و کردار پر اور اس کی زندگی پر بھی پڑتا ہے۔ اس لئے لباس کو معمولی سمجھ کر نظر انداز نہیں کرنا چاہئے، اور لباس کے بارے میں شریعت کے جو اصول ہیں وہ سمجھ لینے چاہئیں اور ان کی پیروی کرنی بھی ضروری ہے۔

آج کل کا ایک اور پروپیگنڈہ

آج کل یہ جملہ بھی بہت کثرت سے سننے میں آتا ہے کہ اس ظاہری لباس میں کیا رکھا ہے، دل صاف ہونا چاہئے، اور ہمارا دل صاف ہے، ہماری نیت اچھی ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمارا تعلق قائم ہے، سارے کام تو ہم ٹھیک کر رہے ہیں، اب اگر ذرا سا لباس بدل دیا تو اس میں کیا حرج ہے؟ کیونکہ دین ظاہر کا نام نہیں بلکہ باطن کا نام ہے، دین جسم کا نام نہیں بلکہ روح کا نام ہے، شریعت کی روح دیکھنی چاہئے، دین کی روح کو سمجھنا چاہئے۔ آج کل اس قسم کے جملے بہت کثرت سے پھیلے ہوئے ہیں اور پھیلائے جا رہے ہیں اور فیشن بن گئے ہیں۔

ظاہر اور باطن دونوں مطلوب ہیں

خوب یاد رکھئے! دین کے احکام روح پر بھی ہیں اور جسم پر بھی ہیں، باطن پر بھی ہیں اور ظاہر پر بھی ہیں۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

"وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ"

(سورۃ الانعام، آیت ۱۲۰)

یعنی ظاہر کے گناہ بھی چھوڑ و اور باطن کے گناہ بھی چھوڑ و، صرف یہ نہیں کہا کہ باطن کے گناہ چھوڑ و۔ خوب یاد رکھئے! جب تک ظاہر خراب ہے تو پھر یہ شیطان کا دھوکہ ہے کہ باطن ٹھیک ہے، اس لئے کہ ظاہر اسی وقت خراب ہوتا ہے جب اندر سے باطن خراب ہوتا ہے، اگر باطن خراب نہ ہو تو ظاہر بھی خراب نہیں ہوگا۔

ایک خوبصورت مثال

ہمارے ایک بزرگ ایک مثال دیا کرتے تھے کہ جب کوئی پھل اندر سے سڑ جاتا ہے تو اس کے سڑنے کے آثار چھلکے پر داغ کی شکل میں نظر آنے لگتے ہیں اور اگر اندر سے وہ پھل سڑا ہوا نہیں ہے تو چھلکے پر کبھی خرابی نظر نہیں آئیگی، چھلکے پر اسی وقت خرابی ظاہر ہوتی ہے جب اندر سے خراب ہو۔ اسی طرح جس شخص کا ظاہر خراب ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ باطن میں بھی کچھ نہ کچھ خرابی ضرور ہے، ورنہ ظاہر خراب ہوتا ہی نہیں۔ لہٰذا یہ کہنا کہ ہمارا ظاہر اگر خراب ہے تو کیا ہوا؟ باطن ٹھیک ہے، یاد رکھئے! اس صورت میں باطن کبھی ٹھیک ہو ہی نہیں سکتا۔

دنیاوی کاموں میں ظاہر بھی مطلوب ہے

دنیا کے سارے کاموں میں تو ظاہر بھی مطلوب ہے اور باطن بھی مطلوب ہے، ایک بیچارا دین ہی ایسا رہ گیا ہے جس کے بارے میں یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ ہمیں اس کا باطن چاہئے، ظاہر نہیں چاہئے، مثلاً دنیا کے اندر جب آپ مکان بناتے ہیں تو مکان کا باطن تو یہ ہے کہ چار دیواری کھڑی کر کے اوپر سے چھت ڈال دی تو باطن حاصل ہو گیا، اب اس پر پلاستر کی کیا ضرورت ہے؟ اور رنگ و روغن کی کیا ضرورت ہے؟ اس لئے کہ مکان کی روح تو حاصل ہو گئی ہے، وہ مکان رہنے کے قابل ہو گیا۔ مگر مکان کے اندر تو یہ فکر ہے کہ صرف چار دیواری اور چھت کافی نہیں، بلکہ پلاستر بھی ہو، رنگ و روغن بھی ہو، اس میں زیب و زینت کا سارا سامان موجود ہو، یہاں کبھی صرف باطن ٹھیک کر لینے کا فلسفہ نہیں چلتا۔ یا مثلاً گاڑی ہے، ایک اس کا باطن ہے اور ایک ظاہر ہے، گاڑی کا باطن یہ ہے کہ ایک ڈھانچہ لے کر اس میں انجن لگا لو تو باطن حاصل ہے، اس لئے کہ انجن لگا ہوا ہے، وہ سواری کرنے کے قابل ہے، لہٰذا اب نہ باڈی کی ضرورت ہے، نہ رنگ و روغن کی ضرورت ہے۔ وہاں تو کسی شخص نے آج تک یہ نہیں کہا کہ مجھے گاڑی کا باطن حاصل ہے، اب ظاہر کی ضرورت نہیں، بلکہ وہاں تو ظاہر بھی مطلوب ہے اور باطن بھی مطلوب ہے، ایک بیچارہ دین ہی ایسا مسکین رہ گیا کہ اس میں صرف باطن مطلوب ہے اور ظاہر مطلوب نہیں۔

یہ شیطان کا دھوکہ ہے

یاد رکھئے! یہ شیطان کا دھوکہ اور فریب ہے، لہٰذا ظاہر بھی درست کرنا ضروری ہے اور باطن بھی درست کرنا ضروری ہے، چاہے لباس ہو، یا کھانا ہو، یا آداب معاشرت ہوں، اگرچہ ان سب کا تعلق ظاہر سے ہے، لیکن ان سب کا گہرا اثر باطن پر واقع ہوتا ہے، اس لئے لباس کو معمولی سمجھ کر نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ جو لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں، ان کو دین کی حقیقی فہم حاصل نہیں، اگر یہ بات نہ ہوتی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لباس کے بارے میں کوئی ہدایت نہ فرماتے، کوئی تعلیم نہ دیتے، لیکن آپ ﷺ نے لباس کے بارے میں ہدایات دیں، آپ کی تعلیمات اسی جگہ پر آتی ہیں جہاں لوگوں کے بہک جانے اور غلطی میں پڑ جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس لئے ان اصولوں کو اور ان تعلیمات کو اہتمام کے ساتھ سننے کی ضرورت ہے۔

شریعت نے کوئی لباس مخصوص نہیں کیا

شریعت نے لباس کے بارے میں بڑی معتدل تعلیمات عطا فرمائی ہیں، چنانچہ شریعت نے کوئی خاص لباس مقرر کر کے اور اس کی ہیئت بتا کر یہ نہیں کہا کہ ہر آدمی کے لئے ایسا لباس پہننا ضروری ہے، لہٰذا جو شخص اس ہیئت سے ہٹ کر لباس پہنے گا، وہ مسلمانی کے خلاف ہوگا۔ ایسا اس لئے نہیں کہا کہ اسلام دینِ فطرت ہے، اور حالات کے لحاظ سے، مختلف ممالک کے لحاظ سے،

وہاں کے موسموں کے لحاظ سے، وہاں کی ضروریات کے لحاظ سے لباس مختلف ہوسکتا ہے، کہیں باریک، کہیں موٹا، کہیں کسی وضع کا، کہیں کسی ہیئت کا لباس اختیار کیا جاسکتا ہے، لیکن اسلام نے لباس کے بارے میں کچھ بنیادی اصول عطا فرما دیئے، ان اصولوں کی ہر حالت میں رعایت رکھنی ضروری ہے، ان کو سمجھ لینا چاہئے۔

لباس کے چار بنیادی اصول

جو آیت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے لباس کے بنیادی اصول بتا دیئے ہیں، فرمایا کہ:

"یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡكُمۡ لِبَاسًا یُّوَارِیۡ سَوۡاٰتِكُمۡ وَرِیۡشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقۡوٰی ۙ ذٰلِكَ خَیۡرٌ ؕ"

(سورۃ الاعراف، آیت ۲۶)

اے بنی آدم! ہم نے تمہارے لئے ایسا لباس اتارا جو تمہاری پوشیدہ اور شرم کی چیزوں کو چھپاتا ہے اور جو تمہارے لئے زینت کا سبب بنتا ہے، اور تقویٰ کا لباس تمہارے لئے سب سے بہتر ہے۔

یہ تین جملے ارشاد فرمائے اور ان تین جملوں میں اللہ تعالیٰ نے معانی کی کائنات بھر دی ہے۔

لباس کا پہلا بنیادی مقصد

اس آیت میں لباس کا پہلا مقصد یہ بیان فرمایا کہ وہ تمہاری پوشیدہ اور شرم کی چیزوں کو چھپا سکے۔ "سوآۃ" کے معنی ہیں وہ چیز جس کے ذکر کرنے سے یا جس کے ظاہر ہونے سے انسان شرم محسوس کرے، اس سے مراد ہے "ستر" تو گویا لباس کا سب سے بنیادی مقصد "ستر" چھپانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کے جسم کے کچھ حصّوں کو "ستر" قرار دیا، یعنی وہ چھپانے کی چیز ہے، وہ ستر مردوں میں الگ ہے اور عورتوں میں الگ ہے، مردوں میں ستر کا حصّہ جس کو چھپانا ہر حال میں ضروری ہے، وہ ناف سے لے کر گھٹنوں تک کا حصہ ہے، اس حصے کو کھولنا بلاضرورت جائز نہیں، علاج وغیرہ کی مجبوری میں تو جائز ہے، لیکن عام حالات میں اس کو چھپانا ضروری ہے، عورت کا سارا جسم، سوائے چہرے اور گٹوں تک ہاتھ کے سب کا سب "ستر" ہے۔ جس کا چھپانا ضروری ہے اور کھولنا جائز نہیں۔

لہٰذا لباس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ شریعت کے مقرر کئے ہوئے ستر کے حصّوں کو چھپالے، جو لباس اس مقصد کو پورا نہ کرے، شریعت کی نگاہ میں وہ لباس ہی نہیں، وہ لباس کہلانے کے لائق ہی نہیں، کیونکہ وہ لباس اپنا بنیادی مقصد پورا نہیں کر رہا ہے جس کے لئے وہ بنایا گیا ہے۔

لباس کے تین عیب

لباس کے بنیادی مقصد کو پورا نہ کرنے کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ وہ لباس اتنا چھوٹا ہے کہ لباس پہننے کے باوجود ستر کا کچھ حصّہ کھلا رہ گیا، اس لباس کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ اس لباس سے اس کا بنیادی مقصد حاصل نہ ہوا اور کشف عورت ہوگیا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس لباس سے ستر کو چھپا تو لیا، لیکن وہ لباس اتنا باریک ہے کہ اس سے اندر کا بدن جھلکتا ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ لباس اتنا چست ہے کہ لباس پہننے کے باوجود جسم کی بناوٹ اور جسم کا ابھار نظر آ رہا ہے، یہ بھی ستر کے خلاف ہے۔ اس لئے مرد کے لئے ناف سے لے کر گھٹنوں تک کا حصّہ ایسے کپڑے سے چھپانا ضروری ہے جو اتنا موٹا ہو کہ اندر سے جسم نہ جھلکے اور وہ اتنا ڈھیلا ڈھالا ہو کہ اندر کے اعضاء کو نمایاں نہ کرے اور اتنا مکمل ہو کہ جسم کا کوئی حصّہ کھلا نہ رہ جائے، اور یہی تین چیزیں عورت کے لباس میں بھی ضروری ہیں۔

آج کل کا ننگا پہناوا

موجودہ دور کے فیشن نے لباس کے اصل مقصد ہی کو مجروح کر دیا ہے، اس لئے کہ آج کل مردوں اور عورتوں میں ایسے لباس رائج ہو گئے ہیں جن میں اس کی کوئی پروا نہیں کہ جسم کا کونسا حصّہ کھل رہا ہے اور کونسا حصّہ ڈھکا ہوا ہے، حالانکہ شریعت کی نگاہ میں وہ لباس لباس ہی نہیں۔ جو خواتین بہت باریک اور

بہت چست لباس پہنتی ہیں جس کی وجہ سے کپڑا پہننے کے باوجود جسم کی بناوٹ دوسروں کے سامنے نمایاں ہوتی ہے، ایسی خواتین کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

کاسیات عاریات

(صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب النساء الکاسیات)

وہ خواتین لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی۔

یعنی لباس پہننا ہوگا مگر ننگی ہوں گی، اس لئے کہ اس کپڑے سے لباس کا وہ بنیادی مقصد حاصل نہ ہوا جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے لباس اتارا تھا۔ آج کل خواتین میں یہ وبا اس کثرت سے پھیل چکی ہے جس کی کوئی حد نہیں، شرم و حیا سب بالائے طاق ہو کر رہ گئی ہے، اور ایسا لباس رائج ہوگیا جو جسم کو چھپانے کے بجائے اور نمایاں کرتا ہے، خدا کے لئے ہم اس بات کو محسوس کریں اور اپنے اندر فکر پیدا کریں اور اپنے گھروں میں ایسے لباس پر پابندی عائد کریں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کے خلاف ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمارے دلوں میں یہ احساس اور فکر پیدا فرمائے، آمین۔

خواتین ان اعضاء کو چھپائیں

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے آمین۔ شاید ہی آپ کا کوئی جمعہ ایسا جاتا ہو جس میں اس پہلو کی طرف متوجہ نہ فرماتے ہوں، فرمایا کرتے تھے کہ یہ جو فتنے آج کل عام

رواج پا گئے ہیں، ان کو کسی طرح ختم کرو، خواتین اس حالت میں مجمع عام کے اندر جا رہی ہیں کہ سر کھلا ہوا ہے، بازو کھلے ہوئے ہیں، سینہ کھلا ہوا ہے، پیٹ کھلا ہوا ہے۔ حالانکہ ''ستر'' کا حکم یہ ہے کہ مرد کے لئے مرد کے سامنے ستر کھولنا بھی جائز نہیں اور عورت کے لئے عورت کے سامنے ستر کھولنا جائز نہیں، مثلاً اگر کسی عورت نے ایسا لباس پہن لیا جس میں سینہ کھلا ہوا ہے، پیٹ کھلا ہوا ہے، بازو کھلے ہوئے ہیں تو اس عورت کو اس حالت میں دوسری عورتوں کے سامنے آنا بھی جائز نہیں، چہ جائیکہ اس حالت میں مردوں کے سامنے آئے، اس لئے کہ یہ اعضاء اس کے ستر کا حصہ ہیں۔

گناہوں کے بُرے نتائج

آج کل کی شادی کی تقریبات میں جا کر دیکھئے، وہاں کیا حال ہو رہا ہے، خواتین بے حیائی کے ساتھ ایسے لباس پہن کر مردوں کے سامنے آ جاتی ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دینے والی بات نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ ڈنکے کی چوٹ، سینہ تان کر اور ڈھٹائی کے ساتھ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی ایسی کھلم کھلا خلاف ورزی ہوگی تو اس کے بارے میں ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ درحقیقت ان فتنوں نے ہمارے اوپر یہ عذاب مسلط کر رکھا ہے، یہ بدامنی اور بے چینی جو آپ دیکھ رہے ہیں کہ کسی انسان کی جان و مال محفوظ نہیں ہے، درحقیقت ہماری ان ہی بداعمالیوں کا نتیجہ ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

"وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ"

(سورۃ الشوریٰ، آیت ۳۰)

یعنی جو کچھ تمہیں برائی پہنچتی ہے وہ سب تمہارے ہاتھوں کے کرتوت کی وجہ سے پہنچتی ہے اور بہت سے گناہ تو اللہ تعالیٰ معاف ہی فرما دیتے ہیں اور ان پر پکڑ نہیں فرماتے ہیں۔

خدا کے لئے اپنے گھروں سے اس فتنے کو دور کریں۔

قربِ قیامت میں خواتین کی حالت

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمانے کا ایک ایسا نقشہ کھینچا ہے کہ اگر آج کا زمانہ کسی نے نہ دیکھا ہوتا تو وہ شخص حیران ہو جاتا کہ اس حدیث کا مطلب کیا ہے؟ اور آپ نے اس طرح نقشہ کھینچا جس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موجودہ دور کی خواتین کو دیکھ کر یہ ارشاد فرمایا ہو، اس لئے کہ اس زمانے میں اس کا تصور بھی مشکل تھا۔ چنانچہ فرمایا کہ قیامت کے قریب عورتیں لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی اور ان کے سروں کے بال ایسے ہوں گے جیسے بختی اونٹوں کے کوہان ہوتے ہیں۔

اب ظاہر ہے کہ جس زمانے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی تھی، اس زمانے میں اس قسم کے بالوں کا کوئی رواج نہیں تھا،

یہی وجہ ہے کہ بعض شراح حدیث نے اس پر کلام کیا ہے کہ اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ بختی اونٹوں کے کوہان کی طرح بال کس طرح ہو سکتے ہیں؟ لیکن آج کے جدید فیشن نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشن گوئی کو پورا کر دیا اور ایسا لگتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آج کی عورتوں کو دیکھ کر یہ بات ارشاد فرمائی ہو۔ آگے ارشاد فرمایا کہ:

ممیلات مائلات

(صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب النساء الکاسیات)

یعنی وہ عورتیں اپنے لباس سے، اپنے انداز سے، اپنے زیب و زینت اور اپنے بناؤ سنگھار سے دوسروں کو اپنی طرف مائل کرنے والی ہوں گی اور دوسروں کی طرف مائل ہونے والی ہوں گی۔

خدا کے لئے اس بات کو ذہن نشین کیجئے کہ یہ جو کچھ فتنے اور مصائب اور بدامنی اور بے چینی ہے، یہ حقیقت میں اس بات کا نتیجہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی کھلّم کھلاّ بغاوت ہو رہی ہے۔

کھلّم کھلاّ گناہ کرنے والے

ایک بات اور سمجھئے کہ گناہوں کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک گناہ وہ ہے جو انسان چوری چھپے تنہائی میں کر رہا ہے، علی الاعلان دوسروں کے سامنے نہیں کر رہا ہے اور کبھی کبھی اس کو گناہوں پر شرمندگی اور ندامت بھی ہو جاتی ہے اور توبہ کی بھی توفیق ہو جاتی ہے۔ لیکن دوسرا شخص علی الاعلان اور کھلّم کھلاّ دوسروں کے

سامنے گناہ کر رہا ہے اور اس پر فخر بھی کر رہا ہے کہ میں نے یہ گناہ کیا، یہ بڑی خطرناک بات ہے۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

کل امتی معافی الاالمجاھرین۔

(صحیح بخاری، کتاب الادب، باب سترالمومنین علی نفسه، حدیث نمبر ۶۰۶۹)

یعنی میری امّت میں جتنے گناہ کرنے والے ہیں، سب کی مغفرت کی توقع ہے، انشاء اللہ سب کی معافی ہو جائے گی، یا تو توبہ کی توفیق ہو جائے گی یا اللہ تعالیٰ ویسے ہی معاف فرما دیں گے، لیکن وہ لوگ جو ڈنکے کی چوٹ پر کھلّم کھلاّ علانیہ گناہ کرنے والے ہوں گے، اور اس گناہ پر کبھی شرمندہ نہ ہوتے ہوں گے، بلکہ اس گناہ پر فخر کرتے ہوں گے اور بلکہ اس گناہ کو ثواب سمجھ کر کرتے ہوں گے اور یہ کہتے ہوں گے کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں یہ درست ہے، اور اگر ان کو سمجھایا جائے تو اس پر بحث کرنے اور مناظرہ کرنے کو تیار ہو جاتے ہوں گے، اور کہتے ہوں گے کہ اس میں کیا حرج ہے؟ کیا ہم زمانے سے کٹ جائیں؟ کیا ہم دقیانوس ہو کر بیٹھ جائیں؟ اور ساری دنیا کے طعنے ہم اپنے سر لے لیں؟ کیا سوسائٹی سے کٹ کر بیٹھ جائیں؟ ایسے لوگوں کی مغفرت نہیں ہوگی۔

سوسائٹی کو چھوڑ دو

ارے یہ تو دیکھو کہ اگر سوسائٹی سے کٹ کر اللہ کے ہو جاؤ گے تو یہ کونسا مہنگا سودا ہے؟ ذرا غور تو کرو کہ یہ سوسائٹی کب تک تمہارا ساتھ دے گی؟ تمہیں

کہاں تک لے جائے گی؟ یاد رکھو کہ قبر میں جانے کے بعد تمہارے اعمال کے سوا کوئی تمہارا ساتھی نہیں ہوگا، اس وقت تم اپنی سوسائٹی کو مدد کے لئے پکارنا کہ تمہاری وجہ سے ہم یہ کام کر رہے تھے، اب آ کر ہماری مدد کرو، کیا اس وقت تمہاری سوسائٹی کے افراد میں سے کوئی آ کر تمہاری مدد کرے گا؟ اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھڑا سکے گا؟ اس وقت کے بارے میں قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ:

مَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ

(سورۃ البقرہ، آیت ۱۰۷)

یعنی اس وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی تمہارا ولی اور مددگار نہیں ہوگا جو تمہیں عذاب سے چھڑا سکے۔

نصیحت آموز واقعہ

قرآن کریم نے سورۂ صافات میں ایک شخص کا واقعہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس شخص کو جب جنّت میں پہنچا دیں گے اور جنّت کی ساری نعمتیں عطا فرما دیں گے، اس وقت اس کو اپنے ایک ساتھی اور دوست کا خیال آئے گا کہ معلوم نہیں اس کا کیا حال ہے؟ اس لئے کہ وہ دنیا کے اندر مجھے غلط کاموں پر اکسایا کرتا تھا اور مجھ سے بحث کیا کرتا تھا کہ آج کل کے حالات ایسے ہیں، ماحول ایسا ہے، سوسائٹی کے یہ تقاضے ہیں، وقت کے تقاضے یہ ہیں وغیرہ، تو ایسی باتیں کر کے مجھے ورغلایا کرتا تھا، اب ذرا اس کو میں دیکھوں تو وہ

کس حال میں ہے؟ چنانچہ وہ اس کو دیکھنے کے لئے جہنم کے اندر جھانکے گا۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ:

فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِیْنِ، وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ ۝

(سورۃ الصّٰفّٰت، آیت ۵۵ تا ۵۷)

جب وہ اس کو دیکھنے کے لئے جہنم کے اندر جھانکے گا تو اس ساتھی کو جہنم کے بیچوں بیچ دیکھے گا اور پھر اس کو مخاطب ہوکر اس سے کہے گا کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تو نے مجھے ہلاک ہی کر دیا تھا یعنی اگر میں تیرے کہنے میں آ جاتا، تیری بات مان لیتا اور تیری اتباع کرتا تو آج میرا بھی یہی حشر ہونا تھا جو حشر تیرا ہو رہا ہے۔ اور اگر میرے ساتھ میرے رب کا فضل اور اس کی رحمت شامل حال نہ ہوتی تو مجھے بھی اسی طرح دھر لیا گیا ہوتا جس طرح آج تجھے دھر لیا گیا ہے۔

ہم بیک ورڈ ہی سہی

بہرحال! اس سوسائٹی کے تقاضے یہاں پر تو بڑے خوش نما لگتے ہیں، لیکن اگر اس بات پر ایمان ہے کہ ایک دن مرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینا ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا ہے اور جنّت اور جہنم بھی کوئی چیز ہے، تو پھر خدا کے لئے اس سوسائٹی کی باتوں کو چھوڑو، اس کے ڈر اور خوف کو چھوڑو، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی طرف آؤ۔ اور یہ

سوسائٹی تمہیں جو طعنے دیتی ہے، ان طعنوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرو، اگر سوسائٹی یہ کہتی ہے کہ تم رجعت پسند ہو، تم دقیانوس ہو، تم بیک ورڈ (Bake World) ہو، تم زمانے کے ساتھ چلنا نہیں جانتے، تو ایک مرتبہ اس سوسائٹی کو خم ٹھوک کر اور کمر کس کر یہ جواب دے دو کہ ہم ایسے ہی ہیں، تم اگر ہمارے ساتھ تعلق رکھنا چاہتے ہو رکھو، نہیں رکھنا چاہتے تو مت رکھو۔ جب تک ایک مرتبہ یہ نہیں کہو گے، اس وقت تک یاد رکھو! یہ سوسائٹی تمہیں جہنم کی طرف لے جاتی رہے گی۔

یہ طعنے مسلمان کے لئے مبارک ہیں

حضرات انبیاء علیہم السلام کو بھی یہ طعنے دیئے گئے، صحابہ کرامؓ کو بھی یہ طعنے دیئے گئے، اور جو شخص بھی دین پر چلنا چاہتا ہے، اس کو یہ طعنے دیے جاتے ہیں۔ لیکن جب تک ان طعنوں کو اپنے لئے باعث فخر نہیں قرار دو گے، یاد رکھو! اس وقت تک کامیابی حاصل نہیں ہوگی۔ ایک روایت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

اکثروا ذکر اللہ حتّٰی یقولوا "مجنون"

(مسند احمد، ج ۳، ص ۶۸)

اللہ کی یاد اور ذکر اس حد تک کرو کہ لوگ تمہیں پاگل کہنے لگیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر سوسائٹی ایک طرف جا رہی ہے، زمانہ ایک طرف جا رہا ہے، اب تم اس کے بہاؤ پر بہنے کے بجائے اس کے بھاؤ کا رخ موڑنے کی کوشش کرو تو لوگ

تمہیں پاگل کہیں گے، چنانچہ آج اگر کوئی شخص دیانتداری اور امانت داری سے کوئی کام کرتا ہے تو لوگ اس کے بارے میں یہی کہتے ہیں کہ یہ پاگل ہے، اس کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ مثلاً آج اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ میں رشوت نہ لوں، رشوت نہ دوں، سود نہ کھاؤں، حرام کاموں سے اجتناب کروں، اور لباس کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے احکام پر عمل کروں، تو اس وقت سوسائٹی اس کو یہی کہے گی کہ اس کا دماغ خراب ہے، یہ پاگل ہے، حالانکہ جب سوسائٹی تمہیں یہ کہے کہ تم پاگل ہو، تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے تو یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بشارت ہے اور تمہارے لئے باعثِ فخر کلمہ ہے، اور یہ وہ لقب ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں دیا ہے۔ لہٰذا جس دن تمہیں دین کی وجہ سے کوئی شخص یہ کہہ دے کہ یہ پاگل ہے، اس دن خوشی مناؤ اور دو رکعت شکرانہ کی نفل ادا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے آج تمہیں اس مقام تک پہنچا دیا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مؤمن کے لئے فرمایا تھا، اس لئے اس سے ڈرنے اور گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مولانا ظفر علی خان مرحوم نے خوب کہا کہ:

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دوعالم سے خفا میرے لئے ہے

لہٰذا اگر ساری دنیا کے خفا ہونے کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے تمہارا تعلق جڑ جائے تو کیا یہ مہنگا سودا ہے؟ یہ دنیاوی زندگی معلوم نہیں کتنے دن کی زندگی ہے، یہ باتیں اور یہ طعنے سب ختم ہوکر رہ جائیں گے، اور جس دن تمہاری آنکھ

بند ہوگی اور وہاں تمہارا استقبال ہوگا، اس وقت تم دیکھنا کہ ان طعنہ دینے والوں کا کیا حشر ہوگا، اور یہ طعنے دینے والے جو آج تم پر ہنس رہے ہیں، قیامت کے دن یہ ہنسنے والے روئیں گے اور تم ان پر ہنسا کرو گے۔ لہٰذا ان سوسائٹی والوں سے کب تک صلح کرو گے، کب تک ان کے سامنے ہتھیار ڈالتے رہو گے، کب تک تم ان کے پیچھے چلو گے۔ لہٰذا جب تک ایک مرتبہ ہمّت کر کے ارادہ نہیں کرو گے، اس وقت تک چھٹکارا نہیں ملے گا۔ اور برہنگی کے لباس کا جو رواج چل پڑا ہے، ایک مرتبہ عزم کر کے اس کو ختم کرو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی ہمّت اور توفیق عطا فرمائے آمین۔ بہرحال، اللہ تعالیٰ نے لباس کا پہلا مقصد بیان فرمایا، وہ ہے ستر عورت، جو لباس ساتر نہیں، وہ حقیقت میں لباس ہی نہیں، وہ برہنگی ہے۔

لباس کا دوسرا مقصد

لباس کا دوسرا مقصد اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ ''ریشا'' یعنی ہم نے اس لباس کو تمہارے لئے زینت کی چیز اور خوبصورتی کی چیز بنائی۔ ایک انسان کی خوبصورتی لباس میں ہے، لہٰذا لباس ایسا ہونا چاہئے کہ جسے دیکھ کر انسان کو فرحت ہو، بدہیئت اور بے ڈھنگا نہ ہو جس کو دیکھ کر دوسروں کو نفرت اور کراہت ہو، بلکہ ایسا ہونا چاہئے جس کو پہن کر زینت کا فائدہ حاصل ہو سکے۔

اپنا دل خوش کرنے کیلئے قیمتی لباس پہننا

بعض اوقات دل میں یہ اشتباہ رہتا ہے کہ کیسا لباس پہنیں؟ اگر بہت قیمتی لباس پہن لیا تو یہ خیال رہتا ہے کہ کہیں اسراف میں داخل نہ ہو جائے؟ اگر معمولی لباس پہنیں تو کس درجے کا پہنیں؟

اللہ تعالیٰ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ اللہ تعالیٰ نے اس دور کے اندر ان سے ایسا عجیب کام لیا کہ آپ نے کوئی چیز پردہ خفا کے اندر نہیں چھوڑی، ہر ہر چیز کو دو اور دو چار کر کے بالکل واضح کر کے اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ چنانچہ آپ نے لباس کے بارے میں فرمایا کہ لباس ایسا ہونا چاہئے جو ساتر ہو اور ساتر ہونے کے ساتھ ساتھ اس سے تھوڑا سا آسائش کا مقصد بھی حاصل ہو، یعنی اس لباس کے ذریعے جسم کو راحت بھی حاصل ہو، آرام بھی حاصل ہو، ایسا لباس پہننے میں کوئی حرج نہیں۔ مثلاً پتلا لباس پہن لیا، اس خیال سے کہ جسم کو آرام ملے گا، اس میں کوئی حرج نہیں، شرعاً جائز ہے، شریعت نے اس پر کوئی پابندی عائد نہیں کی۔ اسی طرح اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے زیبائش کا لباس پہنے تو یہ بھی جائز ہے، مثلاً ایک کپڑا دس روپے گز ہے اور دوسرا کپڑا پندرہ روپے گز مل رہا ہے، اب اگر ایک شخص پندرہ روپے گز والا اس لئے خریدے کہ اس کے ذریعے میرے جسم کو آرام ملے گا یا اس وجہ سے کہ یہ کپڑا مجھے زیادہ اچھا لگتا ہے، اس کو پہننے سے میرا دل خوش ہوگا، اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنی وسعت دی ہے کہ میں دس روپے کے بجائے

پندرہ روپے گز والا کپڑا پہن سکتا ہوں، تو یہ اسراف میں داخل نہیں ہے اور گناہ بھی نہیں ہے، بلکہ شرعاً یہ بھی جائز ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں وسعت بھی دی ہے اور تم اپنا دل خوش کرنے کے لئے ایسا کپڑا پہن رہے ہو، اس لئے جائز ہے۔

مالدار کو اچھے کپڑے پہننا چاہئے

بلکہ جس شخص کی آمدنی اچھی ہو، اس کے لئے خراب قسم کا کپڑا اور بہت گھٹیا قسم کا لباس پہننا کوئی پسندیدہ بات نہیں، چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک صاحب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ وہ صاحب بہت بدہیئت قسم کا پرانا لباس پہنے ہوئے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صاحب سے پوچھا:

"الک مال؟ قال نعم، قال، من ای المال؟
قال قد اتانی اللہ من الابل والغنم والخیل
والرقیق، قال: فاذا اتاک اللہ مالا فلیر اثر نعمۃ
اللہ علیک وکرامتہ"

(ابوداؤد، کتاب اللباس، باب فی الخلقان وفی غسل الثوب، حدیث نمبر ۴۰۶۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: تمہارے پاس مال ہے؟ اس نے کہا ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تیرے پاس کس قسم کا مال ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر قسم کا مال

عطا فرمایا ہے یعنی اونٹ، بکریاں، گھوڑے اور غلام سب ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال دیا ہے تو اس کے انعامات کا کچھ اثر تمہارے لباس سے بھی ظاہر ہونا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تو سب کچھ دے رکھا ہے، لیکن فقیر اور گداگر کی طرح پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے ہیں، یہ تو ایک طرح سے اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اثر ظاہر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آرام کی خاطر اور اپنی آسائش یا زیبائش کی خاطر کوئی شخص اچھا اور قیمتی لباس پہن لے تو اس میں بھی کوئی گناہ نہیں، جائز ہے۔

حضور ﷺ کا قیمتی لباس پہننا

میں تو یہ کہتا ہوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بات جو مشہور ہوگئی کہ "کالی کملی والے" اس بات کو ہمارے شاعروں نے بہت مشہور کر دیا، یہ بات صحیح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ حیات طیبہ سادگی کی حالت میں بسر ہوئی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جس طرح یہ منقول ہے کہ آپ موٹا کپڑا زیب تن فرماتے تھے، اور جہاں یہ منقول ہے کہ آپ نے موٹی چادریں استعمال فرمائیں، اسی طرح آپ کے بارے میں یہ بھی منقول ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جبّہ زیب تن فرمایا جس کی قیمت دو ہزار دینار تھی، وجہ اس کی یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عمل شریعت کا حصّہ بنتا تھا، اس لئے ہم جیسے کمزوروں کے لئے یہ

بھی کر کے دکھا دیا کہ اگر تم اپنی جسمانی راحت اور آسائش کے لئے کوئی قیمتی لباس پہننا چاہتے ہو تو یہ بھی جائز ہے۔

نمائش اور دکھاوا جائز نہیں

لیکن اگر لباس پہننے سے نہ تو آسائش مقصود ہے اور نہ آرائش مقصود ہے، بلکہ نمائش اور دکھاوا مقصود ہے، تاکہ لوگ دیکھیں کہ ہم نے اتنا شاندار کپڑا پہنا ہوا ہے، اور اتنا اعلیٰ درجے کا لباس پہنا ہوا ہے، اور یہ دکھانا مقصود ہے کہ ہم بڑی دولت والے اور بڑے پیسے والے ہیں، اور دوسروں پر بڑائی جتانا اور دوسروں پر رعب جمانا مقصود ہے تو یہ سب باتیں نمائش میں داخل ہیں اور حرام ہیں، اس لئے کہ نمائش کی خاطر جو بھی لباس پہنا جائے وہ حرام ہے۔

یہاں شیخ کی ضرورت

ان دونوں باتوں میں بہت باریک فرق ہے کہ اپنا دل خوش کرنا مقصود ہے یا دوسروں پر اپنی بڑائی جتانا مقصود ہے، یہ کون فیصلہ کرے گا کہ یہ لباس اپنا دل خوش کرنے کے لئے پہنا ہے یا دوسروں پر بڑائی جتانے کے لئے پہنا ہے؟ یہ فیصلہ کرنا ہر ایک کے بس کا کام نہیں۔ اس مقصد کے لئے کسی مصلح اور رہنما کی ضرورت پڑتی ہے، وہ ان دونوں کے درمیان فرق کر کے بتا دیتا ہے کہ اس وقت جو کپڑے تم پہن رہے ہو اور یہ کہہ رہے ہو کہ اپنا دل خوش کرنے کے لئے پہن رہا ہوں، یہ دراصل شیطان کا دھوکا ہے، حقیقت میں ان کپڑوں کے پہننے کا

مقصد دوسروں پر بڑائی ظاہر کرنا ہے۔ اور بعض اوقات اس کے برعکس بھی ہو جاتا ہے۔ بہرحال! کسی شیخ کی ضرورت ہے۔اور یہ پیری مریدی درحقیقت اسی کام کے لئے ہوتی ہے کہ اس قسم کے کاموں میں اس سے رہنمائی حاصل کی جائے کہ اس وقت میرے ساتھ یہ صورت حال ہے، بتائیے کہ اس وقت ایسے کپڑے پہنوں یا نہ پہنوں؟ وہ شیخ بتاتا ہے کہ اس وقت ایسے کپڑے پہنو اور اس وقت مت پہنو۔ نمائش اور آسائش میں یہ باریک فرق ہے۔ دنیا کے جتنے کام ہیں، چاہے وہ لباس ہو، یا کھانا ہو، یا جوتے ہوں، یا مکان ہو، ان سب میں یہ اصول کارفرما ہے جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرما دیا ہے۔ یہ بڑا زرّین اصول ہے۔

اسراف اور تکبر سے بچئے

اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا اصولی ارشاد ہے کہ:

"کل ماشئت والبس ماشئت
ما اخطئتك اثنتان : سرف ومخیلة"

(صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب نمبر ۱)

یعنی جو چاہو کھاؤ اور جو چاہو پہنو، لیکن دو چیزوں سے پرہیز کرو: ایک اسراف سے اور دوسرے تکبر سے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح کا کپڑا چاہو پہنو، تمہارے لئے یہ جائز ہے، لیکن اسراف نہ ہو، اور اسراف اسی وقت ہوتا ہے جب آدمی نمائش کے لئے کپڑا پہنتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ جس کپڑے کو پہن

کر تکبر پیدا ہو، اس سے بچو۔ لیکن کون سے کپڑے سے اسراف ہوگیا اور کون سے کپڑے سے تکبر پیدا ہوگیا، اس کے لئے کسی شیخ کی ضرورت ہوتی ہے، وہ بتاتا ہے کہ یہاں تکبر ہوگیا اور یہاں اسراف ہوگیا۔ بہرحال، میں یہ عرض کر رہا تھا کہ لباس کا دوسرا مقصد ہے زینت، لیکن اس زینت کی حدود ہیں، بس ان حدود شریعت کے اندر رہ کر جتنی زینت کر سکتے ہو، اس کو اختیار کرلو، لیکن اگر ان حدود سے باہر نکل کر زینت اختیار کروگے تو یہ حرام ہوگی اور ناجائز ہوگی۔

فیشن کے پیچھے نہ چلیں

آج کل عجیب مزاج بن گیا ہے کہ اپنی پسند یا ناپسند کا کوئی معیار نہیں، بس جو فیشن چل گیا وہ پسند ہے، اور جو چیز فیشن سے باہر ہوگئی وہ ناپسند ہے، ایک زمانے میں ایک چیز کا فیشن چل رہا ہے تو اب اس کو پسند کیا جانے لگا اور اس کی تعریف کی جانے لگی کہ یہ بہت اچھی چیز ہے اور جب اس کا فیشن نکل گیا تو اب اسی کی برائی شروع ہوگئی۔ مثلاً ایک زمانے میں لمبی اور نیچی قمیص کا فیشن چل گیا تو اب جس کو بھی دیکھو وہ لمبی قمیص پہن رہا ہے اور اس کے فضائل بیان کر رہا ہے اور اس کی تعریف کر رہا ہے کہ یہ بہت اچھی چیز ہے اور جب اونچی قمیص پہننے کا فیشن چل پڑا تو اب اونچی قمیص کی تعریف ہو رہی ہے اور اس کو پسندیدہ قرار دیا جا رہا ہے۔ یہ فیشن کے تابع ہوکر خوبصورتی اور بدصورتی کا تعین صحیح نہیں، بلکہ اپنے آپ کو جو چیز اچھی لگے اور اپنے خیال کو جو چیز خوبصورت لگے، اس کو پہننے کی شریعت کی طرف سے اجازت ہے۔

مَن بھاتا کھاؤ، مَن بھاتا پہنو

ہمارے یہاں ہندی میں ایک مقولہ مشہور تھا کہ ''کھائے من بھاتا اور پہنے جگ بھاتا'' یعنی کھائے تو وہ چیز جو اپنے مَن کو بھائے، اپنے دل کو اچھی لگے، اپنا دل اس سے خوش ہو اور اپنے آپ کو پسند ہو۔ لیکن لباس وہ پہنے جو جگ کو بھائے۔ جگ سے مراد زمانہ، یعنی جو زمانے کے لوگوں کو پسند ہو، زمانے کے لوگ جس کو پسند کریں اور ان کی آنکھوں کو اچھا لگے۔ یہ کہاوت مشہور ہے، لیکن یہ اسلامی اصول نہیں، اسلامی اصول یہ ہے کہ پہنے بھی مَن بھاتا اور کھائے بھی مَن بھاتا، اور ''جگ بھاتا'' والی بات نہ لباس میں درست ہے اور نہ کھانے میں درست ہے، بلکہ شریعت نے تو یہ کہا ہے کہ اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے حدود شریعت میں رہتے ہوئے جو بھی لباس استعمال کرو، وہ جائز ہے، لیکن فیشن کی اتباع میں لوگوں کو دکھانے کے لئے اور نمائش کے لئے کوئی لباس استعمال کر رہے ہو تو وہ جائز نہیں۔

خواتین اور فیشن پرستی

اس معاملے میں آج کل خاص طور پر خواتین کا مزاج قابل اصلاح ہے۔ خواتین یہ سمجھتی ہیں کہ لباس اپنے لئے نہیں بلکہ دوسروں کے لئے ہے، اس لئے لباس پہن کر اپنے دل کو خوش کرنے کا معاملہ بعد کا ہے، اصل یہ ہے کہ دیکھنے والے اس لباس کو دیکھ کر اس کو فیشن کے مطابق قرار دیں اور اس کی

تعریف کریں، اور ہمارا لباس دیکھ کر لوگ یہ سمجھیں کہ یہ بڑے لوگ ہیں۔ یہ باتیں عورتوں میں بہت زیادہ پائی جاتی ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ عورتیں اپنے گھر میں اپنے شوہروں کے سامنے تو میلی کچیلی رہیں گی اور اچھا لباس پہننے کا خیال بھی نہیں آئے گا، لیکن جہاں کہیں گھر سے باہر نکلنے کی نوبت آ گئی یا کسی تقریب میں شرکت کی نوبت آ گئی تو پھر اس کے لئے اس بات کا اہتمام کیا جا رہا ہے کہ وہ لباس فیشن کے مطابق ہو اور اس کے پہننے کے نتیجے میں وہ لوگ ہمیں دولت مند سمجھیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر ایک لباس ایک تقریب کے اندر پہن لیا تو اب وہ لباس دوسری تقریب کے اندر نہیں پہنا جا سکتا، اب وہ لباس حرام ہو گیا، اس لئے کہ اگر وہی لباس پہن کر دوسری تقریب میں چلے گئے تو دوسری خواتین یہ سمجھیں گی کہ ان کے پاس تو ایک ہی جوڑا ہے، سب جگہ وہی ایک جوڑا پہن کر آ جاتی ہیں، جس کی وجہ سے ہماری بے عزتی ہو جائے گی۔ درحقیقت ان باتوں کے پس پردہ نمائش کا جذبہ ہے اور یہ نمائش کا جذبہ ممنوع ہے، البتہ نمائش کے ارادے اور اہتمام کے بغیر کوئی خاتون اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے آج ایک جوڑا پہن لے اور کل کو دوسرا جوڑا پہن لے، اور اللہ تعالیٰ نے عطا بھی فرمایا ہے، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

حضرت امام مالکؒ اور نئے جوڑے

ہمارے بزرگوں میں بھی ایسے لوگ گزرے ہیں جو بہت اچھا اور عمدہ لباس پہنا کرتے تھے، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا نام آپ نے سنا ہوگا،

جو بڑے درجے کے امام گزرے ہیں، مدینہ طیبہ کے رہنے والے، امام دارالھجرۃ، ان کے بارے میں ایک جگہ لکھا ہوا دیکھا کہ وہ ہر روز ایک نیا جوڑا پہنا کرتے تھے، گویا کہ ان کے لئے سال میں تین سو ساٹھ جوڑے بنتے تھے، اور جو جوڑا ایک دن پہنا، وہ دوبارہ بدن پر نہیں آتا تھا، دوسرے دن دوسرا جوڑا تیسرے دن تیسرا جوڑا۔ کسی کو خیال آیا کہ ہر روز نیا جوڑا پہننا تو اسراف ہے، چنانچہ اس نے آپ سے کہا کہ حضرت یہ روزانہ نیا جوڑا پہننا تو اسراف میں داخل ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں کیا کروں، بات دراصل یہ ہے کہ جب سال شروع ہوتا ہے تو میرا ایک دوست تین سو ساٹھ جوڑے سلوا کر میرے گھر لے آتا ہے، اور یہ کہتا ہے کہ یہ آپ کا روز کا ایک جوڑا ہے، اب میں نے خود سے تو اس بات کا اہتمام نہیں کیا کہ روزانہ ایک نیا جوڑا پہنوں، اگر میں ان جوڑوں کو واپس کردوں تو اس کی دل شکنی ہوتی ہے، اور اگر نہ پہنوں تو بھی اس کا مقصد حاصل نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس کا ہدیہ دینے کا مقصد یہ ہے کہ میں روزانہ نیا جوڑا پہنوں، اس لئے میں روزانہ ایک جوڑا بدلتا ہوں، اور اس کو اتارنے کے بعد کسی مستحق کو دے دیتا ہوں، جس کی وجہ سے بہت سے اللہ کے بندوں کا بھلا ہو جاتا ہے۔ بہرحال! ان کا روزانہ نیا جوڑا پہننا دکھاوے کے لئے نہیں تھا بلکہ جس نے ہدیہ دیا تھا اس کا دل خوش کرنے کی خاطر تھا۔

حضرت تھانویؒ کا ایک واقعہ

ایک بڑا عجیب وغریب واقعہ یاد آ گیا، یہ واقعہ میں نے اپنے والد ماجد

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے، بڑا سبق آموز واقعہ ہے، وہ یہ کہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی دو اہلیہ تھیں، ایک بڑی اور ایک چھوٹی، دونوں کو حضرت والا سے بہت تعلق تھا، لیکن بڑی پیرانی صاحبہ پرانے وقتوں کی تھیں اور حضرت والا کو زیادہ سے زیادہ آرام پہنچانے کی فکر میں رہتی تھیں، عید آنے والی تھی، بڑی پیرانی صاحبہ کے دل میں خیال آیا کہ حضرت والا کے لئے کسی عمدہ اور اچھے کپڑے کا اچکن بنایا جائے۔ اس زمانے میں ایک کپڑا چلا کرتا تھا، جس کا نام تھا ''آنکھ کا نشہ'' یہ بڑا شوخ قسم کا کپڑا ہوتا تھا۔ اب حضرت والا سے پوچھے بغیر کپڑا خرید کر اس کا اچکن سینا شروع کر دیا، اور حضرت والا کو اس خیال سے نہیں بتایا کہ اچکن سلنے کے بعد جب اچانک میں ان کو پیش کروں گی تو اچانک ملنے سے خوشی زیادہ ہوگی، اور سارا رمضان اس کے سینے میں مشغول رہیں، اس لئے کہ اس زمانے میں مشین کا رواج تو تھا نہیں، ہاتھ سے سلائی ہوتی تھی، چنانچہ جب وہ سل کر تیار ہو گیا تو عید کی رات کو وہ اچکن حضرت والا کی خدمت میں پیش کر کے کہا کہ میں نے آپ کے لئے یہ اچکن تیار کیا ہے، میرا دل چاہ رہا ہے کہ آپ اس کو پہن کر عیدگاہ جائیں اور عید کی نماز پڑھیں۔ اب کہاں حضرت والا کا مزاج اور کہاں وہ شوخ اچکن، وہ تو حضرت والا کے مزاج کے بالکل خلاف تھا۔ لیکن حضرت فرماتے ہیں کہ اگر میں پہننے سے انکار کروں تو ان کا دل ٹوٹ جائے گا، اس لئے کہ انہوں نے تو پورا رمضان اس کے سینے میں محنت کی اور محبّت سے محنت کی، اس لئے آپ نے ان کا دل رکھنے کے لئے فرمایا کہ تم نے تو یہ ماشاء اللہ

بڑا اچھا اچکن بنایا ہے، اور پھر آپ نے وہ اچکن پہنا اور عیدگاہ میں پہنچے اور نماز پڑھائی، جب نماز سے فارغ ہوئے تو ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور کہا کہ حضرت! آپ نے یہ جو اچکن پہنا ہے، یہ آپ کو زیب نہیں دیتا، اس لئے کہ یہ بہت شوخ قسم کا اچکن ہے، حضرت نے جواب میں فرمایا کہ ہاں بھائی! تم بات تو ٹھیک کہہ رہے ہو، اور یہ کہہ کر پھر آپ نے وہ اچکن اتارا اور اسی شخص کو دے دیا کہ یہ تمہیں ہدیہ ہے، اس کو تم پہن لو۔

دوسرے کا دل خوش کرنا

اس کے بعد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سنایا کہ جس وقت میں یہ اچکن پہن کر عیدگاہ کی طرف جا رہا تھا، تو کچھ نہ پوچھو کہ اس وقت میرا دل کتنا کٹ رہا تھا، اس لئے کہ ساری عمر اس قسم کا شوخ لباس کبھی نہیں پہنا، لیکن دل میں اس وقت یہ نیت تھی کہ جس اللہ کی بندی نے محنت کے ساتھ اس کو سیا ہے، اس کا دل خوش ہو جائے تو اس کا دل خوش کرنے کے لئے اپنے اوپر یہ مشقت برداشت کر لی، اور اس کے پہننے پر طعنے بھی سہے، اس لئے کہ لوگوں نے اس کے پہننے پر طعنے بھی دیئے کہ کیسا لباس پہن کر آ گئے، لیکن گھر والوں کا دل خوش کرنے کے لئے یہ کام کر لیا۔

بہرحال! انسان اچھے سے اچھا لباس اپنا دل خوش کرنے کے لئے پہنے، اپنے گھر والوں کا دل خوش کرنے کے لئے پہنے، اور کسی ہدیہ اور تحفہ دینے والے

کا دل خوش کرنے کے لئے پہنے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن اچھا لباس اس مقصد کے لئے پہننا تا کہ لوگ مجھے بڑا سمجھیں، میں فیشن ایبل نظر آؤں، میں دنیا والوں کے سامنے بڑا بن جاؤں، اور نمائش اور دکھاوے کے لئے پہنے تو یہ عذاب کی چیز ہے اور حرام ہے، اس سے بچنا چاہئے۔

لباس کے بارے میں تیسرا اصول

لباس کے بارے میں شریعت نے جو تیسرا اصول بیان فرمایا، وہ ہے "تشبّہ سے بچنا" یعنی ایسا لباس پہننا جس کو پہن کر انسان کسی غیر مسلم قوم کا فرد نظر آئے، اور اس مقصد سے وہ لباس پہنے تا کہ میں ان جیسا ہو جاؤں، اس کو شریعت میں تشبّہ کہتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ کسی غیر مسلم قوم کی نقالی کی نیت سے کوئی لباس پہننا، اس سے قطع نظر کہ وہ چیز ہمیں پسند ہے یا نہیں، وہ اچھی ہے یا بری، لیکن چونکہ فلاں قوم کی نقالی کرنی ہے، بس ان کی نقالی کے پیش نظر اس لباس کو اختیار کیا جا رہا ہے، اس کو "تشبّہ" کہا جاتا ہے۔ اس نقالی پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی سخت وعید ارشاد فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ:

من تشبہ بقوم فھو منھم

(ابو داؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشھرہ، حدیث نمبر ۴۰۳۱)

یعنی جو شخص کسی قوم کے ساتھ تشبّہ اختیار کرے، اس کی نقالی کرے، اور ان جیسا بننے کی کوشش کرے، تو وہ انہیں میں سے ہے، گویا کہ وہ مسلمانوں میں

سے نہیں ہے، اسی قوم کا ایک فرد ہے، اس لئے کہ یہ شخص انہی کو پسند کر رہا ہے، انہی سے محبّت رکھتا ہے، انہی جیسا بننا چاہتا ہے، تو اب اس کا حشر بھی انہی کے ساتھ ہوگا، اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے۔ آمین۔

''تشبّہ'' کی حقیقت

تشبّہ کے بارے میں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ یہ ''تشبّہ'' کب پیدا ہوتی ہے اور کب اس کی ممانعت آتی ہے؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی ایسے کام میں دوسری قوم کی نقالی کرنا جو فی نفسہ برا کام ہے اور شریعت کے اصول کے خلاف ہے، ایسے کام میں نقالی تو حرام ہی ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ کام اگرچہ فی نفسہ تو برا نہیں ہے بلکہ مباح ہے، لیکن یہ شخص اس غرض سے وہ کام کر رہا ہے کہ میں ان جیسا نظر آؤں اور دیکھنے میں ان جیسا لگوں اور اہتمام کر کے ان جیسا بننے کی کوشش کر رہا ہے، تو اس صورت میں وہ مباح کام بھی حرام اور ناجائز ہو جاتا ہے۔

گلے میں زنّار ڈالنا

مثلاً ہندو اپنے گلے میں زنّار ڈالا کرتے ہیں، اب یہ زنّار ایک طرح کا ہار ہی ہوتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان ویسے ہی اتفاقاً ڈال لے تو کوئی گناہ کا کام نہیں ہے، ناجائز اور حرام کام نہیں ہے بلکہ مباح ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس مقصد کے لئے اپنے گلے میں ''زنّار'' ڈال رہا ہے تاکہ میں ان جیسا لگوں تو یہ

ناجائز اور حرام ہے اور "تشبّہ" میں داخل ہے۔

ماتھے پر قشقہ لگانا

یا مثلاً ہندو عورتیں اپنے ماتھے پر سرخ قشقہ لگاتی ہیں، اب اگر بالفرض ہندو عورتوں میں اس طرح قشقہ لگانے کا رواج نہ ہوتا اور کوئی مسلمان عورت خوبصورتی اور زینت کے لئے لگاتی تو یہ کام فی نفسہ مباح تھا، کوئی ناجائز اور حرام نہیں تھا، لیکن اب اگر ایک عورت قشقہ اس لئے لگا رہی ہے تاکہ میں ان کا فیشن اختیار کروں اور ان جیسی نظر آؤں، تو اس صورت میں یہ قشقہ لگانا حرام ہے اور ناجائز ہے۔ ہندوستان میں مسلمان عورتیں تو ان کی مشابہت اختیار کرنے کیلئے یہ قشقہ لگاتی ہیں، لیکن اب سنا ہے کہ یہاں پاکستان میں بھی عورتوں میں قشقہ لگانے کا رواج شروع ہوگیا ہے، حالانکہ یہاں ہندو عورتوں کے ساتھ معاشرت بھی نہیں ہے، اس کے باوجود مسلمان خواتین اپنے ماتھے پر یہ قشقہ لگاتی ہیں تو یہ ان کے ساتھ "تشبّہ" اختیار کرنا ہے، جو حرام اور ناجائز ہے۔ لہٰذا کوئی عمل جو اگرچہ فی نفسہ جائز اور مباح ہو، مگر اس کے ذریعہ دوسری قوموں کے ساتھ مشابہت پیدا کرنا مقصود ہو اس کو "تشبّہ" کہتے ہیں، جس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ناجائز اور حرام قرار دیا ہے۔

پتلون پہننا

اسی مندرجہ بالا اصول کی بنیاد پر یہ کہا جائے گا کہ جو لباس کسی بھی قوم کا

شعار بن چکا ہے، یعنی وہ لباس اس قوم کی امتیازی علامت بن چکا ہے، اگر ان کی نقالی کی غرض سے ایسا لباس اختیار کیا جائے گا تو وہ حرام اور ناجائز ہوگا اور گناہ ہوگا۔ مثلاً آج کل مردوں میں کوٹ پتلون کا رواج چل پڑا ہے اس میں بعض باتیں تو فی نفسہ بھی ناجائز ہیں، چاہے اس میں تشبّہ پایا جائے یا نہ پایا جائے، چنانچہ ایک خرابی تو یہ ہے کہ یہ پتلون ٹخنوں سے نیچے پہنی جاتی ہے، اور کوئی لباس بھی مردوں کے لئے ٹخنوں سے نیچے پہننا جائز نہیں۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ اگر پتلون ایسی چست ہو کہ اس کی وجہ سے اعضا نمایاں ہوں، تو پھر لباس کا جو بنیادی مقصد تھا، یعنی ''ستر'' کرنا، وہ حاصل نہ ہوا تو پھر وہ لباس شرعی لحاظ سے بے معنی اور بے کار ہے۔ لہٰذا ان دو خرابیوں کی وجہ سے فی نفسہ پتلون پہننا جائز نہیں، لیکن اگر کوئی شخص اس بات کا اہتمام کرے کہ وہ پتلون چست نہ ہو، بلکہ ڈھیلی ڈھالی ہو، اور اس کا اہتمام کرے کہ وہ پتلون ٹخنوں سے نیچے نہ ہو تو ایسی پتلون پہننا فی نفسہ مباح ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص پتلون اس مقصد سے پہنے تاکہ میں انگریز نظر آؤں، اور میں ان کی نقالی کروں اور ان جیسا بن جاؤں، تو اس صورت میں پتلون پہننا حرام اور ناجائز ہے اور ''تشبّہ'' میں داخل ہے، لیکن اگر نقالی مقصود نہیں ہے اور اس بات کا بھی اہتمام کر رہا ہے کہ پتلون ٹخنوں سے اونچی ہو اور ڈھیلی ہو، تو ایسی صورت میں اس کے پہننے کو حرام تو نہیں کہیں گے، لیکن فی نفسہ اس پتلون کا پہننا پھر بھی اچھا نہیں اور کراہت سے خالی نہیں۔ کیوں؟ اس بات کو ذرا غور سے سمجھ لیں۔

تشبّہ اور مشابہت میں فرق

وہ یہ کہ یہ دو چیزیں الگ الگ ہیں، ایک ہے "تشبّہ" اور ایک ہے "مشابہت" دونوں میں فرق ہے۔ "تشبّہ" کے معنی تو یہ ہیں کہ آدمی ارادہ کرکے نقالی کرے، اور ارادہ کرکے ان جیسا بننے کی کوشش کرے، یہ تو بالکل ہی ناجائز ہے۔ دوسری چیز ہے "مشابہت" یعنی اس جیسا بننے کا ارادہ تو نہیں کیا تھا، لیکن اس عمل سے ان کے ساتھ مشابہت خود بخود پیدا ہوگئی۔ یہ "مشابہت" جو خود بخود پیدا ہو جائے حرام تو نہیں، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا ضرورت مشابہت پیدا ہونے سے بھی بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔ فرمایا کہ اس کی کوشش کرو کہ ان سے امتیاز رہے، مسلمان قوم اور مسلمان ملّت کا ایک امتیاز ہونا چاہئے، ایسا نہ ہو کہ دیکھ کر پتہ نہ چلے کہ یہ آدمی مسلمان ہے یا نہیں، سر سے لے کر پاؤں تک اپنا حلیہ ایسا بنا کر رکھا ہے کہ دیکھ کر یہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ یہ مسلمان ہے یا نہیں، اس کو سلام کریں یا نہ کریں، مباحات کے ذریعہ بھی ایسا حلیہ بنانا پسندیدہ نہیں۔

حضور ﷺ کا مشابہت سے دور رہنے کا اہتمام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "مشابہت" سے بچنے کا اتنا اہتمام فرمایا کہ محرم کی دس تاریخ کو عاشورہ کے دن روزہ رکھنا بڑی فضیلت کا کام ہے، اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لائے تو ابتداء

میں عاشورہ کا روزہ فرض تھا، اور رمضان کے روزے اس وقت تک فرض نہیں ہوئے تھے، اور جب رمضان کے روزے فرض ہوگئے تو عاشورہ کے روزے کی فرضیت منسوخ ہوگئی، اب فرض تو نہ رہا، البتہ نفل اور مستحب بن گیا۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہوا کہ یہودی بھی عاشورہ کے دن روزہ رکھتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اگر مسلمان عاشورہ کے دن روزہ رکھیں گے تو وہ یہودیوں کی نقالی میں تو نہیں رکھیں گے، وہ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں رکھیں گے۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر آئندہ سال میں زندہ رہا تو عاشورہ کے ساتھ ایک روزہ اور ملا کر رکھوں گا، یا نویں تاریخ کا روزہ یا گیارہویں تاریخ کا روزہ، تاکہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت پیدا نہ ہو، بلکہ ان سے علیحدگی اور امتیاز ہو جائے۔ (مسند احمد، ج۱، ص ۲۳۶)

اب دیکھئے کہ روزے جیسی عبادت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشابہت پیدا ہونے کو پسند نہیں فرمایا، اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب عاشورہ کا روزہ رکھو تو اس کے ساتھ یا تو نویں تاریخ کا روزہ ملا لو یا گیارہویں تاریخ کا روزہ ملا لو، تاکہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت بھی پیدا نہ ہو۔ لہٰذا "تشبہ" تو حرام ہے، لیکن "مشابہت" پیدا ہو جانا بھی کراہت سے خالی نہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی بچنے کی تلقین فرمائی ہے۔

مشرکین کی مخالفت کرو

ایک حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"خالفوا المشرکین"

(صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب تقلیم الاظفار، حدیث نمبر ۵۸۹۲)

مشرکین کے طریقوں کی مخالفت کرو۔ یعنی انہوں نے جیسے طریقے اختیار کئے ہیں، تم ان سے الگ اپنا طریقہ بناؤ۔ چنانچہ ایک حدیث میں فرمایا:

"فرق ما بیننا و بین المشرکین العمائم علی القلانس"

(ابو داؤد: کتاب اللباس، باب فی العمائم، حدیث نمبر ۴۰۷۸)

یعنی ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق ٹوپی پر عمامہ پہننا ہے، یعنی یہ مشرکین عمامے کے نیچے ٹوپیاں نہیں پہنتے ہیں، تم ان کی مخالفت کرو اور عمامے کے نیچے ٹوپی بھی پہنا کرو۔ حالانکہ بغیر ٹوپی کے عمامہ پہننا کوئی ناجائز اور حرام نہیں، لیکن ذرا سی مشابہت سے بچنے کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم فرمایا کہ عمامے کے نیچے ٹوپی پہنو، تاکہ اشتباہ لازم نہ آئے، لہٰذا بلاوجہ کسی دوسری قوم کی مشابہت اختیار کرنا اچھا نہیں ہے، آدمی اس سے جتنا بچے بہتر ہے۔ اس لئے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس کا بہت اہتمام فرماتے تھے کہ دوسری قوموں کی مشابہت پیدا نہ ہو۔

مسلمان ایک ممتاز قوم ہے

سوچنے کی بات ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے تم کو ایک الگ قوم بنایا اور اپنے گروہ میں شامل فرما کر تمہارا نام ''حزب اللہ'' رکھا، یعنی اللہ کا گروہ، ساری دنیا ایک طرف اور تم ایک طرف۔ قرآن کریم نے بیان فرمایا کہ بنیادی طور پر پوری دنیا میں دو جماعتیں ہیں، چنانچہ فرمایا کہ:

"خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ"

(سورۃ التغابن، آیت ۲)

یعنی دو جماعتیں ہیں: ایک کافر اور ایک مؤمن، اس لئے مؤمن کو کبھی کافر کی جماعت کے ساتھ مخلوط نہ ہونا چاہئے، اس کا امتیاز ہونا چاہئے اس کے لباس میں، اس کی پوشاک میں، اس کی وضع قطع میں، اس کے اٹھنے بیٹھنے میں، اس کے طریق ادا میں، ہر چیز میں اسلامی رنگ نمایاں ہونا چاہئے، اب اگر مسلمان دوسروں کا طریقہ اختیار کرلے تو اس کے نتیجے میں وہ امتیاز مٹ جائے گا۔

اب آج دیکھ لو کہ یہ جو طریقہ چل پڑا ہے کہ سب کا لباس ایک جیسا ہے، اگر تم کسی مجمع میں جاؤ گے تو یہ پتہ لگانا مشکل ہوگا کہ کون مسلمان ہے اور کون مسلمان نہیں ہے، نہ لباس سے پتہ لگا سکتے ہیں، نہ پوشاک سے، اور نہ کسی اور انداز سے، اب اس کو سلام کریں یا نہ کریں؟ اور اس سے کس قسم کی باتیں کریں؟ لہٰذا ان خرابیوں کے سدِّ باب کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تشبہ سے بھی بچو، اس لئے کہ وہ تو بالکل ہی حرام ہے، اور

''مشابہت'' سے بھی بچو، اور یہ مشابہت بھی کراہت سے خالی نہیں ہے اور پسندیدہ بھی نہیں ہے۔

یہ بے غیرتی کی بات ہے

یہ کتنی بے غیرتی کی بات ہے کہ انسان ایک ایسی قوم کا لباس پسند کر کے اس کو اختیار کرے جس قوم نے تمہیں ہر طریقے سے غلامی کی چکی میں پیسا، تمہارے اوپر ظلم وستم توڑے، تمہارے خلاف سازشیں کیں، تمہیں موت کے گھاٹ اتارا، اور ظلم وستم کا کوئی طریقہ ایسا نہیں ہے جو اس نے فروگذاشت کر دیا ہو، اب تم ایسی قوم کے طریقوں کو عزت اور تکریم کے ساتھ اختیار کرو، یہ کتنی بے غیرتی کی بات ہے۔

انگریزوں کی تنگ نظری

لوگ ہمیں یہ کہتے ہیں کہ آپ جو اس قسم کا لباس پہننے سے منع کرتے ہیں، یہ تنگ نظری کی بات ہے۔ اور ایسی بات کہنے والوں کو تنگ نظر کہا جاتا ہے، حالانکہ جس قوم کا لباس تم اختیار کر رہے ہو، اس کی تنگ نظری اور اس کی مسلمان دشمنی کا عالم یہ ہے کہ جب اس نے ہندوستان پر قبضہ کیا تو ہمارے مغل مسلمان بادشاہوں کا جو لباس تھا، یعنی عمامہ اور خاص شلوار قمیص، اس نے وہ لباس اپنے خانساموں کو پہنایا، اپنے بیروں کو پہنایا، اپنے چوکیداروں کو پہنایا، اور اس نے ان کو یہ لباس پہننے پر مجبور کیا۔ ایسا کیوں کیا؟ صرف مسلمانوں کو

ذلیل کرنے کے لئے اور یہ دکھانے کے لئے کہ دیکھو! ہم نے تمہارے بادشاہوں کا لباس اپنے نوکروں کو، اپنے خانساموں کو اور اپنے بیروں کو پہنایا۔ اس قوم کی تنگ نظری کا تو یہ عالم ہے اور ماشاء اللہ ہماری فراخی قلب کا یہ عالم ہے کہ ہم ان کا لباس بڑے فخر سے اور بڑے ذوق وشوق سے پہننے کے لئے تیار ہیں۔ اب اگر ان سے کوئی کہے کہ یہ لباس پہننا غیرت کے خلاف ہے تو اس کو کہا جاتا ہے کہ تو تنگ نظر ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

بہرحال! اس میں شرعی قباحت کے علاوہ بڑی بے غیرتی کی بھی بات ہے۔

تم اپنا سب کچھ بدل ڈالو، لیکن

یہ بات بھی خوب سمجھ لو کہ تم کتنا ہی ان کا لباس پہن لو، اور کتنا ہی ان کا طریقہ اختیار کرلو، مگر تم پھر بھی ان کی نگاہ میں عزت نہیں پاسکتے، قرآن کریم نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ:

"وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ"

(سورۃ البقرۃ، آیت ۱۲۰)

یہ یہود اور نصاریٰ تم سے کبھی بھی راضی نہیں ہوں گے جب تک تم ان کی ملّت کو اختیار نہیں کرلو گے، ان کے نظریات، ان کے ایمان، ان کے دین کو اختیار

نہیں کرلو گے، اس وقت تک وہ تم سے راضی نہیں ہوں گے۔ لہٰذا اب تم اپنا لباس بدل لو، پوشاک بدل لو، سراپا بدل لو، جسم بدل لو، جو چاہو بدل لو، لیکن وہ تم سے راضی ہونے کو تیار نہیں۔

چنانچہ تم نے تجربہ کرلیا اور سب کچھ کر کے دیکھ لیا، سب کچھ ان کی نقالی پر فنا کر کے دیکھ لیا، سر سے لے کر پاؤں تک تم نے اپنے آپ کو بدل لیا، کیا تم سے وہ لوگ خوش ہوگئے؟ کیا تم سے راضی ہوگئے؟ کیا تمہارے ساتھ انہوں نے ہمدردی کا برتاؤ شروع کردیا؟ بلکہ آج بھی ان کی دشمنی کا وہی عالم ہے، اور اس لباس کی وجہ سے ان کے دل میں تمہاری عزت کبھی پیدا نہیں ہوسکتی۔

اقبال مرحوم کا مغربی زندگی پر تبصرہ

اقبال مرحوم نے نثر کے انداز میں تو بہت گڑبڑ باتیں بھی کی ہیں، لیکن اشعار میں بعض اوقات بڑی حکمت کی باتیں کہہ دیتے ہیں۔ چنانچہ مغربی لباس اور مغربی طرز زندگی وغیرہ پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا ہے کہ:

قوت مغرب نہ از چنگ و رباب
نے ز رقصِ دخترانِ بے حجاب
نے ز سحر ساحران لالہ روس
نے ز عریاں ساق، نے از قطع موش

یعنی مغربی ممالک کے اندر جو قوت نظر آرہی ہے، وہ اس چنگ و رباب کی وجہ سے نہیں، موسیقی اور گانوں کی وجہ سے نہیں، اور لڑکیوں کے بے پردہ ہونے

اوران کے ناچنے گانے کی وجہ سے بھی نہیں ہے اور یہ ترقی اس وجہ سے نہیں ہے کہ ان کی عورتوں نے سر کے بال کاٹ کر پٹھے بنالئے ، اور نہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اپنی پنڈلیاں ننگی کرلیں۔ آگے کہتے ہیں کہ:

قوتِ افرنگ از علم و فن است

از ہمیں آتشِ چراغش روشن است

یعنی جو کچھ قوت ہے وہ ان کی محنت کی وجہ سے ہے، علم و ہنر کی وجہ سے ہے، اور اسی وجہ سے ترقی کر رہے ہیں، پھر آخر میں کہا کہ:

حکمت از قطع و برید جامہ نیست

مانعِ علم و ہنر عمامہ نیست

یعنی حکمت اور ہنر کسی خاص قسم کا لباس پہننے سے حاصل نہیں ہوتا ، اور عمامہ پہننے سے علم و ہنر حاصل ہونے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی۔ بہر حال! اصل چیز جو حاصل کرنے کی تھی ، وہ تو حاصل کی نہیں ، اور لباس و پوشاک اور طریق زندگی میں اُن کی نقل اتار کر ان کے آگے بھی اپنے آپ کو ذلیل کرلیا۔ دنیا سے عزت وہی کراتا ہے جس کو اپنے طریق زندگی سے عزت ہو، اگر دل میں اپنی عزت نہیں ، اپنے طریقے کی عزت نہیں، تو پھر وہ دنیا سے کیا عزت کرائے گا۔ لہذا تمہارا یہ انداز اور یہ طریقہ ان کو کبھی پسند نہیں آئے گا، چاہے تم ان کے طریقوں میں غرق ہو کر اور ڈوب کر دیکھ لو اور اپنے آپ کو پوری طرح بدل کر دیکھ لو۔

تشبّہ اور مشابہت دونوں سے بچو

بہرحال! فتوے کی بات تو وہ ہے جو میں نے پہلے عرض کی کہ ''تشبّہ'' تو ناجائز حرام اور گناہ ہے۔ اور ''تشبّہ'' کا مطلب یہ ہے کہ ارادہ کرکے ان جیسا بننے کی کوشش کرنا، اور ''مشابہت'' کے معنی یہ ہیں کہ ان جیسا بننے کا ارادہ تو نہیں تھا لیکن کچھ مشابہت پیدا ہوگئی۔ یہ گناہ اور حرام تو نہیں ہے، البتہ کراہت سے خالی نہیں، اور غیرت کے تو بالکل خلاف ہے، اس لئے ان دونوں سے بچنے کی ضرورت ہے۔ یہ لباس کا تیسرا اصول تھا۔

لباس کے بارے میں چوتھا اصول

لباس کے بارے میں چوتھا اصول یہ ہے کہ ایسا لباس پہننا حرام ہے جس کو پہن کر دل میں تکبر اور بڑائی پیدا ہو جائے، چاہے وہ لباس ٹاٹ ہی کا کیوں نہ ہو۔ مثلاً اگر کوئی ایک شخص ٹاٹ کا لباس پہنے اور مقصد یہ ہو کہ یہ پہن کر میں لوگوں کی نظروں میں بڑا درویش اور صوفی نظر آؤں اور بڑا متقی اور پرہیزگار بن جاؤں، اور پھر اس کی وجہ سے دوسروں پر اپنی بڑائی کا خیال دل میں آجائے اور دوسروں کی تحقیر پیدا ہو جائے تو ایسی صورت میں وہ ٹاٹ کا لباس بھی تکبر کا ذریعہ اور سبب ہے، اس لئے وہ بھی حرام ہے۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تکبر کپڑے پہننے سے نہیں ہوتا، بلکہ دوسروں کی حقارت دل میں لانے سے ہوتا ہے، اس لئے بعض اوقات ایک شخص یہ سمجھتا

ہے کہ میں بڑا تواضع والا لباس پہن رہا ہوں، حقیقت میں اس کے اندر تکبر بھرا ہوتا ہے۔

ٹخنے چھپانا جائز نہیں

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے کپڑے کو تکبر کے ساتھ نیچے گھسیٹے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کو رحمت کی نگاہ سے دیکھیں گے بھی نہیں۔

(صحیح بخاری: کتاب اللباس، باب من جر ثوبه من الخیلاء، حدیث نمبر ۵۷۹۱)

دوسری حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرد کی زیر جامہ کا جتنا حصہ ٹخنوں سے نیچے ہوگا وہ حصہ جہنم میں جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مردوں کے لئے ٹخنوں سے نیچے پائجامہ، شلوار، پتلون، لنگی وغیرہ پہننا جائز نہیں، اور اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دو وعیدیں بیان فرمائیں، ایک یہ کہ ٹخنوں سے نیچے جتنا حصہ ہوگا وہ جہنم میں جائے گا، اور دوسرے یہ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی طرف رحمت کی نگاہ سے دیکھے گا بھی نہیں۔ اب دیکھئے کہ ٹخنوں سے اوپر شلوار پہننا ایک معمولی بات ہے، اگر ایک انچ اوپر شلوار پہن لی تو اس سے کیا آفت اور مصیبت آجائے گی؟ کونسا آسمان ٹوٹ پڑے گا؟ لیکن اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچ جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت حاصل ہوگی۔ اور یہ ایسا گناہ بے لذت ہے کہ جس میں پوری کی پوری قوم مبتلا ہے، کسی کو فکر ہی نہیں۔

ٹخنے چھپانا تکبر کی علامت ہے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا زمانہ جاہلیت کا زمانہ تھا، اس میں ٹخنے ڈھکنے اور ازار کو نیچے تک پہننے کا بڑا فیشن اور رواج تھا، بلکہ اگر ازار زمین پر بھی گھسٹتا جائے تو اس کو اور اچھا اور قابل فخر سمجھا جاتا تھا۔ مدارس کے درس نظامی میں ایک کتاب ''حماسہ'' پڑھائی جاتی ہے جو جاہلیت کے شاعروں کے اشعار پر مشتمل ہے، اس کتاب میں ایک شاعر اپنے حالات پر فخر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

اذا ما اصطبحت اربعا خط میزری

جب میں صبح کے وقت شراب کے چار جام چڑھا کر نکلتا ہوں تو میرا ازار زمین پر لکیریں بناتا ہوا جاتا ہے۔ اب وہ اپنے اس طرز عمل کو اپنا قابل فخر کارنامہ بتا رہا ہے، لیکن جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح جاہلیت کے اور طریقوں کو ختم فرمایا، اسی طرح اس طریقے کو بھی ختم فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس عمل کے ذریعہ دل میں تکبر اور رعونت پیدا ہوتی ہے، لہٰذا ازار ٹخنوں سے اوپر ہونا چاہئے۔

اس سے اس پروپیگنڈا کا بھی جواب ہوگیا جو آج کل بہت پھیلایا جارہا ہے، اور بہت سے لوگ یہ کہنے لگے ہیں کہ درحقیقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ طریقے اختیار کرلئے جو آپ کے زمانے میں رائج تھے، اور جیسا لباس قریش میں رائج تھا، جیسی وضع قطع رائج تھی، اسی کو اختیار کرلیا، اب اگر

آج ہم اپنے دور کے رائج شدہ طریقے اختیار کرلیں تو اس میں کیا حرج ہے؟

خوب سمجھ لیجئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی اپنے زمانے میں رائج طریقوں کو اختیار نہیں فرمایا، بلکہ ان میں تبدیلی پیدا کی اور ان کو ناجائز قرار دیا۔ آج لوگ نہ صرف یہ کہ غلط کاری میں مبتلا ہیں، بلکہ بعض اوقات بحث کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں کہ اگر ازار ٹخنوں سے ذرا نیچے ہوگیا تو اس میں کیا حرج ہے؟ ارے حرج یہ ہے کہ یہ حصہ جہنم میں جائے گا اور یہ عمل اللہ تعالیٰ کے غضب کا موجب ہے۔

انگریز کے کہنے پر گھٹنے بھی کھول دیئے

ہمارے بزرگ تھے حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، وہ ایک تقریر میں فرمانے لگے کہ اب ہمارا یہ حال ہوگیا ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ٹخنے کھول دو اور ٹخنے ڈھکنا جائز نہیں تو اس وقت ہم لوگ ٹخنے کھولنے کو تیار نہیں تھے اور جب انگریز نے کہا کہ گھٹنہ کھول دو اور نیکر پہن لو، تو اب گھٹنہ کھلوانے کو تیار ہو گئے۔ انگریز کے حکم پر گھٹنہ بھی کھول دیا اور نیکر پہن لی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر ٹخنے کھولنے پر تیار نہیں۔ یہ کتنی بے غیرتی کی بات ہے۔ ارے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے بھی کچھ تقاضے ہیں، لہٰذا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کو ناپسند فرمایا تو ایک مسلمان کو کس طرح یہ گوارا ہوسکتا ہے کہ وہ اس کے خلاف کرے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ میں نے آپ کو پہلے بھی سنایا تھا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب آپ کفار مکہ سے مذاکرات کے لئے تشریف لے جارہے تھے، تو آپ کے چچازاد بھائی نے جو آپ کے ساتھ تھے کہا کہ یہ آپ کا ازار ٹخنوں سے اونچا ہے اور مکہ کے جن رؤساء اور سرداروں سے آپ مذاکرات کے لئے جارہے ہیں وہ لوگ ایسے آدمی کو حقیر سمجھتے ہیں جس کا ازار ٹخنوں سے اونچا ہو۔ اس لئے آپ تھوڑی دیر کے لئے اپنا ٹخنہ ڈھک لیں اور ازار کو نیچے کرلیں تاکہ وہ لوگ آپ کو حقیر نہ سمجھیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں فرمایا:

"لا، ھکذا ازرۃ صاحبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"

نہیں، یہ کام میں نہیں کرسکتا، اس لئے کہ میرے آقا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ازار ایسا ہی ہوتا ہے۔ اب چاہے وہ لوگ حقیر سمجھیں یا ذلیل سمجھیں، اچھا سمجھیں یا برا سمجھیں، اس سے مجھے کوئی سروکار نہیں، بس میرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ ہے اور میں تو اسی کو اختیار کروں گا، پھر انہوں نے ہی دنیا سے اپنی عزت کرائی۔ آج ہم اس مصیبت میں مبتلا ہیں کہ ڈر رہے ہیں، جھینپ رہے ہیں، شرما رہے ہیں کہ اگر ازار ٹخنوں سے اونچا کرلیا تو قاعدے کے خلاف ہو جائے گا، وقار کے خلاف ہو جائے گا، فیشن کے خلاف ہو جائے گا۔ خدا کے لئے یہ خیالات دل سے نکال دو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع

سنت کا جذبہ دل میں پیدا کرو۔

اگر دل میں تکبر نہ ہو تو کیا اس کی اجازت ہوگی؟

بعض لوگ یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبر کی وجہ سے ٹخنے سے نیچے ازار پہننے کو منع فرمایا تھا، لہٰذا اگر تکبر نہ ہو تو پھر ٹخنوں سے نیچے پہننے میں کوئی حرج نہیں۔ اور دلیل میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے تو فرمایا کہ ازار کو ٹخنے سے نیچے نہ کرو، لیکن میرا ازار بار بار ٹخنے سے نیچے ڈھلک جاتا ہے، میرے لئے اوپر رکھنا مشکل ہوتا ہے، میں کیا کروں؟ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا ازار جو نیچے ڈھلک جاتا ہے، یہ تکبر کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ تمہارے عذر اور مجبوری کی وجہ سے ڈھلک جاتا ہے، اس لئے تم ان میں داخل نہیں۔

(ابوداؤد، کتاب اللباس، باب ماجاء فی اسبال الازار، حدیث نمبر ۴۰۸۵)

اب لوگ استدلال میں اس واقعہ کو پیش کر کے یہ کہتے ہیں کہ ہم بھی تکبر کی وجہ سے نہیں کرتے، لہٰذا ہمارے لئے جائز ہونا چاہئے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ یہ فیصلہ کون کرے کہ تم تکبر کی وجہ سے کرتے ہو یا تکبر کی وجہ سے نہیں کرتے؟ ارے بھائی! یہ تو دیکھو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تکبر سے پاک کون ہوسکتا ہے؟ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی زندگی بھر

ٹخنوں سے نیچے ازار نہیں پہنا۔ اس معلوم ہوا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو اجازت دی گئی تھی، وہ ایک مجبوری کی وجہ سے اجازت دی گئی تھی۔ وہ مجبوری یہ تھی کہ ان کے جسم کی بناوٹ ایسی تھی کہ بار بار ان کا ازار خود بخود نیچے ڈھلک جاتا تھا، لیکن تمہارے ساتھ کیا مجبوری ہے؟ اور آج تک آپ نے کوئی ایسا متکبر دیکھا ہے جو یہ کہے کہ میں تکبر کرتا ہوں، میں متکبر ہوں، اس لئے کہ کسی متکبر کو کبھی خود سے اپنے متکبر ہونے کا خیال نہیں آتا۔ اس لئے شریعت نے علامتوں کی بنیاد پر احکام جاری کئے ہیں، یہ نہیں کہا کہ تکبر ہو تو ازار کو اونچا رکھو ورنہ نیچے کرلیا کرو۔ بلکہ شریعت نے بتا دیا کہ جب ازار کو نیچے لٹکا رہے ہو، باوجودیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمادیا ہے، تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تمہارے اندر تکبر ہے، اس لئے ہر حالت میں ازار نیچے لٹکانا ناجائز ہے۔

علماء محققین کا صحیح قول

اگرچہ بعض فقہاء نے یہ لکھ دیا ہے کہ اگر تکبر کی وجہ سے نیچے کرے تو مکروہ تحریمی ہے اور تکبر کے بغیر کرے تو مکروہ تنزیہی ہے۔ لیکن علماء محققین کا صحیح قول یہ ہے اور جس پر ان کا عمل بھی رہا ہے کہ ہر حالت میں نیچے کرنا مکروہ تحریمی ہے، اس لئے کہ تکبر کا پتہ لگانا آسان نہیں ہے کہ تکبر کہاں ہے اور کہاں نہیں، اس لئے اس سے بچنے کا راستہ یہ ہے کہ آدمی ٹخنے سے اونچا ازار پہنے اور تکبر کی جڑ ہی ختم کردے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور رحمت سے ان اصولوں پر

عمل کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

بہر حال! لباس کے یہ چار اصول ہیں، پہلا اصول یہ ہے کہ وہ ساتر ہونا چاہئے، دوسرا اصول یہ ہے کہ حدود شریعت میں رہتے ہوئے اس کے ذریعہ زینت بھی حاصل کرنی چاہئے، تیسرا اصول یہ ہے کہ اس کے ذریعہ نمائش اور دکھاوا مقصود نہ ہو، چوتھا اصول یہ ہے کہ اس کے پہننے سے دل میں تکبر پیدا نہ ہو۔ اب آگے لباس سے متعلق جو احادیث حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں وہ پڑھ لیتے ہیں۔

سفید رنگ کے کپڑے پسندیدہ ہیں

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: البسوا من ثیابکم البیاض، فانہا من خیر ثیابکم، وکفنوا فیہا موتاکم۔

(ابو داؤد، کتاب الطب، باب فی الامر بالکحل، حدیث نمبر ۳۸۷۸)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سفید رنگ کے کپڑے پہنو، اس لئے کہ مردوں کے لئے سب سے اچھے کپڑے سفید رنگ کے ہیں اور اپنے مُردوں کو بھی سفید کفن دو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کے لئے سفید رنگ کے کپڑوں کو پسند فرمایا ہے، اگرچہ دوسرے رنگ کے کپڑے پہننا نا جائز نہیں، حرام نہیں۔ چنانچہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوقات دوسرے رنگ کے کپڑے زیب تن فرمائے، لیکن زیادہ تر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفید کپڑے زیب تن فرماتے تھے۔ لہٰذا اگر مرد اس نیت سے سفید کپڑے پہنے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول سفید کپڑے پہننے کا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفید کپڑے پسند تھے تو اس نیت کی وجہ سے انشاء اللہ اتباع سنت کا ثواب حاصل ہو جائے گا۔ ہاں اگر کبھی دوسرے رنگ کا کپڑا پہن لیا تو وہ بھی بعض شرائط کے ساتھ مردوں کیلئے جائز ہے، کوئی نا جائز نہیں، چنانچہ اگلی حدیث ہے:

حضور ﷺ کا سرخ دھاری دار کپڑے پہننا

"عن براء بن عازب رضی اللہ عنہ قال: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مربوعا، وقد رایته فی حلة حمراء ما رایت شیئا قط احسن منه"

(صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب الثوب الاحمر، حدیث نمبر ۵۸۴۸)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم درمیانہ قد کے تھے، اور

میں نے آپ کو ایک مرتبہ سرخ جوڑے میں دیکھا اور
میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خوبصورت چیز
اس کائنات میں کوئی نہیں دیکھی۔

بلکہ ایک صحابی حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ چودہویں کا چاند چمک رہا تھا، چاندنی رات تھی، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سرخ جوڑا پہنے تشریف فرما تھے، تو اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اتنے حسین لگ رہے تھے کہ میں بار بار کبھی چودہویں کے چاند کو دیکھتا، اور کبھی سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا، آخر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ یقیناً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن و جمال چودہویں کے چاند سے کہیں زیادہ تھا۔ تو ان احادیث سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا سرخ جوڑا پہننا ثابت ہے۔

(ترمذی، کتاب الادب، باب ماجاء فی الرخصۃ فی لبس الحمرۃ للرجال، حدیث نمبر ۲۸۱۲)

خالص سرخ مرد کیلئے جائز نہیں

لیکن یہ بات سمجھ لیجئے کہ سرخ جوڑے سے مراد یہ نہیں ہے کہ پورا سرخ تھا، بلکہ علماء کرام نے دوسری روایات کی روشنی میں تحریر فرمایا ہے کہ اس زمانے میں یمن سے کچھ چادریں آیا کرتی تھیں، ان چادروں پر سرخ رنگ کی دھاریاں ہوا کرتی تھیں، پوری سرخ نہیں ہوتی تھیں، اور وہ بہت اچھا کپڑا سمجھا جاتا تھا، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سرخ دھاریوں والے کپڑے کا

جوڑا پہنا ہوا تھا۔

اور یہ جوڑا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے پہنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امّت کو پتہ چل جائے کہ اس قسم کے کپڑے پہننا جائز ہے، کوئی گناہ نہیں، البتہ بالکل خالص سرخ کپڑا پہننا مرد کے لئے جائز نہیں۔ اسی طرح ایسے کپڑے جو عورتوں کے ساتھ مخصوص سمجھے جاتے ہیں، ایسے کپڑے پہننا بھی مردوں کے لئے جائز نہیں، اس لئے کہ اس میں عورتوں کے ساتھ تشبّہ ہو جائے گا اور یہ تشبّہ بھی ناجائز ہے۔

آپ ﷺ کا سبز کپڑے پہننا

عن رفاعة التیمی رضی اللہ عنہ، قال: رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلیہ ثوبان اخضران۔

(ابو داؤد، کتاب اللباس، باب فی الخضرة، حدیث نمبر ۴۰۶۵)

حضرت رفاعہ تیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر دو سبز رنگ کے کپڑے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سبز رنگ کے کپڑے بھی پہنے ہیں، تو کبھی کبھی آپ ﷺ نے دوسرے رنگوں کے کپڑے پہن کر یہ بتا دیا کہ ایسا کرنا بھی جائز ہے، کوئی گناہ نہیں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ کپڑا سفید ہی تھا۔

آپ ﷺ کے عمامے کے رنگ

وعن جابر رضی اللہ عنہ، ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دخل عام الفتح مکۃ وعلیہ عمامۃ سوداء۔

(ابو داؤد، کتاب اللباس، باب فی العمائم، حدیث نمبر ۴۰۷۶)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو اس وقت آپ ﷺ کے سر پر سیاہ رنگ کا عمامہ تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سیاہ عمامہ پہننا ثابت ہے اور بعض روایات سے سفید عمامہ پہننے کا بھی اشارہ ملتا ہے۔

آستین کہاں تک ہونی چاہئے

وعن اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا قالت: کان کم قمیص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الرسغ۔

(ابو داؤد، کتاب اللباس، باب ماجاء فی القمیص، حدیث نمبر ۴۰۲۷)

یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص کی آستین گٹوں تک ہوتی تھی۔ اس لئے مردوں کے لئے تو سنت یہ ہے کہ ان کی آستین گٹوں تک ہو، اگر اس سے کم ہوگی تو سنت ادا نہیں ہوگی، اگرچہ جائز ہے، لیکن عورتوں کے لئے گٹوں سے اوپر

کا تو حصہ کھلا رکھنا کسی طرح بھی جائز نہیں، حرام ہے، کیونکہ ان کے لئے پنجے سے نیچے پوری کلائی ستر میں داخل ہے، اس کا کھولنا کسی بھی حال میں جائز نہیں۔

آج کل یہ فیشن بھی عورتوں میں چل پڑا ہے کہ قمیص کی آستین آدھی ہوتی ہے اور بسااوقات پورے بازو کھلے ہوتے ہیں۔ حالانکہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سالی حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلا کر فرمایا کہ جب لڑکی بالغ ہو جائے تو اس کے جسم کا کوئی حصہ کھلا نہ رہنا چاہئے سوائے گٹوں تک ہاتھوں کے اور چہرے کے۔ لہٰذا اگر آستین چھوٹی ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ستر کا حصہ کھلا ہوا ہے اور اس طرح خواتین ستر کھولنے کے گناہ میں مبتلا ہو جاتی ہیں، اس لئے ان کو اس کا بھی اہتمام کرنا چاہئے۔ اور مردوں کو بھی چاہئے کہ وہ خواتین کو ان باتوں پر متنبہ کرتے رہیں، یہ جو ہم نے کہنا سننا چھوڑ دیا ہے، اس کے نتیجے میں ہم کہاں سے کہاں پہنچ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۔